تفسیر الفرقان

مؤلف ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

جلد سوئم

سورہ بقرہ آیت ۱۷۹ تا ۲۵۳

1

تفسیر الفرقان

مؤلف ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

جلد سوئم

سورہ بقرہ آیت ۱۷۹ تا ۲۵۳

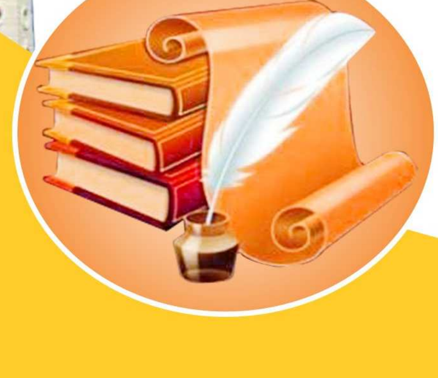

جملہ حقوق طباعت واشاعت محفوظ ہیں

نام کتاب========= تفسیر الفرقان

نام مصنف=========محمد طاہر بھٹی چک قاسمکا

صفحات ========= ۵۰۱

قیمت ========= 0

موبائل نمبر

03477172726 , 03030144460

ایڈریس

چک قاسمکا تحصیل وضلع بہاولنگر، پنجاب پاکستان

E-mail:Tahirbhatti697@gmail.com

فہرست

عنوانات	نمبر شمار
قصاص انسانی حیات کا ذریعہ ہے	16
ورثاء کے لیے وصیت کا منسوخ ہونا	17
روزہ کا لغوی اور شرعی معنی	25
رمضان اور روزوں کے فضائل	26
مریض کے روزہ قضا کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ	37
مسافر کے روزہ قضا کرنے کے متعلق مذاہب اربعہ	40
(آیت) "الذین یطیقونہ" کے معنی کی تحقیق میں احادیث اور آثار	42
(آیت) "الذین یطیقونہ" کے معنی کی تحقیق میں مفسرین کی آراء	47
بڑھاپے یا دائمی مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کے متعلق مذاہب اربعہ	50
رمضان کے اسرار و رموز اور رمضان میں نزول قرآن کا بیان	54
قطبین میں روزے اور نماز کی تحقیق	55

میت کی طرف سے روزے رکھنے میں مذاہب ائمہ	57
حاملہ اور مرضعہ کے لیے روزہ کی رخصت میں مذاہب ائمہ	59
عیدگاہ جاتے وقت تکبیرات پڑھنے میں مذاہب ائمہ	62
شان نزول	66
اللہ سے دعا کرنے کے متعلق احادیث	67
ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیث	68
فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق احادیث	70
فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء	74
شان نزول	79
سفید دھاگے اور کالے دھاگے کا بیان	81
منصف، انصاف اور مدعی	88
احادیث اور آثار کی روشنی میں رشوت کا حکم	89
جھوٹی گواہی سے حکم رد ہوتا ہے یا نہیں؟	91
قضاء کے ظاہراً اور باطناً نافذ ہونے میں فقہاء احناف کا موقف	93

شان نزول: (آیت) "یسئلونک عن الاھلۃ" (الخ)	94
قمری تاریخوں کا حکم اور اہمیت	98
بدعت کی اصل بنیاد	99
جہاد کیا جازت ملنے پر پہلی آیت	101
قتال اور جہاد میں بچوں' بوڑھوں اور عورتوں وغیرہ کو قتل کرنے کی ممانعت	104
شان نزول	106
اللہ تعالیٰ کے دین کا مطلب ہے	112
شان نزول	116
حرمت والے مہینوں کا بیان	117
شان نزول	120
خود کو ہلاکت میں ڈالنے کی تفسیر	121
شان نزول	126
احصار کی تعریف میں مذاہب ائمہ	127
شان نزول	139

حج کے مہینوں کے متعلق فقہاء امت کے نظریات	140
ایام حج میں فحش باتیں، گناہ اور جھگڑا کرنے کی ممانعت	140
حج کے لیے سفر خرچ تیار کرنے حکم	141
شان نزول	145
حج کے دوران روزی کمانے کا جواز	145
مشعر حرام کا بیان	147
شان نزول	151
شان نزول	154
اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے	155
دنیا کی بھلائی سے مراد ہے	156
شان نزول	166
الدالخصام" (سخت جھگڑالو) کا بیان	166
گناہ سے زمین میں فساد پھیلتا ہے	170
شان نزول	173

شان نزول	177
بینات کی تفسیر	179
بنو اسرائیل کا اللہ کی نعمتوں کو کفر سے تبدیل کرنا	183
اللہ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ تبدیل کرنے کا سبب	185
شان نزول	187
تاریخ انسانیت	192
ابتداء میں نوع انسان کے دین حق پر ہونے کے دلائل	193
تمام انسانوں کا دین صرف اسلام ہے	194
شان نزول	200
راہ حق میں پیش آنے والے مصائب	201
شان نزول	204
شان نزول	209
جہاد کی تعریف اور اس کی اقسام	209
جہاد کرنے میں عزت اور جہاد ترک کرنے میں ذلت کا بیان	210

211	جہاد کے درجات اور اجر و ثواب کے متعلق احادیث
217	شان نزول
217	ربط آیات
218	حضرمی کے قتل کی تاریخ کی تحقیق
221	حرمت والے مہینوں میں ممانعت قتال کے منسوخ ہونے کی تحقیق
228	شان نزول
230	شان نزول
231	قرآن مجید سے خمر کی تحریم کا بیان
233	احادیث سے شراب کی تحریم کا بیان
235	خمر کی تعریف میں ائمہ مذاہب کا نظریہ
237	جوئے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان
238	لاٹری اور انعامی بانڈز وغیرہ کا شرعی حکم
242	شان نزول
243	زیر کفالت یتیم کے ساتھ طرز معاشرت

شان نزول	247
حیض کا حکم بیان کرنے کا شان نزول	255
شان نزول	255
حائضہ سے مباشرت کرنے کی دینی اور دنیاوی خرابی	256
ایام حیض کے تعین میں مذاہب ائمہ	257
شان نزول	261
شان نزول	266
قسموں کی قسموں کا بیان اور ان کے احکام	270
ایلا کا معنی اور ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں فقہاء ائمہ	272
شان نزول	279
قرء کے معانی کے متعلق ائمہ لغت کی تصریحات	280
قرء بہ معنی حیض کی تائید میں احادیث اور فقہاء احناف کے دلائل	281
قرء کے معنی کی تعیین میں دیگر ائمہ مذاہب کی آراء	285
اسلام میں عورتوں کے مردوں پر حقوق	286

اسلام میں مردوں کے عورتوں پر حقوق	294
آیا عورت پر مرد کی خدمت واجب ہے یا نہیں	298
شان نزول	301
طلاق کا لغوی معنی	302
طلاق کا اصطلاحی معنی	302
طلاق کی اقسام	302
تین طلاقوں کی تحدید کی وجوہات، مصالح اور حکمتیں	309
شان نزول	335
بیک وقت دی گئی طلاقوں کے تین ہونے پر قرآن مجید سے دلائل	336
شان نزول	353
شان نزول	357
بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے متعلق مذاہب اربعہ	358
حق مہر کب اور کتنا	378
شوہر کے حق میں عقد نکاح کی ملکیت پر جمہور کے دلائل	383

صلوۃ وسطی کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء	393
ظہر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث:	395
عصر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث:	397
باتیں نہ کرنے اور خضوع اور خشوع سے نماز پڑھنے کا حکم	398
حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق ائمہ کی آراء	401
حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق احادیث	402
حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب	405
حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب	405
حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب	406
حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب	407
شان نزول	410
ایک سال تک عدت وفات کے منسوخ ہونا کا بیان	410
عدت وفات کے شرعی حکم میں اختلاف فقہاء	412
عدت وفات کے متعلق فقہاء حنبلہ کا نظریہ	413

عدت وفات کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ	414
عدت وفات کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ	415
شان نزول	416
مطلقہ عورتوں کے مہر کی ادائیگی کا وجوب	417
الم تر الی الذین کا خطاب بطور محاورہ	421
طاعون سے ڈر کر بھاگنے والوں کا مرنا اور دوبارہ زندہ ہونا	422
شان نزول	426
شان نزول	427
اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کا بیان	428
اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کے متعلق احادیث	429
حضرت طالوت ؓ کا واقعہ	434
بنو اسرائیل کی جماعت کے نبی آیا شمویل ؑ تھے یا شمعون ؑ؟	434
یہود کو سرزنش	437
طالوت کا بیان	440

بنواسرائیل کے تابوت کی تحقیق	443
سکینہ کا معنی اوراس کے مصداق کی تحقیق	444
آل موسیٰ اورآل ہارون کے باقی ماندہ تبرکات کا بیان	447
طالوت کی فتح اور جالوت کی شکست کا بیان	456
جالوت مارا گیا	462
نیکوکاروں کی برکت سے گنہگاروں سے عذاب کا دور ہونا	467
رسولوں کی باہمی فضیلت	476

﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٩﴾ ﴾

اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے، اے عقل والو! تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

عبدالرزاق اور ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ولکم فی القصاص حیوۃ" سے مراد ہے کہ اس میں تمہارے لیے نصیحت اور سزا ہے جب اس ظالم کو قصاص کا تصور ذہن میں آئے گا تو وہ قتل سے رک جائے گا۔

عبد بن حمید نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قصاص کو زندگی اور عزت بنایا عقل والوں کے لیے اور اس میں نصیحت ہے جاہلوں اور بیوقوفوں کے لیے کتنے آدمی ہیں جو قتل کا ارادہ کرتے ہیں اگر قصاص کا ڈر نہ ہوتا تو وہ اس (کام) میں واقع ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس قصاص کے ذریعہ بعض کو بعض کے قتل سے روک دیا ہے اپنے بندوں کو اور جو کچھ اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں اس میں انسان کے لیے دنیا میں اور آخرت میں اصلاح ہوتی ہے اور جس کام سے اللہ تعالیٰ روکتے ہیں اس میں فساد ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں اس چیز کو جس سے ان کی مخلوق کی اصلاح ہوتی ہے۔

ابن جریرؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ولکم فی القصاص حیوۃ" سے مراد ہے کہ قصاص میں حیات ہے کیونکہ مقتول کے بدلے صرف قاتل ہی قتل ہوگا (کوئی اور نفس قتل نہیں ہوگا)۔

سفیان بن شیبہؒ نے مجاہدؒ سے لفظ آیت "ولکم فی القصاص حیوۃ" سے مراد ہے کہ قصاص میں زندگی اس

طرح سے ہے کہ ان کے بعض بعض کو قصاص کی وجہ سے روکتے ہیں۔

قصاص انسانی حیات کا ذریعہ ہے

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ”ولکم فی القصاص حیوۃ یاولی الالباب“ سے مراد ہے کہ جس شخص میں سمجھ اور عقل ہے تو وہ قصاص کو یاد کرتا ہے اور قصاص کے خوف سے قتل کرنے سے رک جاتا ہے۔لفظ آیت ”لعلکم تتقون“ تاکہ تم (ناحق) خون (بہانے) سے بچ جاؤ قصاص کے خوف سے۔

عبد بن حمیدؒ،ابن ابی حاتمؒ نے اُبوالجواءؒ سے روایت کیا کہ انہوں نے اس طرح پڑھا لفظ آیت ”ولکم فی القصاص حیوۃ“ یعنی قرآن کے حصے (جو تمہارے لیے عزت ہیں اور تمہارے لیے زندگی کا باعث ہیں)

امام آدم اور بیہقیؒ نے اپنی سنن میں ابوالعالیہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ”فمن اعتدی“ سے مراد ہے دیت لینے کے بعد قتل کردینا لفظ آیت ”ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ“ جب تم کو دیت دے دی گئی اور وہ تورات والوں کے لیے حلال نہیں تھی ان کے لیے قصاص تھا یا معاف کردینا اور انجیل والوں کے لیے معاف کردینا تھا اور اس کے علاوہ کچھ نہ تھا پس اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے قصاص دیت اور معاف کردینا (تینوں احکام) مقرر فرمادیئے۔لفظ آیت ”ولکم فی القصاص حیوۃ“ یعنی اللہ تعالیٰ نے قصاص کو زندگی فرمایا ہے کتنے آدمی ہیں جو قتل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں مگر ان کو (قصاص میں) قتل ہوجانے کا خوف (اس کام سے) روک دیتا ہے۔ [۱]

سیدنا ابوجحیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا علیؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ لوگوں کے پاس قرآن

۱۔ تفسیر الدر منثور

کے علاوہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دی ہوئی کوئی اور چیز بھی ہے؟ انھوں نے جواب دیا، اس ذات کی قسم، جس نے غلہ اگایا اور نفس کو پیدا کیا! نہیں، سوائے اس فہم و فراست کے جو اللہ تعالیٰ کسی انسان کو قرآن کے بارے میں عطا فرماتا ہے اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے (اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں)۔ میں نے سوال کیا کہ اس صحیفہ میں کیا ہے؟ انھوں نے بتایا، سب مسلمانوں کے خون برابر ہیں اور قیدی کو چھڑانا اور یہ کہ کوئی بھی مسلمان کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ (۱)

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ ﴾

تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ پہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو کہ وہ وصیت کر جائے اپنے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق مناسب طور پر یہ حق ہے پرہیزگاروں کے ذمے۔

ورثاء کے لیے وصیت کا منسوخ ہونا

جمہور علماء اور اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت' میراث کی آیتوں سے منسوخ ہے' کیونکہ والدین اور دیگر رشتہ داروں کے اللہ تعالیٰ نے خود حصے مقرر فرما دیئے اس لیے ان کے حق میں وصیت کرنے کا

۱۔ [مسند أحمد: ۷۹/۱، ح: ۶۰۱۔ بخاری، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم: ۱۱۱]

وجوب اب منسوخ ہوگیا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، (شروع اسلام میں میراث کا) مال اولاد کے لیے ہوتا تھا اور ماں باپ کے لیے وصیت ہوتی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں سے جو چاہا منسوخ کر دیا۔ [۱]

محمد بن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیٹھے سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے اور جب اس آیت کریمہ پر پہنچے: (اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ) تو فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے۔ [۲]

امام ترمذی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبہ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے' سو وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ [۳]

اس حدیث کی وجہ سے اب ورثاء کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی نے وارث کے لیے وصیت کی تو وہ نافذ نہیں ہوگی' اور جو رشتہ دار وارث نہ ہوں' ان کے لیے تہائی مال سے وصیت کرنا مستحب ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

۱۔[بخاری، کتاب الوصایا، باب لا وصیۃ لوارث: ۲۷۴۷]

۲۔[مستدرک حاکم: ۲/۲۳۷، ح: ۳۰۸۳]

۳۔(جامع ترمذی ص ۳۰۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی) اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۰' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱۴۰۵ھ)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں مجھے ایسا درد لاحق ہوا کہ میں قریب المرگ ہوگیا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میری عیادت کے لیے تشریف لائے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ درد سے میری کیا حالت ہے! میں ایک مال دار شخص ہوں اور ایک لڑکی کے سوا میرا اور کوئی وراث نہیں ہے' کیا میں دو تہائی مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے کہا: نصف مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! تہائی مال صدقہ کرو' تہائی مال بہت ہے' اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ کر جاؤ تو یہ ان کو محتاج چھوڑنے سے بہتر ہے جس کے سبب وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں' اور تم جو کچھ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کروگے' تمہیں اس کا اجر ملے گا حتی کہ اس لقمہ کا بھی اجر ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو۔ (۱)

احادیث کی روشنی میں وصیت کے احکام:

امام دارقطنیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بیشک اللہ عزوجل نے تمہاری وفات کے وقت تمہارے تہائی مال سے تم پر صدقہ کیا ہے' یہ تمہاری نیکیوں میں زیادتی ہے تاکہ تمہارے اعمال کو اس صدقہ سے پاکیزہ کردے۔ (۲)

اگر تمام وارث تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنے کی اجازت دیں تو یہ جائز ہے کیونکہ تہائی مال کی حد ورثاء کا حق محفوظ کرنے کے لیے قائم کی گئی ہے' سو اگر ورثاء خود اپنے حق سے دستبردار ہورہے ہوں تو پھر تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز ہے۔

۱۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

۲۔ (سنن دارقطنی ج ٤ ص ۱۵۰' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

امام دار قطنیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے' البتہ اگر ورثاء چاہیں تو جائز ہے۔

حضرت عمرو بن خارجہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: وارث کیلیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے' البتہ اگر (دیگر) وارث اجازت دیں تو پھر جائز ہے۔ [۱]

اگر کوئی شخص کسی وارث کو محروم کر دے یا کسی شخص کے لیے اس قدر زیادہ وصیت کرے جس سے دوسرے حق داروں کے حصوں میں کمی ہو تو وہ شخص گناہ گار ہوگا۔ امام ابوداؤدؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ایک مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ کی عبادت کرتے رہتے ہیں پھر ان کو موت آجاتی ہے اور وہ وصیت میں (کسی کو) ضرر پہنچاتے ہیں تو ان کے لیے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔ [۲]

زندگی میں صحت کے وقت صدقہ کرنے میں موت کے وقت صدقہ کی وصیت کرنے کی بہ نسبت بہت زیادہ فضیلت ہے۔ امام ابوداؤدؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا: یا رسول! کون سے صدقہ میں زیادہ فضیلت ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس وقت صدقہ کرو جب تم صحت مند ہو' مال پر حریص ہو' زندگی کی امید ہو اور تنگ دستی کا خوف ہو' اور صدقہ میں تاخیر نہ کرتے رہو' حتی کہ جب موت حلقوم تک پہنچ جائے تو کہو: یہ چیز فلاں کے لیے اور یہ چیز فلاں کے لیے' یہ تو (اب تم کہو یا نہ کہو)

۱۔ (سنن دار قطنی ج ٤ ص ١٥٢' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

۲۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ٤٠' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ١٤٠٥ھ)

فلاں کے لیے ہو ہی جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ایک شخص اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرے تو وہ موت کے وقت سو درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ [۱]

﴿ فَمَنۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ؕ ﴿۱۸۱﴾ ﴾

پس جو لوگ اس وصیت کو بدل ڈالیں اس کے سننے کے بعد تو اس کا گناہ ان لوگوں پر ہے جو اس کو بدلتے ہیں، بیشک اللہ سننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔

وصیت میں تبدیلی تشریح:

اس آیت میں ان لوگوں کو خبردار کیا گیا ہے جو مرنے والے کے پاس موجود ہوں اور اپنے کسی فائدہ یا ناجائز غرض کے لیے مرنے والے کی وصیت کو بدل ڈالیں یہ سوچ کر کہ کون جاننے والا ہے۔ مرنے والا تو مر گیا تو ایسے لوگوں کو خیال رکھنا چاہیے کہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اس سے تو کوئی بھی بات چھپی ہوئی نہیں وہ اصل وصیت کو بھی جانتا ہے اور بدلنے والوں کو ان کی نیتوں کو بھی بڑی اچھی طرح جانتا ہے۔ مگر ایک صورت وصیت بدلنے والوں کے لیے جائز بتائی گئی ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ وصیت میں کسی کی حق تلفی اور ترکہ کی ناجائز تقسیم کی گئی ہے یا وصیت گناہ اور ناانصافی پر مبنی ہے تو ایسی صورت میں وارثوں سے مشورہ کرنے کے بعد وصیت تبدیل کی جا سکتی ہے اس پر کوئی گناہ نہیں، نیک

۱۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

نیتی اور اخلاص کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور وہ بڑا ہی بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ حدیث ہے۔ "عمل کی بہتری سچی نیت میں ہے"۔ (۱)

﴿ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ﴾

پھر جس کو اندیشہ ہو کسی وصیت کرنے والے کی طرف سے جانب داری یا حق تلفی کا اور وہ ان کے مابین صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ" سے مراد ہے کہ وصیت کرنے والے کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور وہ اپنی وصیت میں گناہ سے بری ہے اور جسے وصیت میں ظلم کا خوف ہو تو اولیاء پر کوئی حرج نہیں کہ اس غلطی کو درست کردیں۔

ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے لفظ آیت "فمن بدلہ" کے بارے میں روایت کیا کہ جس نے وصیت کو بدل ڈالا اس نے سننے کے بعد تو گناہ اس بدلنے والے پر ہوگا۔

ابن ابی حاتمؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فمن بدلہ" سے مراد ہے کہ وہ لوگ جن کو وصیت کی گئی وہ میت کی وصیت کو بدل دیں لفظ آیت "بعد ما سمعہ" یعنی میت سے سننے کے بعد اس کو نافذ

۱۔ (حکیم ترمذی)

نہ کریں جبکہ وہ وصیت عدل پر مبنی تھی لفظ آیت " فانما اثمہ " یعنی اس کا گناہ لفظ آیت " علی الذین یبدلونہ " وصی (یعنی وصیت نافذ کرنے والے) پر ہوگا اور میت اس سے بری ہوگی۔ لفظ آیت " ان اللہ سمیع " یعنی اللہ تعالیٰ وصیت کو سننے والے ہیں " علیہم " اور اس کو جاننے والے ہیں " فمن خاف " یعنی جو شخص جان لے " من موص " یعنی میت کی طرف سے " جنفا " یعنی طرف داری کو " او اثما " غلطی کو اور اس نے انصاف نہیں کیا لفظ آیت " فاصلح بینھم " یعنی اس کی غلطی کو ٹھیک کر دے " ان اللہ غفور " یعنی وصی کو (جس کو وصیت کی گئی) اس حیثیت سے کہ اس نے ورثہ کے درمیان اصلاح کرا دی " رحیم " (یعنی وہ رحمت کرنے والے ہیں کہ میت کی وصیت کے ظلم کے خلاف تبدیلی میں اس کو اجازت دے دی گئی (یہ ان کی رحمت ہے)۔

امام الطستی ؒ نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا کہ نافع بن ازرق ؒ نے ان سے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے " جنفا " کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اس سے مراد وصیت میں ظلم کرنا اور (حق کے خلاف) مائل ہونا ہے عرض کیا عرب کے لوگ اس معنی سے واقف ہیں فرمایا ہاں کیا تو نے عدی بن زید ؒ کا یہ قول نہیں سنا:۔ وامک یا نعمان فی اخوتھاٴ تین ماٴ نینہ جنفا ترجمہ: (اے نعمان تیری ماں اپنی ان بہنوں میں سے جو آتی ہیں ان کے پاس ظلم پر آہ زاری کرتی ہوئی)۔

ابن جریر ؒ، ابن ابی حاتم ؒ نے حضرت ابن عباس ؓ سے لفظ آیت " جنفا او اثما " کے بارے میں روایت کیا کہ " الجنف " سے مراد خطا ہے اور " الاثم " سے مراد جان بوجھ کر (گناہ کرنا)۔

سفیان بن عینیہ ؒ، نے عبد بن حمید ؒ سے " جنفا او اثما " کے بارے میں روایت کیا کہ " جنفا " کے معنی ہے خطاء سے غلطی کرنا اور " او اثما " کا معنی ہے جان بوجھ کر غلطی کرنا۔

عبد بن حمید ؒ نے عطا ؒ سے روایت کیا کہ " جنفا " سے مراد " جنفا " یعنی ظلم کرنا۔

عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فمن خاف من موص" (الآیہ) سے مراد وہ آدمی جس کو موت حاضر ہو جائے پھر وہ عدل نہ کر سکے۔ اور جب وہ حقوق العباد میں کوتاہی کرے لوگ اس سے کہیں گے اس طرح وصیت کر اور فلاں کو اتنا مال دے۔

عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "خاف من موص" سے مراد ہے جو شخص اپنی وصیت میں ظلم یا زیادتی کرے تو میت کا ولی یا مسلمان کے اماموں میں سے کوئی امام اس کتاب اللہ اور سنت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف لوٹا دے تو اس کے لیے تبدیلی کرنا جائز ہے۔

سفیان بن عیینہؒ، سعید بن منصور اور بیہقیؒ نے سنن میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ وصیت کرنے میں ظلم کرنا اور اس میں (کسی وارث کو) نقصان پہنچانا بڑے گناہوں میں سے ہے۔

عبدالرزاقؒ نے ثوریؒ سے لفظ آیت "فمن بدلہ بعد ما سمعہ" کے بارے میں روایت کیا کہ ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ آدمی جب کوئی وصیت کرتا تھا تو اس کی وصیت کو نہیں بدلا جاتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت "فمن خاف من موص جنفا او اثما فاصلح بینھم" نازل ہوئی تو اس کی وصیت کو حق کی طرف لوٹا دیا (یعنی حق کے ساتھ تبدیلی کی گئی)۔ [1]

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ۝١٨٣﴾

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں

---

[1] تفسیر الدر منثور

پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

روزہ کا لغوی اور شرعی معنی

روزہ کا لغوی معنی ہے: کسی چیز سے رکنا اور اس کو ترک کرنا' اور روزہ کا شرعی معنی ہے: مکلف اور بالغ شخص کا ثواب کی نیت سے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے' پینے اور جماع کو ترک کرنا اور اپنے نفس کو تقوی کے حصول کے لیے تیار کرنا۔

تمام ادیان اور ملل میں روزہ معروف ہے' قدیم مصری' یونانی' رومن اور ہندو سب روزہ رکھتے تھے' موجودہ تورات میں بھی روزہ داروں کی تعریف کا ذکر ہے' اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا چالیس دن روزہ رکھنا ثابت ہے' یروشلم کی تباہی کو یاد رکھنے کے لیے یہود اس زمانہ میں بھی ایک ہفتہ کا روزہ رکھتے ہیں' اس طرح موجودہ انجیلوں میں بھی روزہ کو عبادت قرار دیا گیا ہے اور روزہ داروں کی تعریف کی گئی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا اسی طرح تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے' تاکہ مسلمانوں کو روزہ رکھنے میں رغبت ہو کیونکہ جب کسی مشکل کام کو عام لوگوں پر لاگو کردیا جاتا ہے تو پھر وہ سہل ہوجاتا ہے۔

علامہ علاؤ الدین حصکفیؒ نے لکھا ہے کہ ہجرت کے ڈیڑھ سال اور تحویل قبلہ کے بعد دس شعبان کو روزہ فرض کیا گیا۔ [۱]

سب سے پہلے نماز فرض کی گئی' پھر زکوۃ فرض کی گئی' اس کے بعد روزہ فرض کیا گیا' کیونکہ ان احکام میں سب سے سہل اور آسان نماز ہے اس لیے اس کو پہلے فرض کیا گیا' پھر اس سے زیادہ مشکل اور دشوار زکوۃ

۱۔(در المختار علی ھامش رد المختار ج ۲ ص ۸۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۰۷ھ)

ہے کیونکہ مال کو اپنی ملکیت سے نکالنا انسان پر بہت شاق ہوتا ہے' پھر اس کے بعد اس سے زیادہ مشکل عبادت روزہ کو فرض کیا گیا' کیونکہ روزہ میں نفس کو کھانے پینے اور عمل تزویج سے روکا جاتا ہے اور یہ انسان کے نفس پر بہت شاق اور دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بہ تدریج احکام شرعیہ نازل فرمائے اور اسی حکمت سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارکان اسلام میں نماز اور زکوۃ کے بعد روزہ کا ذکر فرمایا' قرآن مجید میں بھی اس ترتیب کی طرف اشارہ ہے:

(آیت) "والخشعین والخشعت والمتصدقین والمتصدقت والصآئمین والصمت ، (الاحزاب:۳۵)

ترجمہ: اور نماز میں خشوع کرنے والے مرد اور نماز میں خشوع کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔

رمضان اور روزوں کے فضائل

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: روزہ ڈھال ہے' روزہ دار نہ جماع کرے' نہ جہالت کی باتیں کرے' اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا اس کو گالی دے تو وہ دو مرتبہ یہ کہے میں روزہ دار ہوں' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ اپنے کھانے' پینے اور نفس کی خواہش کو میری وجہ سے ترک کرتا ہے' روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا' اور (باقی نیکیوں کا اجر دس گنا ہے۔ (۱)

ا۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت سہل ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جنت میں ایک دروازہ ہے، جس کا نام ریان ہے، اس دروازہ سے قیامت کے دن روزہ دار داخل ہوں گے، ان کے علاوہ اور کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہوگا، کہا جائے گا کہ روزہ دار کہاں ہیں؟ پھر روزہ دار کھڑے ہو جائیں گے، ان کے علاوہ اور کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہوگا، کہا جائے گا کہ روزہ دار کہاں ہیں؟ پھر روزہ دار کھڑے ہو جائیں گے، ان کے علاوہ اور کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہوگا، ان کے داخل ہونے کے بعد اس دروازہ کو بند کر دیا جائے گا، پھر اس میں کوئی داخل نہیں ہوگا۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب رمضان داخل ہوتا ہے تو آسمان کے دروازہ کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

امام مسلم ؒ نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے ایک روایت میں جنت کے دروازوں کا ذکر کیا ہے اور دوسری روایت میں رحمت کے دروازوں کا ذکر کیا ہے۔ (۲)

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر میں قیام کیا اس کے پہلے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے روزہ رکھا اس کے پہلے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں: جس نے جھوٹی

۱۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)
۲۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۶)

بات اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: روزے کے سوا ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہوتا ہے' روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا' روزہ ڈھال ہے اور جب تم میں سے کوئی شخص روزہ سے ہو تو وہ نہ جماع کی باتیں کرے نہ شور وشغب کرے' اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا اس سے لڑے تو وہ یہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں' اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے' روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں' ایک خوشی افطار کے وقت ایک خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت ہوگی' اس وقت وہ اپنے روزہ سے خوش ہوگا۔ [۱]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وصال کے روزے رکھے تو صحابہ نے بھی وصال کے روزے رکھے' ان پر یہ روزے دشوار ہوئے آپ نے ان کو منع فرمایا: صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ بھی تو وصال کے روزے رکھتے ہیں' آپ نے فرمایا: تم میں میری مثل کون ہے؟ مجھے تو کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔ [۲]

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص نے رمضان کا ایک روزہ بھی بغیر عذر یا بغیر مرض کے چھوڑا تو اگر وہ تمام زندگی بھی روزے رکھے تو اس کا بدل نہیں ہوسکتا۔ [۳]

۱۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۲۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۳۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص ایک دن اللہ کی راہ میں روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو جہنم سے ستر سال کی مسافت دور کر دیتا ہے۔ (۱)

حافظ منذریؒ لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: پانچ نمازیں ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ اور ایک رمضان سے دوسرا رمضان ان کے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہیں جب کہ گناہ کبیرہ سے بچا جائے۔ (۲)

حضرت مالک بن حویرثؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منبر پر چڑھے، جب آپ نے پہلی سیڑھی پر پیر رکھا تو فرمایا: آمین! جب دوسری سیڑھی پر پیر رکھا تو فرمایا: آمین! پھر جب تیسری سیڑھی پر پیر رکھا تو فرمایا: آمین! پھر آپ نے فرمایا: میرے پاس جبرائیل (علیہ السلام) آئے اور کہا: اے محمد! جس نے رمضان کو پایا اور اس کی بخشش نہیں کی گئی اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کردے، میں نے کہا: آمین! اور کہا: جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو پایا اس کے باوجود دوزخ میں داخل ہو گیا، اللہ اس کو اپنی رحمت سے دور کردے، میں نے کہا: آمین! اور کہا: جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا گیا اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ پڑھے اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کردے، میں نے کہا: آمین!۔ (۳)

۱۔ (صحیح مسلم ج۱ ص ۳۶٤، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)
۲۔ (صحیح مسلم)
۳۔ (صحیح ابن حبان)

حضرت سلمانؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے شعبان کے آخری دن خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تمہارے پاس ایک عظیم اور مبارک مہینہ آپہنچا ہے' اس مہینہ میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے' اللہ نے اس مہینہ میں روزہ کو فرض کر دیا ہے اور اس کی رات میں قیام کو نفل کر دیا ہے' جو شخص اس مہینہ میں فرض ادا کرے تو وہ ایسا ہے جیسے دوسرے مہینہ میں ستر فرض ادا کیے' یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے' یہ غمگساری کرنے کا مہینہ ہے' یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کے رزق میں زیادتی کی جاتی ہے' اس مہینہ میں جو کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے لیے گناہوں کی مغفرت ہے اور اس کی گردن کے لیے دوزخ سے آزادی ہے' اور اس کو بھی روزہ دار کی مثل اجر ملے گا اور اس روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص کی یہ استطاعت نہیں ہے کہ وہ روزہ دار کو افطار کرا سکے' تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائے گا جو روزہ دار کو ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی یا ایک گھونٹ دودھ سے روزہ افطار کرائے' یہ وہ مہینہ ہے جس کا اول رحمت ہے' جس کا اوسط مغفرت ہے اور جس کا آخر جہنم سے آزادی ہے' جس شخص نے اس مہینہ میں اپنے خادم سے کام لینے میں تخفیف کی اللہ اس کی مغفرت کر دے گا اور اس کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔ اس مہینہ میں چار خصلتوں کو جمع کرو' دو خصلتوں سے تم اپنے رب کو راضی کرو اور دو خصلتوں کے بغیر تمہارے لیے کوئی چارہ کار نہیں ہے' جن دو خصلتوں سے تم اپنے رب کو راضی کرو گے وہ کلمہ شہادت پڑھنا ہے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا ہے' اور جن دو خصلتوں کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے وہ یہ ہیں کہ تم اللہ سے جنت کا سوال کرو اور اس سے دوزخ سے پناہ طلب کرو اور جو شخص کسی روزہ دار کو پانی پلائے گا' اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے پلائے گا' اسے پھر کبھی

پیاس نہیں لگے گی حتیٰ کہ وہ جنت میں چلا جائے گا۔ (۱)

امام ابن حبانؒ نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے مہینہ میں اپنی حلال کمائی سے کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرایا تو رمضان کی تمام راتوں میں فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں اور لیلۃ القدر میں جبرائیل (علیہ السلام) اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور جس سے جبرائیل (علیہ السلام) مصافحہ کرتے ہیں اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور اس کے بہت آنسو نکلتے ہیں۔ حضرت سلمانؓ نے کہا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرمایئے اگر اس کے پاس روٹی کا ایک لقمہ بھی نہ ہو؟ آپ نے فرمایا: وہ ایک مٹھی طعام دے دے، میں نے کہا: یہ فرمایئے اگر اس کے پاس روٹی کا ایک لقمہ بھی نہ ہو؟ آپ نے فرمایا: وہ ایک گھونٹ دودھ دے دے، میں نے عرض کیا: اگر اس کے پاس وہ بھی نہ ہو؟ فرمایا: ایک گھونٹ پانی دے دے۔ (۲)

حضرت عبادہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں جب رمضان آیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تمہارے پاس رمضان آگیا ہے، یہ برکت کا مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ تم کو اس میں ڈھانپ لیتا ہے اس میں رحمت نازل ہوتی ہے اور گناہ جھڑ جاتے ہیں اور اس میں دعا قبول ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں تمہاری رغبت کو دیکھتا ہے سو تم اللہ کو اس مہینہ میں نیک کام کر کے دکھاؤ کیونکہ وہ شخص بد بخت ہے جو اس مہینہ میں اللہ عزوجل کی رحمت سے محروم رہا۔ (۳)

۱۔(صحیح ابن خزیمہ، بیہقی، صحیح ابن حبان)

۲۔(امام ابن خزیمہ اور بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے)

۳۔(اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ اس کے ایک راوی محمد بن قیس کے متعلق مجھے کوئی جرح یا تعدیل مستحضر نہیں ہے)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب ماہ رمضان کی پہلی رات آتی ہے' تو جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور پھر پورے ماہ ان میں سے ایک دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا' اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور پھر پورے ماہ ان میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا' اور سرکش جنوں کے گلوں میں طوق ڈال دیا جاتا ہے اور ہر رات صبح تک ایک منادی آسمان سے ندا کرتا ہے: اے نیکی کے طلب کرنے والے! نیکی کا قصد کر اور زیادہ نیکی کر' اور اے برائی کے طلب کرنے والے! برائی میں کمی کر اور آخرت میں غور وفکر کر' کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے تو اس کی مغفرت کر دی جائے اور کوئی توبہ کرنے والا ہے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور کوئی دعا کرنے والا ہے تو اس کی دعا قبول کی جائے اور کوئی سوال کرنے والا ہے تو اس پورا کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ماہ رمضان کی ہر رات میں ساٹھ ہزار لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے' اور رمضان کی ہر رات میں جتنے لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے عید کے دن اس سے تیس گنا زیادہ لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے ۔ [۱]

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے رمضان کا ذکر کیا اور تمام مہینوں پر اس کی فضیلت بیان کی' پس فرمایا: جس نے رمضان میں ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے قیام کیا وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوجائے گا جس طرح آج ہی اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔ [۲]

حضرت عمرہ بن مرہ جہنیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا

۱۔(اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث حسن ہے)

۲۔(اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ (رض) سے مروی ہے)

: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بتایئے اگر میں اللہ کے وحدہ لاشریک ہونے اور آپ کے رسول اللہ ہونے کی گواہی دوں' اور پانچوں نمازیں پڑھوں اور زکوۃ ادا کروں اور رمضان کے روزے رکھوں اور قیام کروں تو میرا کن لوگوں میں شمار ہوگا؟ آپ نے فرمایا: صدیقین اور شہداء میں۔ (۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اے عبداللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں' یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے فرمایا: نہ کرو' روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو (بغیر روزہ کے رہو) قیام بھی کرو اور سوؤ بھی' کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے' اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے' اور تمہارے لیے یہ کافی ہے تم ہر مہینہ کے تین دن روزے رکھو' اور تمہیں نیکی کا دس گنا اجر ملے گا اور یہ تمہارے پورے دہر کے روزے ہوجائیں گے' میں نے شدت کی اور کہا: یارسول اللہ! میں قوت پاتا ہوں تو آپ نے فرمایا: اللہ کے نبی داؤد کے روزے کس طرح تھے؟ آپ نے فرمایا: نصف دہر (ایک دن روزہ ایک دن افطار)۔ (۲)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

ابن ملحان قیسی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں ایام بیض کے روزے رکھنے کا حکم دیتے تھے تیرھویں' چودھویں اور پندرھویں تاریخ کے روزے کا اور فرماتے:

۱۔ (مسند بزار' صحیح ابن خزیمہ' صحیح ابن حبان) (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۰۶۔۹۲' ملتقطا مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ)

۲۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

ان روزوں سے پورے دہر کے روزوں کا اجر ملے۔ (۱)

تین روزوں کا دس گنا اجر ملے گا جیسا کہ "صحیح بخاری" کی روایت میں ہے تو ہر ماہ تین روزے رکھنے سے پورے ماہ کے روزوں کا اجر ملے گا اور جو شخص ہمیشہ یہ روزے رکھے گا اس کو تمام دہر کے روزوں کا اجر ملے گا۔

امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوایوب انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے' پھر اس نے شوال کے چھ روزے رکھے تو اس کو تمام دہر کے روزوں کا اجر ملے گا۔ (۲)

ہر نیکی کا دس گنا اجر ہوتا ہے تو چھتیس روزوں کا اجر ۳۶۰ روزوں کے برابر ہوا' گویا وہ پورا سال روزہ دار رہا۔

حضرت ابوقتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: یوم عرفہ کا روزہ رکھنے سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ مٹا دے گا اور دس محرم کا روزہ رکھنے سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ایک سال پہلے کے گناہ مٹا دے گا۔ (۳)

امام ابوداؤدؒ روایت کرتے ہیں:

قدامہ بن مظعونؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ساتھ وادی القری میں اپنے مال کی

۱۔(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۲' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱۴۰۵ھ)

۲۔(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

۳۔(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

طلب میں گئے‘ حضرت اسامہ پیراور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے‘ قدامہ نے کہا: آپ بوڑھے آدمی ہیں‘ آپ پیراور جمعرات کا روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیراور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے‘ آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا پیراور جمعرات کو بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ (۱)

حضرت عائشہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (مسلسل) روزے رکھتے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ اب آپ افطار (روزہ ترک کرنا) نہیں کریں گے‘ اور آپ روزے نہ رکھتے حتیٰ کہ ہم کہتے: اب آپ روزے نہیں رکھیں گے اور میں نے رمضان کے علاوہ آپ کو کسی ماہ کے مکمل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ شعبان کے مہینہ سے زیادہ کسی اور مہینہ میں روزے رکھتے ہوئے دیکھا۔ (۲)

بعض ایام میں روزہ رکھنے کی ممانعت:

امام ابوداؤدؒ بیان کرتے ہیں:

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا: عیدالاضحیٰ کے دن کیونکہ اس دن تم اپنی قربانی کا گوشت کھاتے ہو اور عیدالفطر کے دن کیونکہ اس دن تم اپنے روزوں سے افطار کرتے ہو۔ (۳)

حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: یوم عرفہ‘ یوم نحر اور ایام تشریق ہم اہل

۱۔ (سنن ابوداؤد ج۱ ص۰، ۳۳ مطبوعہ مطبع مجتبائی‘ پاکستان‘ لاہور ۱٤۰٥ھ)

۲۔ (سنن ابوداؤد ج۱ ص۳۳۱‘ ۳۳۰۔ مطبوعہ مطبع مجتبائی‘ پاکستان‘ لاہور ۱٤۰٥ھ)

۳۔ (سنن ابوداؤد ج۱ ص۳۲۸‘ مطبوعہ مطبع مجتبائی‘ پاکستان‘ لاہور ۱٤۰٥ھ)

اسلام کی عید ہیں اور یہ کھانے پینے کے ایام ہیں۔ (۱)

میدان عرفات میں یوم عرفہ کا روزہ رکھنا منع ہے اور دوسری جگہوں میں اس دن روزہ رکھنا کار ثواب ہے اور عیدین میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میدان عرفات میں یوم عرفہ کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (۲)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص (صرف) جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھے' الا یہ کہ اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد میں روزہ رکھے۔ ___ (۳)

یہود ہفتہ کے دن کی تعظیم کی وجہ سے اس دن کا روزہ رکھتے تھے' ان کی مشابہت کی وجہ سے اس دن کے روزہ سے منع فرمایا:

۱۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۹۔۳۲۸ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱٤٠٥ھ)

۲۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۱ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱٤٠٥ھ)

۳۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱٤٠٥ھ) ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث منسوخ ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۹' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱٤٠٥ھ)

﴿ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ ؕ فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۴﴾ ﴾

گنتی کے چند دن۔پس جو کوئی تم میں سے مریض ہو یا مسافر ہو تو دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے اور ان لوگوں پر جو اس کی طاقت رکھتے ہیں ان کے ذمہ بدلہ ہے ایک فقیر کا کھانا پھر جو کوئی خوشی سے کرے نیکی تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور یہ کہ تم روزہ رکھو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

مریض کے روزہ قضا کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ ابو اسحاق شیرازی شافعیؒ لکھتے ہیں:

جو شخص مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو' روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کو مرض کے بڑھنے کا خدشہ ہو اور اس مرض کے زائل ہونے کی توقع ہو تو اس پر روزہ رکھنا واجب نہیں ہے اور جب مرض زائل ہو جائے تو اس پر ان روزوں کی قضا کرنا واجب ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔(آیت)"فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر"۔(البقرہ:۱۸٤)اور اگر کسی شخص نے صبح کو تندرستی کی حالت میں روزہ رکھا پھر

بیمار ہو گیا تو وہ روزہ توڑ دے کیونکہ ضرورت کی وجہ سے اس کے لیے روزہ توڑنا جائز ہے اور ضرورت متحقق ہے‘ لہٰذا روزہ توڑنا جائز ہے۔ (۱)

علامہ نووی شافعیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو شخص کسی ایسے مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہو جس کا زائل ہونا متوقع ہو اس پر اس وقت روزہ رکھنا لازم نہیں ہے‘ اور اس پر قضا لازم ہے‘ یہ اس وقت جب اس کو روزہ رکھنے سے مشقت ہو اور اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ اس کا مرض اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس کے لیے روزہ رکھنا ممکن ہی نہ ہو‘ بلکہ ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ افطار کے مباح ہونے کی شرط یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے اس کو مشقت ہو‘ اگر اس کو پورے وقت بخار رہتا ہو تو وہ رات کو روزے کی نیت نہ کرے‘ اور اگر کسی وقت بخار ہو اور کسی وقت نہ ہو اگر روزہ کے شروع کے وقت میں بخار ہو تو روزہ کی نیت نہ کرے اور اگر بخار نہ ہو تو روزہ کی نیت کرے‘ پھر اگر بعد میں بخار ہو جائے اور روزہ توڑنے کی ضرورت ہو تو روزہ توڑ دے۔ اسی طرح اگر تندرست آدمی صبح روزہ رکھے اور بعد میں بیمار ہو جائے تو اس کے لیے بغیر کسی اختلاف کے روزہ توڑنا جائز ہے۔ (۲)

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مریض کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور اس کی دلیل سورہ بقرہ کی یہ آیت (۱۸٤) ہے۔ جس مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا جائز ہے یہ وہ مرض ہے جو روزہ رکھنے سے زیادہ یا روزہ رکھنے کی وجہ سے دیر میں صحیح ہو‘ امام احمدؒ سے کہا گیا کہ مریض کب روزہ نہ رکھے کہا: جب روزہ کی

۱۔ (المہذب مع شرح المہذب ج ٦ ص ۲۵۸۔ ۲۵۷‘ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

۲۔ (شرح المہذب ج ٦ ص ۲۵٦‘ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

طاقت نہ رکھے پوچھا گیا: مثلاً بخار تو کہا: بخار سے بڑھ کر اور کونسا مرض ہوگا؟۔ [1]

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جو شخص تندرست ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کو بیمار پڑنے کا خدشہ ہو وہ اس مریض کی طرح ہے جس کو روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے بڑھنے کا خدشہ ہو۔ [2]

علامہ قرطبی مالکیؒ لکھتے ہیں:

مریض کی دو حالتیں ہیں: ایک حالت یہ ہے کہ اس میں روزہ رکھنے کی مطلقاً طاقت نہ ہو‘ اس حالت میں اس پر روزہ نہ رکھنا واجب ہے‘ دوسری حالت یہ ہے کہ وہ تکلیف اور مشقت برداشت کر کے روزہ رکھ سکتا ہو‘ اس حالت میں اس کے لیے روزہ نہ رکھنا مستحب ہے اور اس صورت میں صرف جاہل ہی روزہ رکھے گا۔ (الی قولہ) جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ جب روزہ رکھنے سے کسی شخص کو درد ہو یا تکلیف پہنچے یا روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کا طول پکڑنے یا زیادہ ہونے کا خدشہ ہو تو اس کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ امام مالکؒ کے مذہب کے ماہرین کا یہی مذہب ہے۔ [3]

علامہ ابوبکر جصاص حنفیؒ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہؒ ‘ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے کہا: جب یہ خوف ہو کہ اس کی آنکھ میں درد زیادہ ہوگا یا بخار زیادہ ہو جائے گا تو روزہ نہ رکھے۔ [4]

۱۔(المغنی ج ۳ ص ٤١ ‘مطبوعہ دارالفکر بیروت‘ ١٤٠٥ھ)

۲۔(المغنی ج ۳ ص ٤٢ ‘مطبوعہ دارالفکر‘ بیروت‘ ١٤٠٥ھ)

۳۔(الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ٢٧٦ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران‘ ١٣٨٧ھ)

۴۔(احکام القرآن ج ۱ ص ١٧٤ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور‘ ١٤٠٠ھ)

علامہ علاء الدین حصکفی حنفیؒ لکھتے ہیں:

سفر شرعی کرنے والے مسافر‘ حاملہ اور دودھ پلانے والی کو غلبہ ظن سے اپنی جان یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو یا مرض بڑھنے کا خوف ہو‘ یا تندرست آدمی کو غلبہ ظن‘ تجربہ‘ علامات یا طبیب کے بتانے سے مرض پیدا ہونے کا خوف ہو یا خادمہ کو ضعف کا خوف ہو تو ان کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور بعد میں ان ایام کی قضاء کریں۔ [١]

جس شخص کے گردہ میں پتھری ہو یا جس کو درد گردہ کا عارضہ ہو اس کو دن میں بیس پچیس گلاس پانی پینے ہوتے ہیں یا جو شخص ہسپتال کے انتہائی نگہداشت کے شعبہ میں داخل ہو‘ یہ لوگ اس بیماری کے دوران روزے نہ رکھیں اور بیمار زائل ہونے کے بعد ان روزوں کی قضا کریں۔

مسافر کے روزہ قضا کرنے کے متعلق مذاہب اربعہ

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک سفر میں بھیڑ دیکھی اور دیکھا کہ ایک شخص پر سایہ کیا گیا ہے آپ نے پوچھا: اس کو کیا ہوا؟ عرض کیا: یہ روزہ دار ہے‘ فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔ [٢]

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ سفر کرتے‘

١۔ (درمختار علی ھامش ردالمختار ج ٢ ص ١١٧۔١٠٦‘ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی‘ بیروت ١٤٠٧ھ)

٢۔ (صحیح بخاری ج ١ ص ٢٥٦١‘ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع‘ کراچی‘ ١٣٨١ھ)

روزہ دار‘ روزہ نہ رکھنے والے کی مذمت کرتا تھا نہ روزہ رکھنے والا روزہ دار کی مذمت کرتا تھا۔ [1]

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ سے مکہ گئے‘ جب آپ عسفان پر پہنچے تو آپ نے پانی منگایا اور اس کو اپنے ہاتھ سے اوپر اٹھایا تاکہ اس کو لوگ دیکھ لیں‘ پھر آپ نے روزہ کھول لیا (اس کے بعد آپ نے روزے نہیں رکھے) حتی کے مکہ پہنچ گئے۔ [2]

علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں:

مسافر کے لیے روزہ رکھنا اور روزہ نہ رکھنا دونوں جائز ہیں‘ اگر اس کو روزہ رکھنے سے ضرر نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر ضرر ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ [3]

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اگر اس نے روزہ رکھ لیا تو یہ مکروہ ہے لیکن روزہ ہو جائے گا۔ [4]

امام قرطبی مالکیؒ لکھتے ہیں:

علماء کا اختلاف ہے کہ کس سفر پر روزہ نہ رکھنے اور نماز قصر کرنے کی رخصت ہے۔ حج‘ جہاد یا دیگر عبادات کے لیے سفر ہو تو اس میں اس رخصت پر اجماع ہے۔ رشتہ داروں سے ملاقات اور طلب معاش کے لیے سفر بھی اس کے ساتھ لاحق ہے‘ تجارات اور مباح سفر (مثلاً سیر و سیاحت) میں اختلاف ہے لیکن ان میں بھی رخصت کا ہونا زیادہ راجح ہے اور سفر کی مسافت کی مقدار امام مالکؒ کے نزدیک وہی

۱۔(صحیح بخاری ج۱ص۲۶۱‘ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع‘ کراچی‘ ۱۳۸۱ھ)

۲۔(صحیح بخاری ج۱ص۲۶۱‘ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع‘ کراچی‘ ۱۳۸۱ھ)

۳۔(روضۃ الطالبین ج۲ص۲۳۶‘ مطبوعہ مکتب اسلامی‘ بیروت‘ ۱۴۰۵ھ)

۴۔(المغنی ج۳ص۴۲‘ مطبوعہ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۰۵ھ)

ہے جتنی مسافت میں قصر جائز ہوتی ہے۔ (۱)

علامہ ابن عابدین شامی حنفیؒ لکھتے ہیں:

سفر شرعی میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے جو تین دن تین راتوں کی مسافت پر مشتمل ہو، خواہ یہ سفر معصیت ہو۔ (۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں پر روزہ رکھنا دشوار ہو (ان پر ایک روزہ کا) فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔ (البقرہ: ۱۸٤)

(آیت) "الذین یطیقونہ" کے معنی کی تحقیق میں احادیث اور آثار

اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے، آیا اس کا معنی ہے: جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ روزہ نہ رکھیں اور ایک مسکین کا کھانا فدیہ میں دیں، اور پھر یہ آیت اس دوسری آیت سے منسوخ ہوگئی۔

(آیت) "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ"۔ (البقرہ: ۱۸۵)

ترجمہ: تم میں جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو وہ ضرور اس ماہ میں روزہ رکھے۔

یا اس آیت میں "یطیقونہ" "یطوقونہ" کے معنی میں ہے: یعنی جن لوگوں پر روزہ رکھنا سخت دشوار ہو، وہ روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

اول الذکر معنی کی تائید میں یہ حدیث ہے، امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

(آیت) "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین"۔ (البقرہ: ۱۸٤)

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۷۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

۲۔ (ردالمختار ج ۲ ص ۱۱٦، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱٤۰۷ھ)

حضرت ابن عمرؓ اور حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے کہا: اس کو اس آیت نے منسوخ کر دیا"۔ (آیت) "شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس و بینت من الھدی والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ"۔ (البقرہ:۱۸۵)

ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب بیان کرتے ہیں کہ رمضان نازل ہوا اور صحابہ کرامؓ پر روزہ رکھنا دشوار ہوا تو بعض صحابہ جو روزہ کی طاقت رکھتے تھے وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتے اور روزہ ترک کر دیتے' انہیں اس کی رخصت دی گئی تھی' پھر اس رخصت کو اس آیت نے منسوخ کر دیا۔ (آیت) "وان تصوموا خیر لکم"۔ (البقرہ:۱۸۴) روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے" تو انہیں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ نافعؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے (آیت) "فدیۃ طعام مسکین"۔ (البقرہ:۱۸۴) کو پڑھا اور فرمایا: یہ منسوخ ہے۔[۱]

اور ثانی الذکر معنی کی تائید میں یہ حدیث ہے' امام دارقطنیؒ روایت کرتے ہیں:

عکرمہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: جب بوڑھا شخص روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو وہ ایک مد (ایک کلو) طعام کھلا دے' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[۲]

امام دارقطنیؒ نے ایک اور سند سے روایت کیا:

عطاءؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے (آیت) "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین"۔ (البقرہ:۱۸۴) کی تفسیر میں فرمایا: ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور (آیت) "فمن تطوع خیرا" (البقرہ:۱۸۴) کی تفسیر میں فرمایا: اگر ایک سے زیادہ مسکین کو کھلائے تو زیادہ بہتر ہے' اور فرمایا: یہ آیت منسوخ

۱۔ (صحیح بخاری ج۱ ص۲۶۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۲۔ (سنن دارقطنی ج۲ ص۲۰۴ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

نہیں ہے، البتہ اس میں بوڑھے شخص کو رخصت دی گئی ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اس کو طعام کھلانے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۱)

امام دارقطنیؒ نے ایک اور سند سے اس حدیث کو عطاءؒ سے روایت کیا ہے اس میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: (آیت) "یطیقونہ" کا معنی ہے: "یکلفونہ" یعنی جو سخت دشواری سے روزہ رکھیں وہ اس کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں اور جو ایک سے زیادہ مسکن کو کھلائے تو یہ اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور تمہارا روزہ رکھنا بہتر ہے، یہ رخصت صرف اس بوڑھے شخص کے لیے ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا یا اس مریض کے لیے ہے جس کو بیماری سے شفا کی توقع نہیں ہے۔

۔ (۲)

امام دارقطنیؒ نے ایک اور سند کے ساتھ عکرمہؒ سے روایت کیا:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: بوڑھے شخص کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھلائے اور اس پر قضاء نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (۳)

نیز امام دارقطنیؒ روایت کرتے ہیں:

نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ سے ایک حاملہ عورت نے سوال کیا تو انہوں نے کہا: تم روزہ نہ

۱۔ اس حدیث کی سند ثابت اور صحیح ہے۔

۲۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ امام دارقطنیؒ نے ایک اور سند کے ساتھ مجاہد اور عطاءؒ سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت ذکر کی ہے اور کہا: اس کی سند صحیح ہے۔

۳۔ امام دارقطنی نے چودہ صحیح سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۰۷، ۲۰۵ مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان)

رکھواور ہرروزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلاؤ اور قضاء نہ کرو۔

نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کی بیٹی ایک قرشی کے نکاح میں تھیں، وہ حاملہ تھیں، ان کو رمضان میں پیاس لگی تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

ایوبؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ ایک کمزوری کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو انہوں نے ایک تھال میں ثرید (گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے ڈال دیئے جائیں) بنایا اور تین مسکینوں کو سیر کر کے کھلایا۔

قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ موت سے پہلے حضرت انسؓ کمزور ہو گئے تو انہوں نے روزے نہ رکھے اور گھر والوں سے کہا: ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں، تو انہوں نے تیس مسکینوں کو کھلایا۔

مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ قیس بن سائبؓ نے کہا: رمضان کے مہینہ میں ہر شخص روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھلاتا ہے تم میری طرف سے دو مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کو بڑھاپا آ جائے اور وہ روزہ نہ رکھ سکے اس پر لازم ہے کہ ہر روزہ کے بدلہ میں ایک کلو گندم دے۔ [1]

ان تمام آثار صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور جو کسی دائمی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے وہ فدیہ دے اور اس کے بعد جو (آیت) "وان تصوموا خیر لکم" ہے اس کا معنی ہے: مسافر اور مریض کا روزہ رکھنا بہتر ہے یہ آیت فدیہ کی ناسخ نہیں ہے۔ امام مالکؒ کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ

۱۔ (سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۰۸، ۲۰۷ مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بوڑھے ہو گئے حتیٰ کے وہ روزہ رکھنے پر قادر نہ رہے تو وہ فدیہ دیتے تھے۔ (۱)

امام مالک رحمہ اللہ کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ حاملہ عورت کو جب اپنے بچہ کی جان کا خوف ہو اور اس پر روزہ دشوار ہو تو کیا کرے؟ فرمایا: وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو ایک کلو گندم کھلائے۔ (۲)

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جن لوگوں پر روزہ سخت دشوار ہو وہ ایک روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں، یہ رخصت صرف اس بوڑھے کے لیے ہے جو روزہ نہ رکھ سکے یا اس مریض کے لیے جس کو شفا کی امید نہ ہو۔ (۳)

امام طبرانی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب موت سے ایک سال پہلے کمزور ہو گئے تو انہوں نے روزے نہیں رکھے اور فدیہ دیا۔ (۴)

امام طبرانی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت قیس بن سائب رضی اللہ عنہ نے کہا: رمضان کے مہینہ میں انسان ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلاتا ہے تم میری طرف سے ایک مسکین کو ہر روز ایک صاع (چار کلو) طعام دو۔ (۵)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب روزہ نہ رکھ

۱۔(موطا امام مالک ص ۲۵۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان، لاہور)

۲۔(موطا امام مالک ص ۲۵۱، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان، لاہور)

۳۔(سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۱۳۔۱۱۲ مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان)

۴۔(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۶۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت) حافظ الہیثمی نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۴، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ)

۵۔(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۶۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سکیں تو فدیہ دیں، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت انسؓ سے حاملہ عورت کے متعلق فدیہ دینے کی روایت ذکر کی ہے۔ (۱)

امام بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کا معنی ہے: جو بہت مشکل سے روزہ رکھیں ان کے لیے روزہ کی جگہ فدیہ دینا جائز ہے اور بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت روزہ نہ رکھیں اور فدیہ دیں، اور حضرت انسؓ جب کمزور ہو گئے تو انہوں نے فدیہ دیا۔ (۲)

(آیت) "الذین یطیقونہ" کے معنی کی تحقیق میں مفسرین کی آراء

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ نے (آیت) "الذین یطیقونہ" کے معنی اور اس کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کے متعلق متعدد آثار اور اقوال نقل کیے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے:

عکرمہؒ نے (آیت) "الذین یطیقونہ" کی تفسیر میں کہا ہے: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اس سے مراد بوڑھا شخص ہے۔

سعید بن جبیرؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: (آیت) "الذین یطیقونہ" اس کا معنی ہے: جو مشقت اور تکلیف سے روزہ رکھیں۔

عطاءؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ (آیت) "الذین یطیقونہ" کا معنی ہے: جو لوگ مشقت سے روزہ رکھیں وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں یہ رخصت صرف اس بوڑھے شخص کے لیے ہے جو روزہ

۱۔ (سنن کبری ج ٤ ص ٢٣٠، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان)

۲۔ (شرح السنۃ ج ٣ ص ٤٠٥-٤٠٤، مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ، بیروت، ١٤١٢ھ) امام دارقطنی، امام مالک، امام نسائی، امام طبرانی، امام بیہقی اور امام بغوی نے متعدد اسانید صحیحہ کے ساتھ یہ آثار نقل کیے ہیں کہ بوڑھا شخص اور دائمی مریض جن پر روزہ رکھنا دشوار ہے، وہ روزہ کے بدلہ میں فدیہ دیں۔

نہ رکھ سکے یا اس بیمار کے لیے ہے جس کو شفا کی امید نہ ہو' مجاہدؒ نے بھی اس کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ (۱)

علامہ ابوالحیان اندلسیؒ لکھتے ہیں:

جو صحابہ اور فقہاء تابعین یہ کہتے ہیں کہ (آیت) "الذین یطیقونہ" سے مراد بوڑھے اور عاجز لوگ ہیں ان کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے' بلکہ محکم ہے' اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت حاملہ اور دودھ پلانے والی کو شامل ہے یا نہیں۔ (۲)

علامہ قرطبی مالکیؒ لکھتے ہیں:

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے' حضرت ابن عباسؓ کا یہی مختار ہے' اور نسخ کا قول بھی صحیح ہے' البتہ یہ احتمال ہے کہ نسخ بمعنی تخصیص ہو (الی قولہ) اس پر اجماع ہے کہ جو بوڑھے روزے کی طاقت نہیں رکھتے یا جو بہت مشقت سے طاقت رکھتے ہو وہ روزہ نہ رکھیں اور فدیہ کے وجوب میں اختلاف ہے' ربیعہ اور امام مالکؒ کے نزدیک ان پر فدیہ واجب نہیں۔ (۳)

علامہ ابوالحسن ماوردی شافعیؒ لکھتے ہیں:

(آیت) "الذین یطیقونہ" اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ جو لوگ تکلیف اور مشقت سے روزہ رکھیں جیسے بوڑھے' حاملہ اور دودھ پلانے والی' یہ لوگ روزہ نہ رکھیں اور ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں' ان پر قضا نہیں

۱۔(جامع البیان ج۲ ص۸۱ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)
۲۔(البحرالمحیط ج۲ ص۱۹۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)
۳۔(الجامع الاحکام القرآن ج۲ ص۲۸۹۔۲۸۸ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

ہیں۔[1]

علامہ ابن جوزی حنبلیؒ لکھتے ہیں:

عکرمہؒ سے مروی ہے کہ یہ آیت حاملہ اور دودھ پلانے والی کے متعلق نازل ہوئی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت میں یہ قرأت کی (آیت) "الذین یطوقونہ" (جو مشکل سے روزہ رکھیں) اس سے بوڑھے لوگ مراد ہیں۔[2]

علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفیؒ لکھتے ہیں:

صحابہ اور تابعین میں سے اکثر یہ کہتے ہیں کہ ابتداء میں روزہ رکھنے کا اختیار تھا' جو شخص روزہ کی طاقت رکھتا ہو خواہ وہ روزے رکھے خواہ فدیہ دے' بعد میں روزہ کی طاقت رکھنے والوں سے یہ اختیار (آیت) "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ" سے منسوخ ہوگیا (الی قولہ) اس آیت کا ایک اور معنی یہ ہے کہ جو لوگ مشقت اور صعوبت سے روزہ رکھتے ہیں وہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھنے والے نہیں ہیں' وہ بھی روزے کے مکلف ہیں لیکن ان پر روزہ کے قائم مقام فدیہ ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو شخص پانی سے طہارت حاصل کرنے پر قادر نہ ہو وہ بھی پانی سے طہارت حاصل کرنے کا مکلف ہے لیکن اس کے لیے مٹی کو پانی کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔[3]

علامہ آلوسی حنفیؒ لکھتے ہیں:

اکثر صحابہ اور فقہاء تابعین کے نزدیک پہلے روزہ کی طاقت رکھنے والوں کے لیے روزہ رکھنے اور روزہ نہ

۱۔(النکت والعیون ج۱ ص ۲۳۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

۲۔(زادالمسیر ج۱ ص ۱۸۶' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱٤۰۷ھ)

۳۔(احکام القرآن ج۱ ص ۱۷۷' ۱۷٦۔۱۷۷ مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱٤۰۰ھ)

رکھ کر فدیہ دینے کا اختیار تھا بعد میں یہ منسوخ ہو گیا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کو "یطوقونہ" پڑھا' یعنی جو مشکل سے روزہ رکھیں وہ فدیہ دے دیں اور کہا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور بعض علماء نے اس آیت کو (آیت) "الذین یطیقونہ" قرأت متواترہ کے مطابق پڑھا اور کہا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے کیونکہ وسعت اور طاقت میں فرق ہے' وسعت کا معنی ہے: کسی چیز پر سہولت سے قدرت ہونا اور طاقت کا معنی ہے: کسی چیز پر مشقت سے قدرت ہونا' تو آیت کا معنی ہے: جو لوگ مشقت سے روزہ رکھیں وہ فدیہ دیں یا اس میں ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے یعنی جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھیں وہ فدیہ دیں۔ [1]

بڑھاپے یا دائمی مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

جب بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت پر روزہ رکھنا سخت دشوار ہو تو ان کے لیے جائز ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' حضرت انس رضی اللہ عنہ' اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، طاؤس' ثوری اور اوزاعی رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت بوڑھے شخص کی رخصت کے لیے نازل ہوئی ہے' اور اس لیے کہ روزہ رکھنا واجب ہے اور جب عذر کی وجہ سے اس سے روزہ ساقط ہو گا تو اس کے بدلہ میں قضا کی طرح کفارہ لازم آئے گا۔

نیز وہ مریض جس کے مرض کے زائل ہونے کی توقع نہیں ہے' وہ بھی روزہ نہیں رکھے گا اور یہ روزہ کے

۱۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۵۹۔ ۵۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

بدلہ میں ایک مریض کو کھانا کھلائے گا کیونکہ وہ بھی بوڑھے شخص کے حکم میں ہے۔ [۱]

علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں:

امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ وہ بوڑھا شخص جس کو روزہ رکھنے میں شدید مشقت ہو اور وہ مریض جس کے مرض کے زوال کی توقع نہ ہو اس پر بالا جماع روزہ فرض نہیں ہے اور اس پر وجوب فدیہ کے متعلق دو قول ہیں' زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر فدیہ واجب ہے۔ [۲]

علامہ قرطبی مالکیؒ لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ جو بوڑھے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے یا سخت مشقت سے روزے رکھتے ہیں' ان کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ ان پر کیا واجب ہے؟ ربیعہ اور امام مالکؒ نے کہا: ان پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ البتہ امام مالکؒ نے کہا: اگر وہ ہر روزے کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں تو یہ مستحب ہے۔ [۳]

علامہ ابن عابدین شامی حنفیؒ لکھتے ہیں:

جو شخص بہت بوڑھا اور روزہ رکھنے سے عاجز ہو' اسی طرح جس مریض کے مرض کے زوال کی توقع نہ ہو وہ ہر روزہ کے لیے فدیہ دیں۔ [۴]

ایک روزہ کے لیے نصف صاع یعنی دو کلو گندم یا اس کی قیمت فدیہ دے' روزہ کے فدیہ میں فقراء کا تعدد

۱۔(المغنی ج ۳ ص ۳۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

۲۔(شرح المہذب ج ۶ ص ۲۵۸' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

۳۔(الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۸۹ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

۴۔(درمختار علی ھامش ردالمحتار ج ۲ ص ۱۱۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۰۷ھ)

شرط نہیں ہے اور ایک فقیر کو متعدد ایام کا فدیہ دے سکتا ہے اور مہینہ کی ابتداء میں بھی دے سکتا ہے۔ ①

شوگر' بلڈ پریشر' دمہ اور جوڑوں کا درد یہ چار بیماریاں ایسی ہیں جن کا کوئی علاج نہیں ہے' ان کو دواؤں سے کنڑول تو کیا جاسکتا ہے لیکن یہ بیماریاں زائل نہیں ہوسکتیں' ان میں جوڑوں کا درد روزے کے منافی نہیں ہے اور عام حالت میں دمہ بھی روزوں کے منافی نہیں ہے' لیکن جب شوگر زیادہ ہو تو زیادہ گولیاں لینی پڑتی ہیں جس سے وقفہ وقفہ سے شدید بھوک لگتی ہے' اسی طرح جب بلڈ پریشر زیادہ ہو تو پانی پینا پڑتا ہے اس لیے جن لوگوں کو شوگر یا بلڈ پریشر کا عارضہ ہو اور ڈاکٹر انہیں روزہ رکھنے کی اجازت نہ دے تو وہ روزہ کی جگہ فدیہ دے دیں۔

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٨٥﴾﴾

١۔ (در مختار علی ھامش رد المختار ج ٢ ص ١١٩ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ١٤٠٧ھ)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا، ہدایت ہے لوگوں کے لیے اور کھلی نشانیاں راستہ کی اور حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا۔ پس تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے، وہ اس کے روزے رکھے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اس کی گنتی پوری کر لے۔ اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، وہ تمہارے ساتھ سختی کرنا نہیں چاہتا۔ اور اس لیے کہ تم گنتی پوری کر لو اور اللہ کی بڑائی کرو اس پر کہ اس نے تم کو راہ بتائی اور تا کہ تم اس کے شکر گزار بنو۔

اللہ تعالیٰ نے تمام قرآن کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر ماہ رمضان کی لیلۃ القدر میں نازل کیا' پھر حسب مصلحت تئیس سال میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر مکمل قرآن کو نازل فرمایا' اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر قرآن مجید کو نازل کرنے کی ابتداء رمضان کے مہینہ میں ہوئی اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ روزہ کو فرض کرنے کے احکام ماہ رمضان میں نازل ہوئے۔

حافظ ابن عساکرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ابراہیم (علیہ السلام) پر صحائف رمضان کی پہلی شب میں نازل کیے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر تورات رمضان کی چھٹی شب میں نازل کی' اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر انجیل رمضان کی اٹھارویں شب میں نازل ہوئے۔ [1]

۱۔ (تاریخ ابن عساکر ج ۳ ص ۱۹۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ)

رمضان کے اسرار و رموز اور رمضان میں نزول قرآن کا بیان

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

مجاہدؒ نے کہا: کہ رمضان اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور رمضان کے مہینہ کا معنی ہے: اللہ کا مہینہ اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت ہے کہ یہ نہ کہو کہ رمضان آیا اور رمضان گیا' بلکہ یہ کہو کہ رمضان کا مہینہ آیا اور رمضان کا مہینہ گیا' کیونکہ رمضان' اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ رمضان مہینہ کا نام ہے جیسا کہ رجب اور شعبان مہینوں کے نام ہیں۔ خلیل سے منقول ہے: رمضان' رمضاء سے بنا ہے اور رمضاء خریف کی اس بارش کو کہتے ہیں جو زمین سے گرد و غبار کو دھو ڈالتی ہے' اس طرح رمضان بھی اس امت کے گناہوں کو دھو ڈالتا ہے اور ان کے دلوں کو گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رمضان رمض سے بنا ہے اور رمض سورج کی تیز دھوپ کو کہتے ہیں اور اس مہینے میں روزہ داروں پر بھوک اور پیاس کی شدت بھی تیز دھوپ کی طرح سخت ہوتی ہے' یا جس طرح تیز دھوپ میں بدن جلتا ہے اسی طرح رمضان میں گناہ جل جاتے ہیں اور روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: رمضان اللہ کے بندوں کے گناہ جلا دیتا ہے۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اگر بنی آدم کے قلوب میں شیطان نہ گھومتے تو وہ آسمانوں کی نشانیوں کو دیکھ لیتے' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں اور رمضان میں عظیم مناسبت ہے' اس لیے نزول قرآن کی ابتداء کے لیے اس مہینہ کو خاص کر لیا گیا۔ [۱]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو وہ ضرور اس ماہ کے روزے رکھے۔

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۲۱۔ ۱۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

(البقرہ:۱۸۵)

قطبین میں روزے اور نماز کی تحقیق

بہ ظاہر اس آیت میں یہ اشکال کہ اس آیت سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس مہینہ سے غائب بھی ہوسکتا ہے' ہوسکتا ہے کہ پہلے یہ بات عجیب معلوم ہو لیکن اب جب کہ یہ محقق ہو گیا کہ قطبین میں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے تو وہاں کے رہنے والے رمضان کے مہینہ میں حاضر نہیں ہوتے' اس لیے قطبین کے رہنے والوں پر رمضان کے روزے فرض نہیں ہیں' البتہ جب باقی دنیا میں رمضان کا مہینہ ہو ان دنوں میں کسی قریبی اسلامی ملک کے حساب سے وہاں کے رہنے والے طلوع فجر اور غروب آفتاب کے اوقات کا اپنے علاقہ کی گھڑیوں کے وقت سے ایک نظام الاوقات مقرر کر لیں اور اتنا وقت روزہ سے گزاریں تو بہت بہتر ہے' اور جب کہ تمام دنیا کا ٹائم بتانے والی گھڑیاں ایجاد ہو چکی ہیں' یہ ایسا مشکل بھی نہیں ہے' وہاں کے رہنے والے اگر گھڑیوں کے حساب سے نمازیں پڑھیں تو یہ بھی بہت بہتر ہے ہر چند کہ سورج کے طلوع اور غروب کے لحاظ سے ان پر ایک سال میں صرف ایک دن کی نمازیں فرض ہوں گی۔

سعودی عرب کے حساب سے روزے رکھتا ہوا پاکستان آیا تو عید کس حساب سے کرے گا

پاکستان میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ سعودی عرب سے ایک یا دو روز پہلے روزے رکھتے ہوئے آتے ہیں اور ان کے تیس روزے پورے ہو جاتے ہیں اور یہاں ہنوز رمضان ہوتا ہے تو چونکہ مذاہب اربعہ کے محققین فقہاء کے نزدیک بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے' اس لیے اس کو روزے رکھنے چاہئیں' نیز قرآن مجید میں ہے: (آیت) "فمن شهد منكم الشهر فليصمه"۔ (البقرہ:۱۸۵) تم میں سے جو

اس مہینے میں موجود ہوتو وہ ضرور اس کے روزے رکھے"۔ اور اس شخص نے اس صورت میں رمضان کا مہینہ پایا ہے اس لیے وہ سب کے ساتھ روزے رکھے' نیز امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون"۔ جس دن لوگ روزہ رکھیں اس دن روزہ ہے اور جس دن لوگ عید کریں اس دن عید ہے۔ [۱]

اس حدیث کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جو شخص پاکستان میں آ گیا وہ یہاں کے لوگوں کے ساتھ روزے رکھے اور یہاں کے لوگوں کے ساتھ عید کرے۔ ایک رائے یہ ہے کہ اگر اس کے تیس روزے پورے ہو چکے ہیں تو اس پر اب روزے لازم نہیں' کیونکہ حدیث کے اعتبار سے مہینہ انتیس یا تیس دنوں کا ہوتا ہے اور وہ ایک مہینہ کے روزے رکھ چکا ہے' لیکن پہلی رائے کے دلائل زیادہ قوی ہیں۔

پاکستان سے روزے رکھتا ہوا سعودی عرب گیا تو عید کس حساب سے کرے گا؟

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص نے پاکستان میں چاند دیکھ کر روزے رکھنے شروع کیے اور اثناء رمضان میں سعودی عرب چلا گیا جہاں جہاں لوگوں نے ایک یا دو روز پہلے روزے رکھنے شروع کیے تھے اور ابھی اس کے اٹھائیس یا انتیس روزے ہوئے تھے کہ انہوں نے عید کر لی اس صورت کے بارے میں علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

ایک شخص نے ایک ایسے شہر سے سفر کیا جنہوں نے رمضان کا چاند نہیں دیکھا اور اس شہر میں پہنچا جس میں (اس کے حساب سے) ایک دن پہلے چاند دیکھ لیا گیا تھا اور ابھی اس نے انتیس روزے رکھے تھے کہ انہوں نے عید کر لی۔ اب اگر ہم عام حکم رکھیں یا یہ کہیں کہ اس کے لیے اس شہر کا حکم ہے تو وہ عید کر لے

۱۔ (جامع ترمذی ص ۱۲۴)

اور ایک دن کے روزے کی قضاء کرے‘ اور اگر ہم حکم عام نہ رکھیں اور یہ کہیں کہ اس کے لیے پہلے شہر کا حکم ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس دن روزہ رکھے۔

چونکہ مذاہب اربعہ کے محققین فقہاء کے نزدیک بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے‘ اس لیے پاکستان سے سعودی عرب پہنچنے کے بعد اس شخص پر سعودی عرب کے مطلع کے احکام لازم ہوں گے وہ اس کے حساب سے روزے رکھے گا اور ان کے حساب سے عید کرے گا‘ لیکن اس کے روزے تیس سے کم ہیں تو وہ کم دونوں کی احتیاط قضا کرلے۔

سعودی عرب سے عید کے دن سوار ہو کر پاکستان پہنچا اور یہاں ہنوز رمضان ہے۔ ایسی صورت کے بارے میں علامہ نووی ؒ لکھتے ہیں: اگر ایک شخص نے ایک شہر میں چاند دیکھا تو صبح عید کی اور وہ کشتی کے ذریعہ کسی دور دراز شہر میں پہنچا جہاں لوگوں کا روزہ تھا۔ شیخ ابو محمدؒ نے کہا: اس پر لازم ہے کہ وہ بقیہ دن کھانے پینے سے اجتناب کرے۔ یہ اس صورت میں ہے جب ہم یہ کہیں کہ اس پر اس شہر کا حکم لازم ہے اور اگر ہم حکم عام رکھیں یا اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کریں تو اس پر افطار کرنا لازم ہے۔

چونکہ بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے‘ اس لیے جو شخص سفر کر کے دور دراز علاقہ میں پہنچے گا اس پر وہاں کے جغرافیائی حالات کے اعتبار سے شرعی احکام لازم ہونگے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو مریض یا مسافر ہو (اور روزے نہ رکھے) تو وہ دوسرے دنوں سے (مطلوبہ) عدد پورا کرے۔ (البقرہ:۱۸۵)

میت کی طرف سے روزے رکھنے میں مذاہب ائمہ

جو شخص فوت ہو گیا اور اس نے رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں تو امام مالکؒ ‘ امام شافعیؒ اور امام

ابوحنیفہؒ کے نزدیک کوئی شخص اس کی طرف سے روزے نہیں رکھ سکتا‘ ان کی دلیل یہ آیت ہے:

(آیت) ”ولاتزر وازرۃ وزر اخری۔ (الانعام:١٦٤)

ترجمہ: کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

علامہ مرداوی حنبلیؒ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص فوت ہوجائے اور اس پر نذر کے روزے ہوں تو صحیح مذہب یہ ہے کہ اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھ سکتا ہے اور صحیح مذہب یہ ہے کہ ایک جماعت میت کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہے‘ نیز صحیح مذہب یہ ہے کہ ولی کا غیر بھی میت کی طرف سے اس کی اجازت سے اور اس کی اجازت کے بغیر روزے رکھ سکتا ہے‘ اگر ولی روزے نہ رکھے تو میت کے مال سے ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ [١]

علامہ سرخسی حنفیؒ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے موقوفا روایت ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے اور نہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھے۔ [٢]

دوسرے دلیل یہ ہے کہ زندگی میں عبادات کی ادائیگی میں کوئی شخص کسی کا نائب نہیں ہوسکتا‘ لہٰذا موت کے بعد بھی نہیں ہوسکتا‘ کیونکہ عبادت کا مکلف کرنے سے یہ مقصود ہے کہ مکلف کے بدن پر اس عبادت کی مشقت ہو اور نائب کے ادا کرنے سے مکلف کے بدن پر کوئی مشقت نہیں ہوئی‘ البتہ اس کی طرف سے ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے گا‘ کیونکہ اب اس مکلف کا خود روزہ رکھنا ممکن نہیں ہے تو فدیہ

١۔(الانصاف ج ٣ ص ٣٣٧۔٣٣٦‘ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

٢۔(موطا امام مالک ص ٢٤٥‘ مطبوعہ لاہور)

اس کے روزہ کا قائم مقام ہو جائے گا جیسا کہ شیخ فانی کی صورت میں ہے اور اس نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کی ہو تو اس کے تہائی مال سے کھانا کھلانا لازم ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک وہ وصیت کرے یا نہ کرے اس کی طرف سے کھانا کھلانا لازم ہے' فدیہ کی مقدار ہمارے نزدیک دو کلو گندم ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایک کلو گندم ہے۔ (۱)

حاملہ اور مرضعہ کے لیے روزہ کی رخصت میں مذاہب ائمہ

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

حاملہ اور دودھ پلانے والی کو جب اپنی جان کا خوف ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں اور فقط ان روزوں کی قضاء کریں اور اگر ان کو اپنے بچہ کی جان کا خوف ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں' ان پر قضا بھی ہے اور فدیہ بھی' ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ (۲)

علامہ العبدری مالکیؒ لکھتے ہیں:

اگر حاملہ پر روزہ دشوار ہو تو وہ روزہ نہ رکھے اور صرف قضاء کرے اور اگر دودھ پلانے والی پر روزہ دشوار ہو تو وہ روزہ نہ رکھے' وہ قضا بھی کرے اور فدیہ بھی دے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ صرف قضا کرے۔ (۳)

علامہ شمس الدین رملی شافعیؒ لکھتے ہیں:

حاملہ اور دودھ پلانے والی کو اگر اپنی جان کا خوف یا اپنی اور بچہ دونوں کی جان کو خوف ہو تو وہ روزہ نہ

۱۔(المبسوط ج ۳ ص ۳۷' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۳۹۸ھ)

۲۔(المغنی ج ۳ ص ۳۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱٤٠٥ھ)

۳۔(التاج والاکلیل شرح مختصر خلیل ج ۲ ص ٤٤٧' مطبوعہ مکتبۃ النجاح لیبیا)

رکھیں، صرف قضا کریں اور اگر صرف بچہ کی جان کا خوف ہو تو روزہ کی قضا بھی کریں اور فدیہ بھی دیں۔
[1]

علامہ المرغینانی الحنفی ؒ لکھتے ہیں:

حاملہ اور دودھ پلانے والی کو جب اپنی جان کا خوف ہو یا اپنے بچہ کا خوف ہو تو وہ روزہ رکھیں اور قضا کریں، تاکہ ان پر تنگی نہ ہو، ان پر فدیہ لازم نہیں ہے، کیونکہ وہ عذر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہیں، امام شافعی ؒ یہ کہتے ہیں کہ اگر بچہ کا خوف ہو تو فدیہ دیں وہ اس کو شیخ فانی پر قیاس کرتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ شیخ فانی میں فدیہ کا وجوب خلاف قیاس ہے اور یہاں روزہ رکھنا بچہ کے سبب سے ہے اور بچہ شیخ فانی کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ شیخ فانی روزہ کے وجوب کے بعد عاجز ہوا، اور بچہ پر اصلا روزہ کا وجوب نہیں ہے، اس لیے یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ [2]

احادیث میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے آسان احکام اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

امام بخاری ؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: دین آسان ہے، جو شخص بھی دین پر غالب آنے کی کوشش کرے گا (بایں طور کہ آسان طریقہ کو چھوڑ کر مشکل طریقہ کو اختیار کرے) دین اس پر غالب آجائے گا۔ [3]

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے

۱۔ (نہایۃ المحتاج ج ۳ ص ۱۹۴، مطبوعہ دار الکتب بیروت، ۱۴۱۴ھ)

۲۔ (ہدایہ اولین ص ۲۲۲، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

۳۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

فرمایا تم لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو اور ان کو مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ (۱)

حضرت سعید بن ابی بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرے والد کو اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور فرمایا: آسانی کرنا' مشکل میں نہ ڈالنا' خوشخبری دینا' متنفر نہ کرنا اور آپس میں موافقت کرنا۔ (۲)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب اپنے اصحاب میں سے کسی کو' اپنے کسی کام کے لیے بھیجتے تو یہ فرماتے: خوشخبری دینا' متنفر نہ کرنا' آسانی کرنا اور مشکل میں نہ ڈالنا۔ (۳)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جب بھی دو کاموں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ اس پر عمل کرتے جو زیادہ آسان ہوتا بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ سب سے زیادہ اس سے بچنے والے ہوتے۔ (۴)

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین وہ جو باطل ادیان سے

۱۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۲۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۶۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۳۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

۴۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۳۔ ج ۲ ص ۱۰۰۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

الگ ہو اور آسان اور سہل ہو۔ (١)

امام احمدؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تمہارا دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو' تمہارا بہترین دینی عمل وہ جو سب سے زیادہ آسان ہو' تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو۔ (٢)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ایک شخص فیصلہ کرنے اور تقاضا کرنے میں آسانی کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گیا۔ (٣)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی کبریائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔۔ (البقرہ:١٨٥)

عیدگاہ جاتے وقت تکبیرات پڑھنے میں مذاہب ائمہ

علامہ ابوبکر جصاص حنفیؒ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان شوال کا چاند دیکھیں تو ان پر حق ہے کہ وہ اللہ کی تکبیر کہیں حتی کہ وہ عید سے فارغ ہو جائیں اور زہریؒ ' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ عید الفطر کے دن جب عیدگاہ جاتے تو تکبیر پڑھتے اور جب نماز پڑھ لیتے تو تکبیر

١۔ (صحیح بخاری ج١ ص١٠' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٨١ھ)

٢۔ (مسند احمد ج٤ ص٣٣٨' ج٥ ص٣٥ مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ١٣٩٨ھ)

٣۔ (مسند احمد ج٢ ص١١٠' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ١٣٩٨ھ)

منقطع کر دیتے، حضرت علیؓ، ابوقتادہؒ، حضرت ابن عمرؓ، سعید بن مسیبؒ، عروہؒ، قاسمؒ، خارجہ بن زیدؒ، نافع بن جبیر بن مطعمؒ وغیرہم سے مروی ہے کہ وہ عید کے دن عید گاہ کو جاتے وقت تکبیر پڑھتے تھے۔ حبیش بن معتمرؒ نے بیان کیا کہ عید الاضحیٰ کے دن حضرت علیؓ اپنے خچر پر سوار ہو کر گئے اور تکبیر پڑھتے رہے حتیٰ کہ جبانہ پہنچ گئے۔

حضرت ابن عباسؓ کے غلام شعبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے لوگوں کو تکبیر پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ کیا امام تکبیر پڑھ رہا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، فرمایا: تو کیا یہ لوگ پاگل ہیں؟ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے عید گاہ کی طرف جانے کے راستہ میں تکبیر پڑھنے کا انکار کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک اس آیت میں تکبیر سے مراد وہ تکبیریں ہیں جو امام خطبہ میں پڑھتا ہے، اور حضرت ابن عباسؓ سے جو یہ روایت ہے کہ مسلمانوں پر حق ہے کہ شوال کا چاند دیکھ کر تکبیر پڑھیں اس سے مراد آہستہ تکبیر پڑھنا ہے، اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز پڑھنے کے لیے جاتے تو عید گاہ تک بلند آواز سے تکبیر پڑھتے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: عید الاضحیٰ کے لیے جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر پڑھے اور عید الفطر کے لیے جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر نہ پڑھے اور امام ابو یوسفؒ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں میں تکبیر پڑھتے تھے۔ قرآن مجید میں کسی چیز کی تعیین نہیں ہے، امام محمدؒ نے فرمایا کہ عیدین میں تکبیر پڑھے، اور حسن بن زیادہؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ عیدین میں تکبیر پڑھنا واجب نہیں ہے، راستہ میں نہ عید گاہ میں تکبیر صرف عید کی نماز میں واجب ہے۔ امام اوزاعیؒ اور

امام مالکؒ نے کہا ہے کہ دونوں عیدوں میں عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں تکبیر پڑھے، جب امام آجائے تو تکبیر منقطع کردے اور واپسی میں تکبیر نہ پڑھے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا: دونوں عیدوں کی رات میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنا مستحب ہے اور صبح جب عیدگاہ کو جائے تو امام کے آنے تک تکبیر پڑھنا مستحب ہے۔

علامہ ابوبکر جصاصؒ کہتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر پڑھے اور ہلال شوال دیکھ کر آہستہ تکبیر پڑھنا بھی جائز ہے اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ بلند آواز سے تکبیر پڑھنا واجب نہیں ہے اور جس نے بلند آواز سے تکبیر پڑھنے کے لیے کہا اس نے بہ طور استحباب کہا ہے۔ امام طحاویؒ نے کہا ہے کہ ابن ابی عمرانؒ نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے تمام اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر پڑھنا سنت ہے، یہ قول امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے زیادہ مناسب ہے، کیونکہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گنتی پوری کرنے کے بعد تکبیر پڑھی جائے اور گنتی پورا کرنا عید الاضحیٰ کی بہ نسبت عید الفطر کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ عید الفطر میں روزوں کا عدد پورا کیا جاتا ہے اور جب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عید الاضحیٰ میں تکبیر پڑھنا سنت ہے تو عید الفطر میں بھی سنت ہونا چاہیے کیونکہ دونوں عیدوں کی نمازوں میں تکبیر کے حکم میں کوئی اختلاف نہیں ہے، نہ اس کے بعد خطبہ میں نہ سنتوں میں، سو چاہیے کہ عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر پڑھنے میں بھی دونوں عیدوں میں اختلاف نہ ہو۔ [۱]

علامہ ابوبکر جصاصؒ نے امام شافعیؒ کا مذہب صحیح نقل نہیں کیا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ تکبیرات واجب ہیں، اسی طرح ان کا جہر کے استحباب کو متفق علیہ قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام شافعی اور امام

۱۔ (احکام القرآن ص ۲۲۶۔۱۲۲، ملخصاً، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۴۰۰ھ)

مالک ؒ کے نزدیک ان تکبیرات کو جہر سے پڑھنا واجب ہے۔

علامہ ابن جوزی حنبلی ؒ لکھتے ہیں:

عیدالفطر کی رات اور عیدالاضحیٰ کی رات میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنا سنت ہے اور جب عیدگاہ کی طرف جائیں، امام احمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ جب عیدگاہ پہنچ جائیں تو تکبیرات منقطع کر دیں اور ایک روایت ہے: جب امام خطبہ سے فارغ ہو۔ (۱)

علامہ قرطبی مالکی ؒ لکھتے ہیں:

اگر طلوع شمس کے بعد عیدگاہ کے لیے روانہ ہو تو عیدگاہ کے راستہ میں امام کے آنے تک تکبیرات پڑھے، اس میں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ برابر ہیں اور اگر طلوع شمس سے پہلے روانہ ہو تو پھر نہ پڑھے۔ (۲)

اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک عیدین کی تکبیرات واجب ہیں۔

علامہ خازن شافعی ؒ لکھتے ہیں:

امام شافعی ؒ نے کہا: عیدین کی تکبیروں کو بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے اور یہی امام مالکؒ کا قول ہے۔

--- (۳)

۱۔(زادالمیسر ج۱ ص۱۸۸، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱٤۰۷ھ)

۲۔(الجامع الاحکام القرآن ج۲ ص۳۰۷-۳۰٦ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

۳۔(لباب التاویل ج۱ ص۱۲۳ مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور)

﴿ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾ ﴾

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں سو بلاشبہ میں قریب ہوں، دعا کرنیوالے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرے۔ سو وہ میرے احکام کو قبول کریں اور مجھ پر یقین رکھیں تا کہ وہ نیک راہ پر رہیں۔

شانِ نزول

اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ امام ابن جریر طبریؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حسن بصریؒ بیان کرتے ہیں: صحابہؓ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا: ہمارا رب کہاں ہے تو یہ آیت نازل ہوئی: جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو بتائیے کہ میں قریب ہوں۔ عطاءؒ نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا' تو صحابہؓ نے پوچھا: ہم کس وقت دعا کریں تو یہ آیت نازل ہوئی: جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو بتائیے کہ میں قریب ہوں اور جب کوئی دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ [1]

۱۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۹۳، ۲۹۔ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

اللہ سے دعا کرنے کے متعلق احادیث

ہمارے زمانہ میں بعض جہلا اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے بجائے اپنی حاجتوں کا سوال پیروں' فقیروں سے کرتے ہیں اور قبروں اور آستانوں پر جا کر اپنی حاجات بیان کرتے ہیں اور اولیاء اللہ کی نذر مانتے ہیں' حالانکہ ہر چیز کی دعا اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے اور اسی کی نذر ماننی چاہیے' کیونکہ دعا اور نذر دونوں عبادت ہیں اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے۔

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کے آخری حصہ میں آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرلوں کون مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو عطا کروں اور کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو میں اس کی مغفرت کردوں۔ (۱)

امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔ (۲)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم اپنی ہر حاجت کا اللہ

۱۔(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۲۔(جامع ترمذی ص ۴۸۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

سے سوال کرو حتی کہ جوتی کے تسمہ ٹوٹنے کا۔[1]

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔[2]

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اللہ سختیوں اور مصیبتوں میں اس کی دعا قبول کرے، وہ عیش و آرام میں اللہ تعالیٰ سے بہ کثرت دعا کرے۔[3]

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اے بیٹے! میں تم کو چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں، تم اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا، تم اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو تم اللہ کی تقدیر کو اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد چاہو تو اللہ سے مدد چاہو۔[4]

ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیث

امام ابوداؤدؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت مالک بن یسارؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب تم اللہ

۱۔(جامع ترمذی ص ۵۱۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

۲۔(جامع ترمذی ص ٤٨٦، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

۳۔(جامع ترمذی ص ٤٨٧، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

۴۔(جامع ترمذی ص ۳٦۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

سے سوال کرو تو اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے سوال کرو اور ہتھیلیوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔ (۱)

حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تمہارا رب حیا والا کریم ہے' جب اس کا کوئی بندہ اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ان کو خالی لوٹانے سے حیا فرماتا ہے۔ (۲)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ سوال کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر اٹھاؤ اور استغفار کا طریقہ یہ ہے کہ ایک انگلی سے اشارہ کرو اور گڑگڑا کر سوال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلاؤ۔ (۳)

امام ابن ابی شیبہؒ روایت کرتے ہیں:

ابو محریزؓ بیان کرتے ہیں کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو ہتھیلیوں کے باطن سے سوال کرو' ہتھیلیوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔ (۴)

امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دعا میں ہاتھ کو بلند کرتے اور ہاتھوں کو نیچے نہ گراتے حتی کے ان کو چہرے پر مل لیتے۔ (۵)

۱۔(سنن ابوداؤد ج۱ ص۲۰۹' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱٤۰٥ھ)

۲۔(سنن ابوداؤد ج۱ ص۲۰۹' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱٤۰٥ھ) اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ٥١٢' مطبوعہ کراچی)

۳۔(سنن ابوداؤد ج۱ ص۲۰۹' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱٤۰٥ھ)

۴۔(المصنف ج۱ ص۲۸٦' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی)

۵۔(جامع ترمذی ص٤۸۸' مطبوعہ نور کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق احادیث

امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس وقت کی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد۔ (۱)

حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز کے بعد ان کلمات سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے: اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں' میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں' میں ارذل عمر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور دنیا کے فتنہ اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (۲)

امام نسائیؒ روایت کرتے ہیں:

مسلم بن ابی بکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں کفر' فقر اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں' میں بھی یہ دعا کرنے لگا' میرے والد نے پوچھا: اے بیٹے! یہ دعا کہاں سے حاصل کی؟ میں نے کہا: آپ سے' انہوں نے کہا: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے۔ (۳)

امام ابن شیبہؒ روایت کرتے ہیں:

ابوبکر بن ابوموسیٰؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا کرتے

۱۔ (جامع ترمذی ص ٥٠٤' مطبوعہ نور کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

۲۔ (جامع ترمذی ص ٥١٣' مطبوعہ نور کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

۳۔ (سنن نسائی ج ۱ ص ١٣٦' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

:اے اللہ! میرے گناہ کو بخش دے، میرے معاملہ کو آسان کر اور میرے رزق میں برکت دے۔ ①

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سلام پھیرنے کے بعد پڑھتے تھے: "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر، اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد"۔ ②

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز کے بعد فرماتے تھے: "اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام"۔ ③

ابوالزبیرؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ ہر نماز کے بعد بلند آواز سے پڑھتے تھے: "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر، ولا حول قوۃ الا باللہ ولا نعبد الا۔۔ لا النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن، لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافروں" پھر حضرت ابن الزبیرؓ نے فرمایا: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہر نماز کے بعد ان کلمات کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ ④

حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صبح کی نماز کا سلام پھیرنے کے بعد دعا کرتے: اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع، پاک رزق اور عمل مقبول کا سوال کرتا ہوں۔ ⑤

۱۔(المصنف ج۱۰ ص۲۲۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی ۱٤۰٦ھ)

۲۔(المصنف ج۱۰ ص۲۳۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی ۱٤۰٦ھ)

۳۔(المصنف ج۱۰ ص۲۳۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی ۱٤۰٦ھ)

٤۔(المصنف ج۱۰ ص۲۳۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی ۱٤۰٦ھ) اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔(صحیح مسلم ج۱ ص۲۱۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی ۱۳۷۵ھ)

۵۔(المصنف ج۱۰ ص۲۳٤، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی ۱٤۰٦ھ)

زاذان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز کے بعد سو مرتبہ دعا کرتے: اے اللہ! میری مغفرت فرما' میری توبہ قبول فرما' بیشک تو بہت توبہ قبول فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے۔ (۱)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی کو پڑھا' اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔ (۲)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب بھی کسی فرض یا نفل نماز کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قریب ہوا تو آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: اے اللہ! میرے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے' اے اللہ! مجھے ہلاکت سے بچا' اے اللہ! مجھے نیک اعمال اور اخلاق کی ہدایت دے' تیرے سوا کوئی نیک اعمال کی ہدایت دینے والا نہیں ہے اور تیرے سوا کوئی برے اعمال سے بچانے والا نہیں ہے۔ (۳)

۱۔(المصنف ج ۱۰ ص ۲۳۵ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ) حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۰۔۱۱۹' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

۲۔(سنن کبری ج ۶ ص ۳۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۱ھ) اس حدیث کو امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔(المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۱۴' مسند الشامیین ج ۲ ص ۹ مطبوعہ موسسۃ الرساءۃ بیروت) اس حدیث کو امام ابن السنی نے بھی روایت کیا ہے (عمل الیوم واللیلۃ ص ۴۳' مطبوعہ دائرۃ المعارف' حیدرآباد دکن' ۱۳۱۵ھ) حافظ الہیثمی نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند جید ہے۔(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۰۲' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

۳۔(عمل الیوم واللیلۃ ص ۴۰' ۔۴۱ مطبوعہ دائرۃ المعارف' حیدرآباد دکن' ۱۳۱۵ھ) حافظ الہیثمی لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔(مجمع الزوائد ج ص' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ملا تو آپ نے فرمایا: اے معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں تم کسی نماز کے بعد یہ دعا نہ چھوڑو: "اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک"۔ [۱]

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جب بھی ہم کو فرض نماز پڑھائی اس کے بعد ہماری طرف منہ کر کے یہ دعا کی: اے اللہ! میں ہر اس عمل سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے شرمندہ کرے، میں ہر اس شخص سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے ہلاک کرے، اور ہر اس امید سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے غافل کردے، میں ہر اس فقر سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو تجھے بھلا دے اور ہر اس غنی سے تیری پناہ میں آتا ہے جو مجھے سرکش بنا دے۔ [۲]

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرض نماز کے بعد یہ دعا کرتے: اے اللہ! میری آخری زندگی کو خیر کردے اور میرے سب سے اچھے عمل پر میرا خاتمہ کر اور میرا سب سے اچھا دن وہ بنا دے جس دن تجھ سے ملاقات ہو۔ [۳]

حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حکم دیا کہ میں ہر نماز

۱۔(عمل الیوم واللیلۃ ص ٤١ مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، ١٣١٥ھ)

۲۔(عمل الیوم واللیلۃ ص ٤٢، ٤١۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، ١٣١٥ھ) حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام بزار نے حضرت انس سے روایت کیا ہے اور اس کی توثیق کی گئی ہے اور اس کو امام ابویعلی نے بھی روایت کیا ہے (مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١١٠، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ١٤٠٢ھ)

۳۔(عمل الیوم واللیلۃ ص ٤٢ مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، ١٣١٥ھ) اس حدیث کو امام طبرانی نے "اوسط" میں روایت کیا ہے اور اس کا ایک راوی ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ١٠ ص ١١٠، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ١٤٠٢ھ)

کے بعد "معوذات" (قل اعوذ برب الفلق" اور" قل اعوذ برب الناس") کو پڑھا کروں۔ (۱)

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں:

حضرت ابوایوب بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب بھی تمہارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اقتداء میں نماز پڑھی تو آپ نے نماز کے بعد یہ دعا کی: اے اللہ! میری کل خطاؤں اور ذنوب کو بخش دے، اے اللہ! مجھے ہلاکت سے بچا، میرے ٹوٹے ہوئے کام جوڑ دے، اور مجھے نیک اعمال اور اخلاق کی ہدایت دے، تیرے سوا نیک اعمال کی ہدایت دینے والا اور بے اعمال سے بچانے والا کوئی نہیں ہے۔ (۲)

فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ ابن حمام حنفی لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ فرض کے بعد متصلا سنت پڑھنا اولی ہے یا دعا اور وظائف پڑھنے کے بعد سنتیں پڑھنا اولی ہے، امام حلوانی نے کہا ہے کہ فرائض اور سنتوں کے درمیان وظائف اور اذکار پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (الی قولہ) نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نماز کے بعد کم مقدار میں بھی ذکر کیا ہے اور زیادہ مقدار میں بھی، اور اس وقت سنت یہ ہے کہ اتنی مقدار میں تاخیر کے بعد سنتیں پڑھی جائیں۔ (۳)

۱۔ (عمل الیوم واللیلۃ ص ۴۲ مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، ۱۳۱۵ھ)

۲۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے "معجم صغیر" اور "معجم اوسط" میں روایت کیا ہے اور اس کی سند عمدہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ)

۳۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۸۴۔۳۸۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

علامہ شرنبلالی حنفی ؒ لکھتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد ائمہ اپنے لیے اور مسلمانوں کے لیے دعا کریں کیونکہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا گیا کہ کس وقت دعا مقبول ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا: آدھی رات کو اور فرض نمازوں کے بعد' اور آپ نے حضرت معاذ ؓ سے فرمایا: بہ خدا! میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تم کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم کسی نماز کے بعد یہ دعا ترک نہ کرنا: "اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک"۔ (۱)

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی ؒ لکھتے ہیں:

امام کے لیے مستحب ہے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد تین بار استغفار کرے' آیۃ الکرسی اور معوذات پڑھے اور سو تسبیحات پڑھے اور دعا کرے اور "سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون" پر ختم کرے۔ (۲)

نیز علامہ حصکفی ؒ نے لکھا ہے کہ فرض نماز کے بعد متصلا سنتیں پڑھنے یا دعا اور ذکر کے بعد سنتیں پڑھنے میں فقہاء کا اختلاف افضلیت میں ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ فرض کے بعد اوراذکار اور دعا سے منع کرنے والوں کا قول اگر اس پر محمول کیا جائے کہ فرض نمازوں کے بعد وظائف میں زیادہ دیر لگانا مکروہ تنزیہی اور کم مقدار میں دعا اور وظائف پڑھنا بلا کراہت جائز ہے پھر اختلاف نہیں رہے گا۔ (۳)

۱۔ (مراقی الفلاح ص ۱۸۹' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۰۶ھ) علامہ طحطاوی حنفی لکھتے ہیں' ہر فرض نماز کے بعد تین بار اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۸۸' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

۲۔ (درمختار علی ھامش حاشیۃ الطحطاوی' ج ۱ ص ۲۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت) علامہ طحطاوی حنفی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: کیونکہ فرض نمازوں کے بعد دعا مقبول ہوتی ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۳۹۵ھ)

۳۔ (درمختار علی ھامش حاشیۃ الطحطاوی ج ۱ ص ۲۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۳۹۵ھ)

علامہ حطاب مالکی طرابلسیؒ مغربی لکھتے ہیں:

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حکم دیا ہے کہ امام مقتدیوں کو بھی اپنی دعا میں شریک کرے، روایت ہے کہ جس نے ان کو نہیں شریک کیا اس نے ان سے خیانت کی، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ نماز کے بعد دعا کرنا جائز ہے، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ آدھی رات اور فرض نمازوں کے بعد دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے، امام حاکم ؒ نے امام مسلم ؒ کی شرط کے مطابق یہ حدیث روایت کی ہے جب بھی مسلمان جمع ہوں بعض دعا کریں اور بعض آمین کہیں تو اللہ ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔ (۱)

علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں:

نماز کے بعد کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا سنت ہے، اس سلسلہ میں بہت احادیث ہیں، اور سلام پھیرنے کے بعد آہستہ دعا کرنا مسنون ہے، الا یہ کہ کوئی شخص امام ہو اور وہ حاضرین کو دعا پر مطلع کرنے کا ارادہ کرے تو وہ بلند آواز سے دعا کرے۔ (۲)

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

سلام پھیرنے کے بعد اللہ کا ذکر کرنا اور دعا کرنا مستحب ہے، حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز پڑھنے کے بعد پھر جاتے اور تین بار استغفر اللہ کہتے اور "اللھم انت السلام ومنک السلام تبارک یاذا الجلال والاکرام" پڑھتے، حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں بخل سے تیری

۱۔ (مواہب الجلیل ج۱ ص ۱۲۷۔۱۲۶، مطبوعہ مکتبہ النجاح، لیبیا)

۲۔ (روضۃ الطالبین ج۱ ص ۳۷۴۔۳۷۳، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

پناہ میں آتا ہوں‘ میں ارذل عمر سے تیری پناہ میں آتا ہوں‘ میں دنیا کے فتنہ اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (۱)

حافظ الہیثمی ؒ نے امام احمدؒ سے روایت کیا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اے لوگو! جب تم اللہ سے دعا کرو تو قبولیت کے یقین سے دعا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی دعا قبول نہیں کرتا جو غافل دل سے دعا کرتا ہے‘ یہ حدیث حسن ہے۔ (۲)

حافظ الہیثمی ؒ نے امام طبرانی ؒ سے روایت کیا ہے کہ تین شخصوں کی دعا قبول ہوتی ہے‘ والد کی‘ مسافر کی اور مظلوم کی۔ (۳)

امام ترمذی ؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب بن ارتؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا‘ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو چیزیں عطا کردیں اور ایک چیز کے سوال سے مجھے روک دیا‘ میں نے سوال کیا کہ میری (تمام) امت قحط سے ہلاک نہ ہو‘ اللہ نے مجھے یہ عطا کردیا‘ میں نے سوال کیا کہ ان کا مخالف دشمن ان (سب) پر مسلط نہ ہو‘ اللہ نے یہ عطا کردیا‘ میں نے یہ سوال کیا: میری امت آپس میں جنگ نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سوال سے روک دیا۔ یہ حدیث حسن

۱۔(المغنی ج۱ص ۲۲۷‘ مطبوعہ دارالفکر بیروت‘۱٤۰۵ھ)

۲۔(مجمع الزوائد ج۱۰ص‘۱٤۸ مطبوعہ دارالکتاب العربی‘ بیروت‘۱٤۰۲ھ)

۳۔یہ حدیث صحیح ہے‘ نیز امام طبرانی‘ حضرت خزیمہ بن ثابت (رض) سے روایت کرتے ہیں کہ غائب شخص کے لیے دعا کی جائے تو مسترد نہیں ہوتی۔

(مجمع الزوائد ج۱۰ص ۱۵۲۔۱۵۱‘ مطبوعہ دارالکتاب العربی‘ بیروت‘۱٤۰۲ھ)

صحیح ہے۔ (۱)

امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے اس کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے: یارب! یارب! اس کا کھانا پینا حرام ہو، اس کا لباس حرام ہو، اس کی غذا حرام ہو تو اس کی دعا کہاں قبول ہوگی۔ (۲)

﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ

۱۔ (جامع ترمذی ص ۳۱۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

۲۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

وَاَنۡتُمۡ عٰكِفُوۡنَ ۙ فِى الۡمَسٰجِدِ ؕ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا
تَقۡرَبُوۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾

تمہارے لیے جائز کردیا گیا روزہ کی رات میں اپنی عورتوں سے بے پردہ ہونا وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو، اللہ نے جان لیا کہ تم اپنے تئیں خیانت کرتے تھے سو اس نے تم کو معاف کردیا اور تم سے درگزر کی، پس اب ان سے ملو اور جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے طلب کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ واضح ہوجائے تمہاری لیے فجر کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے، پھر تم رات تک روزہ پورا کرو اور ان سے نہ ملو جب تک اعتکاف کرنے والے ہو مسجدوں میں (حالت اعتکاف میں) یہ اللہ کی حدیں پس ان کے قریب نہ جاؤ اسی طرح واضح کرتا ہے اللہ لوگوں کے لیے اپنے حکم تاکہ وہ پرہیزگار ہوجائیں۔

شان نزول

امام ابن جریر طبریؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں: مسلمان ابتداء میں ہر ماہ میں تین دن روزے رکھتے تھے' پھر رمضان کے روزے فرض ہو گئے' جب کوئی شخص افطار کے وقت کھانا کھائے بغیر سو جاتا تو پھر اگلے روز افطار تک کھانا نہیں کھا سکتا تھا' اور اگر وہ سو جاتا یا اس کی بیوی سو جاتی تو پھر وہ بیوی سے عمل زوجیت نہیں کر سکتا تھا' انصار میں سے صرفہ بن مالک ؓ نام کا ایک بوڑھا شخص تھا اس نے افطار کے وقت اپنی بیوی سے کہا: کھانا لاؤ' بیوی نے کہا: میں گرم کر کے لاتی ہوں اتنی دیر میں اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گیا (اور اگلے دن بھوک سے اس کی حالت غیر ہو گئی۔

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی کو عمل زوجت کے لیے بلایا' انہوں نے کہا: میں سو چکی ہوں' حضرت عمرؓ نے یہ گمان کیا کہ وہ بہانے کر رہی ہیں اور ان سے اپنی خواہش پوری کر لی اور دونوں نے رات گزار لی تو اللہ نے یہ آیت نازل کی: اللہ کو علم ہے کہ اپنے نفسوں میں خیانت کرتے تھے' سو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہیں معاف کر دیا' سو اب (چاہو تو) تم ان سے عمل زوجیت کرو' اور جو اللہ نے تمہارے لیے مقدر کر دیا ہے اس کو طلب کرو' اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ فجر کا سفید دھاگا (رات کے) سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے' پھر روزہ کو رات آنے تک پورا کرو۔ [۱]

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ پہلے مسلمان سونے سے پہلے کھاتے پیتے رہتے تھے اور جماع کرتے تھے' اور سونے کے بعد کھانے پینے اور جماع کو ترک کر دیتے تھے' ابو صرمہؓ نام کا ایک انصاری شخص زمین میں کھیتی باڑی کرتا تھا' افطار کے وقت وہ سو گیا اور پھر صبح روزہ کے ساتھ کی' وہ بھوک پیاس سے بے حال ہو گیا' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو دیکھ کر پوچھا: کیا ہوا؟ تو اس نے واقعہ

۱۔ (جامع البیان ج۲ ص۹۵' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

بیان کیا' ادھر دوسرے شخص نے خیانت کی اور بیوی سے اس کے سونے کے بعد جماع کر لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (۱)

سفید دھاگے اور کالے دھاگے کا بیان

حضرت عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے مجھے اسلام کی تعلیم دی' اور ہر نماز کے وقت مجھے نماز پڑھنا سکھایا' پھر فرمایا: جب رمضان آئے تو کھاتے پیتے رہنا حتی کہ فجر کا سفید دھاگہ رات کے سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے' پھر رات تک روزہ پورا کرنا' حضرت عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں: میں نہیں سمجھ سکا کہ کالے اور سفید دھاگے سے کیا مراد ہے' میں فجر تک ان دونوں دھاگوں کو دیکھتا رہا اور وہ مجھے ایک جیسے دکھائی دیئے پھر میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا' پھر میں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہر وہ چیز جس کی آپ نے مجھے وصیت کی تھی مجھے یاد ہے' البتہ سفید دھاگے اور کالے دھاگے کا مطلب مجھے یاد نہیں' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسکرائے گویا کہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ میں نے کیا کیا تھا' میں نے کہا: میں نے ان دونوں دھاگوں کو بٹ لیا اور رات بھر انہیں دیکھتا رہا' مجھے یہ ایک جیسے دکھائی دیئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہنسے حتی کہ آپ کی ڈاڑھیں دکھائی دیں' پھر آپ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے فجر کا لفظ نہیں کہا تھا' اس سے مراد رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔ (۲)

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ : سیدنا براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں، جب

۱۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۹۵' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

۲۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۰۰' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

رمضان کے روزوں کا حکم نازل ہوا تو لوگ پورا رمضان (اپنی) بیویوں کے پاس نہیں جاتے تھے، لیکن اس سلسلہ میں بعض (لوگوں سے کوتاہی ہوگئی اور وہ) اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ)۔[۱]

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ: روزے کی حالت میں تین حلال کام حرام ہوئے تھے یعنی بیوی سے صحبت کرنا، کھانا اور پینا، جبکہ روزوں کی راتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کاموں کی اجازت دے دی اور روزے کی حدود بھی مقرر فرما دیں۔ فرمایا ان تینوں کاموں کی اجازت اس وقت تک ہے جب تک صبح کے وقت سفید اور سیاہ دھاگے میں امتیاز نہ پیدا ہو جائے۔ سیاہ دھاگے سے مراد صبح کاذب ہے اور سفید دھاگے سے مراد صبح صادق ہے یعنی سیاہ اور سفید دھاگوں سے رات کی تاریکی اور دن کی روشنی مراد ہے۔

سیدنا سہل بن سعد ؓ بیان کرتے ہیں کہ پہلے (وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ) کے الفاظ نازل ہوئے تھے اور اس کے ساتھ (مِنَ الْفَجْرِ) کے الفاظ نازل نہیں ہوئے تھے۔ تو روزہ رکھنے والے کچھ لوگ اپنے دونوں پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لیتے اور اس وقت تک کھاتے پیتے رہتے جب تک ان میں فرق نمایاں طور پر نظر نہ آنے لگتا، پھر اللہ تعالیٰ نے (مِنَ الْفَجْرِ) الفاظ بھی نازل فرما دیے جس سے انھوں نے جان لیا کہ اس سے مراد رات اور دن ہے۔[۲]

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (أحل لکم لیلة الصیام۔۔۔الخ): ٤٥٠٨]

۲۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (وکلوا واشربوا۔۔۔الخ): ٤٥١١]

سیدنا عدیؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک سیاہ اور ایک سفید دھاگا لے لیا اور کچھ رات گزرنے کے بعد انھیں دیکھا تو دونوں میں فرق نمایاں نہ ہو سکا، جب صبح ہوئی تو انھوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! میں نے دو دھاگے اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”پھر تو تمھارا تکیہ بہت بڑا ہوا کہ سفید اور سیاہ دھاری تمہارے تکیے کے نیچے تھی۔“ [1]

سیدنا عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! سیاہ اور سفید دھاری سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے دو دھاگے مراد ہیں؟ فرمایا: ”پھر تو تمہاری گدی بہت لمبی چوڑی ہے، اگر تم نے ان دونوں دھاگوں کو دیکھ لیا ہے۔“ پھر فرمایا: ”نہیں! ان سے مراد دو دھاگے نہیں، بلکہ ان سے مراد رات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی ہے۔“ [2]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”سحری کھاؤ، بیشک سحری کھانا باعث برکت ہے۔“ [3]

سیدنا عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق سحری کھانا ہے۔“ [4]

سیدنا انس بن مالکؓ نے زید بن ثابتؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ سحری کھائی، پھر ہم نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (وکلوا واشربوا۔۔الخ): ۴۵۰۹]

۲۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (وکلوا واشربوا۔۔الخ): ۴۵۱۰]

۳۔ [بخاری، کتاب الصوم، باب برکۃ السحور من غیر إیجاب: ۱۹۲۳۔ مسلم، کتاب الصیام، باب فضل السحور وتأکید استحبابہ۔۔الخ: ۱۰۹۵]

۴۔ [مسلم، کتاب الصیام، باب فضل السحور وتأکید استحبابہ۔۔الخ: ۱۰۹۶]

زید﷜ سے پوچھا کہ اذان اور سحری میں کتنا وقفہ تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ پچاس آیات پڑھنے کے بقدر۔۔۔ ①

سیدہ عائشہ﷞ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یقیناً بلال رات کو اذان کہتے ہیں، لہٰذا تم ابن ام مکتوم﷜ کی اذان (سننے) تک کھاتے پیتے رہو۔" ②

سیدنا سمرہ بن جندب﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بلال کی اذان اور یہ سفیدی، صبح کی کرن، تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے، بلکہ صبح وہ ہے جو پھیلی ہو۔" ③

سیدہ عائشہ﷞ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! حالت جنابت میں صبح کی نماز کا وقت ہوجاتا ہے تو کیا میں روزہ رکھوں؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مجھے بھی حالت جنابت میں صبح کی نماز کا وقت ہوجاتا ہے تو میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔" اس نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! آپ تو ہماری طرح نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف کردیے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں تم سب کی نسبت اللہ سے زیادہ ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کی باتوں کو جاننے والا ہوں۔" ④

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ: یعنی سورج غروب ہونے تک سیدنا عمر بن خطاب﷜ سے روایت ہے

۱۔[بخاری، کتاب الصوم، باب قدر کم بین السحور وصلاۃ الفجر: ۱۹۲۱۔ مسلم، کتاب الصیام، باب فضل السحور وتأکید استحبابہ۔۔۔ الخ: ۱۰۹۷]

۲۔[بخاری، کتاب الأذان، باب الأذان قبل الفجر: ۶۲۲، ۶۲۳۔ مسلم، کتاب الصیام، باب بیان أن الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر۔۔۔ الخ: ۱۰۹۲/۳۸]

۳۔[مسلم، کتاب الصیام، باب بیان أن الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر۔۔۔ الخ: ۱۰۹۴]

۴۔[مسلم، کتاب الصیام، باب صحۃ صوم من طلع علیہ الفجر وھو جنب: ۱۱۱۰]

کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب ادھر سے رات آجائے اور ادھر سے دن چلا جائے اور سورج غروب ہوجائے تو روزے دار روزہ افطار کر لے۔“ (۱)

سیدنا سہل بن سعد ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”لوگ اس وقت تک خیر و بھلائی میں رہیں گے جب تک روزہ افطار کرنے میں جلدی کریں گے۔“ (۲)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب افطار کرتے تو یہ دعا پڑھتے: (ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ) ”پیاس چلی گئی، رگیں تر ہوگئیں اور ان شاء اللہ اجر ثابت ہوگیا۔“ (۳)

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عٰكِفُونَ: چونکہ اعتکاف کا رمضان سے خاص تعلق ہے اس لیے یہاں اعتکاف کے احکام کی طرف اشارہ فرمادیا۔ اعتکاف کا معنیٰ اپنے آپ کو کسی کے ساتھ یا کسی جگہ روک کر رکھنا ہے۔ اعتکاف میں بیوی سے مباشرت جائز نہیں، نہ ہی مسجد سے نکلنا جائز ہے، سوائے اس ضرورت کے جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔ اگر مباشرت کرے گا یا مجبوری والی ضرورت کے بغیر نکلے گا تو اعتکاف باطل ہوجائے گا۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے، جیسا کہ سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو وفات دی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی ازواج نے

۱۔[بخاری، کتاب الصوم، باب متی یحل فطر الصائم؟: ۱۹۵۴۔ مسلم، کتاب الصیام، باب بیان وقت انقضاء الصوم وخروج النھار: ۱۱۰۰]

۲۔[بخاری، کتاب الصوم، باب تعجیل الإفطار: ۱۹۵۷۔ مسلم، کتاب الصیام، باب فضل السحور وتأکید استحبابہ۔۔ الخ: ۱۰۹۸]

۳۔[أبوداؤد، کتاب الصوم، باب القول عند الإفطار: ۲۳۵۷]

اعتکاف کیا۔ [1]

اعتکاف کی حالت میں بیوی اپنے خاوند کی خدمت کرسکتی ہے۔ سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسجد میں (معتکف) ہوتے تو آپ اپنا سر (میری طرف حجرے میں) داخل کرتے، تو میں آپ کے کنگھی کردیا کرتی تھی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب اعتکاف میں ہوتے تو گھر میں سوائے قضائے حاجت کے تشریف نہ لاتے تھے۔ [2]

اعتکاف کی حالت میں عورت مسجد میں جا کر اپنے خاوند سے ملاقات کرسکتی ہے، جیسا کہ سیدہ صفیہ بنت حییؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اعتکاف کی حالت میں تھے، میں ایک رات آپ سے ملاقات کے لیے آئی، میں نے کچھ دیر گفتگو کی اور پھر گھر جانے کے لیے کھڑی ہوئی، (یہ رات کا وقت تھا) تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی کھڑے ہوگئے، تاکہ مجھے گھر تک پہنچا آئیں۔ میرا گھر مدینہ کے ایک طرف دار اسامہ بن زیدؓ میں تھا۔ راستے میں دو انصاری ملے، جب انھوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا تو اپنی رفتار تیز کردی (ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے حیا کی وجہ سے چھپ گئے، کیونکہ آپ اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ تھے) آپ نے ان دونوں سے فرمایا: "ذرا رک جاؤ! دیکھو! یہ صفیہ بنت حییؓ ہے (یعنی تیز نہ چلو اور جان لو کہ اس وقت میرے ساتھ میری بیوی صفیہ ہے)۔" انھوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! سبحان اللہ؟ آپ نے فرمایا: "شیطان انسان کے جسم میں اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون، لہٰذا مجھے یہ ڈر لاحق ہوا کہ

۱۔[بخاری، کتاب الاعتکاف، باب الاعتکاف فی العشر الأ واخر:۲۰۲۶۔ مسلم، کتاب الاعتکاف، باب اعتکاف العشر الأ واخر من رمضان: ۱۱۷۲/۵]

۲۔[بخاری، کتاب الاعتکاف، باب لا یدخل البیت إلا لحاجة:۲۰۲۹]

کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی بات نہ ڈال دے۔" [1]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ آپ کی ایک بیوی نے اعتکاف کیا اور وہ استحاضہ کی بیماری میں مبتلا تھیں، وہ سرخی اور زردی (استحاضہ کا خون) دیکھتی تھیں، ہم کبھی ان کے نیچے طشت رکھ دیا کرتی تھیں (تاکہ خون اس میں جمع ہو جائے) اور وہ اسی حالت میں نماز پڑھتی رہتی تھیں۔ [2]

فِي الْمَسٰجِدِ: "الْمَسٰجِدِ" کے لفظ سے معلوم ہوا کہ اعتکاف گھر میں نہیں ہوتا، مسجد میں ہوتا ہے، خواہ عورت ہو یا مرد۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیویاں مسجد میں ہی اعتکاف کرتی تھیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے۔

﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۸ؑ﴾

اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے اور تم جانتے ہو۔

۱۔[مسلم، کتاب السلام، باب بیان أنہ یستحب لمن روی خالیا بامرأۃ ۔۔۔ الخ: ۲۱۷۵۔ بخاری، کتاب الاعتکاف، باب زیارۃ المرأۃ زوجھا فی اعتکافہ: ۲۰۳۸]

۲۔[بخاری، کتاب الاعتکاف، باب اعتکاف المستحاضۃ: ۲۰۳۷]

منصف، انصاف اور مدعی

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس پر کسی اور کا مال ہو اور اس حقدار کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو یہ اس شخص کا انکار کر جائے اور حاکم کے پاس جا کر بری ہو جائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ اس پر اس کا حق ہے وہ اس کا مال مار رہا ہے اور حرام کھا رہا ہے اور اپنے تئیں گنہگاروں میں کر رہا ہے، حضرت مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، عکرمہؒ، مجاہدؒ، حسنؒ، قتادہؒ، سدیؒ، مقاتل بن حیانؒ، عبدالرحمن بن زید اسلمؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ باوجود اس علم کے کہ تو ظالم ہے جھگڑا نہ کر، بخاری و مسلم میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میں انسان ہوں میرے پاس لوگ جھگڑا لے کر آتے ہیں شاید ایک دوسرے سے زیادہ حجت باز ہو اور میں اس کی چکنی چپڑی تقریر سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ درحقیقت میرا فیصلہ واقعہ کے خلاف ہو) تو سمجھ لو کہ جس کے حق میں اس طرح کے فیصلہ سے کسی مسلمان کے حق کو میں دلوا دوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ اٹھا لے خواہ نہ اٹھائے، میں کہتا ہوں یہ آیت اور حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ حاکم کا حکم کسی معاملہ کی حقیقت کو شریعت کے نزدیک بدلتا نہیں، فی الواقع بھی نفس الامر کے مطابق ہو تو خیر ورنہ حاکم کو تو اجر ملے گا، لیکن اس فیصلہ کی بنا پر حق کو ناحق کو حق لینے والا اللہ کا مجرم ٹھہرے گا اور اس پر وبال باقی رہے گا، جس پر آیت مندرجہ بالا گواہ ہے، کہ تم اپنے دعوے کو باطل ہونے کا علم رکھتے ہوئے لوگوں کے مال مار کھانے کے لیے جھوٹے مقدمات بنا کر جھوٹے گواہ گزار کر ناجائز طریقوں سے حکام کو غلطی کھلا کر اپنے دعووں کو ثابت نہ کیا کرو، حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں لوگو! سمجھ لو کہ قاضی کا فیصلہ تیرے لیے حرام کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ باطل کو حق کر سکتا ہے، قاضی تو اپنی عقل سمجھ سے گواہوں کی گواہی کے مطابق ظاہری حالات کو

دیکھتے ہوئے فیصلہ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھی آخر انسان ہے ممکن ہے خطا کرے اور ممکن ہے خطا سے بچ جائے تو جان لو کہ اگر فیصلہ قاضی کا واقعہ کے خلاف ہو تو تم صرف قاضی کا فیصلہ اسے جائز مال نہ سمجھ لو یہ جھگڑا باقی ہی ہے یہاں تک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دونوں جمع کرے اور باطل والوں پر حق والوں کو غلبہ دے کر ان کا حق ان سے دلوائے اور دنیا میں جو فیصلہ ہوا تھا اس کے خلاف فیصلہ صادر فرما کر اس کی نیکیوں میں اسے بدلہ دلوائے۔ [۱]

احادیث اور آثار کی روشنی میں رشوت کا حکم

امام بیہقیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ [۲]

مسروقؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھا گیا کہ "سحت" کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا: رشوت، پھر سوال کیا کہ فیصلے پر رشوت لینے کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کفر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکام) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ [۳]

ان احادیث میں فیصلہ کے لیے رشوت دینے اور باطل کام کرانے کے لیے رشوت دینے کو حرام قرار دیا ہے، اور حسب ذیل احادیث اور آثار میں ظلم اور ضرر سے بچنے کے لیے کچھ دینے کو جائز قرار دیا ہے اور

۱۔ تفسیر ابن کثیر

۲۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰، ص ۱۳۹، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان)

۳۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰، ص ۱۳۹، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان)

فرمایا ہے کہ رشوت نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص ؒ بیان کرتے ہیں:

روایت ہے کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خیبر کا مال غنیمت تقسیم کیا اور بڑے بڑے عطیات دیئے اور عباس بن مرداس کو بھی کچھ مال دیا تو وہ اس پر ناراض ہو گیا اور شعر پڑھنے لگا' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: (کچھ اور مال دے کر) ہمارے متعلق اس کی زبان بند کر دو' پھر اس کو کچھ اور مال دیا حتی کہ وہ راضی ہو گیا۔ (۱)

امام بیہقی ؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حبشہ کی سرزمین پر پہنچے تو ان سے کچھ سامان چھینا گیا۔ انہوں نے اس سامان کو اپنے پاس رکھا اور دو دینار دے دیئے' پھر ان کو چھوڑ دیا گیا۔ (۲)

وہب بن منبہ ؒ بیان کرتے ہیں کہ جب کام میں رشوت دینے والا گناہ گار ہوتا ہے یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال سے ظلم اور ضرر کو دور کرنے کے لیے دی جائے۔ رشوت وہ چیز ہے جس میں دینے والا گناہ گار ہوتا ہے بایں طور کہ تم اس چیز کے لیے رشوت دو جس پہ تمہارا حق نہیں ہے۔ (۳)

رشوت کی اقسام:

علامہ قاضی خاں اور جندی ؒ لکھتے ہیں: جب قاضی رشوت دے کر منصب قضاء کو حاصل کرے تو وہ قاضی نہیں ہوگا اور قاضی اور رشوت لینے والے دونوں پر رشوت حرام ہوگی' رشوت کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ٤٣٤' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱٤۰۰ھ)

۲۔ (سنن کبری ج ۱۰ ص ۱۳۹' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

۳۔ (سنن کبری ج ۱۰ ص ۱۳۹' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

(۱) پہلی قسم یہی ہے یعنی منصب قضاء کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا' اس رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

(۲) کوئی شخص اپنے حق میں کرانے کے لیے قاضی کو رشوت دے' یہ رشوت جانبین سے حرام ہے' خواہ وہ فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو' کیونکہ فیصلہ کرنا' قاضی کی ذمہ داری اور فرض ہے (اسی طرح کسی افسر کو اپنا کام کرانے کے لیے رشوت دینا یہ بھی جانبین سے حرام ہے' کیونکہ وہ کام کرنا اس افسر کی ڈیوٹی ہے۔)

(۳) اپنی جان اور مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دینا' یہ لینے والے پر حرام ہے دینے والے پر حرام نہیں ہے'

(٤) کسی شخص کو اس لیے رشوت دی کہ وہ اس کو بادشاہ یا حاکم تک پہنچا دے تو اس رشوت کا دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔ [1]

جھوٹی گواہی سے حکم رد ہوتا ہے یا نہیں؟

امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہؓ کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم میرے پاس مقدمات

۱۔ (فتاوی قاضی خاں علی ھامش الہندیہ ج ۲ ص ۳٦۳۔۳٦۲' مطبوعہ مطبع امیریہ' بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ) رشوت کی یہ چار اقسام قاضی خاں کے حوالے سے علامہ ابن ہمام۔۱ (علامہ کمال ابن ہمام حنفی متوفی ۸٦۱ھ فتح القدیر ج ٦ ص ۳۸۵' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر) علامہ بدر الدین عینی ۲۔ (علامہ محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵' بنایہ شرح ہدایہ الجزء الثالث ص ۲٦۹' مطبوعہ ملک سنز' فیصل آباد) علامہ زین الدین ابن نجیم۔ ۳ (علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ البحر الرائق ج ٦ ص ۲٦۲' ۲٦۱' مطبوعہ مطبعہ علمیہ' مصر' ۱۳۱۱ھ) اور علامہ ابن عابدین شامی۔ نے بھی بیان کی ہیں۔ (رد المختار ج ٤ ص ٤۲۲۔٤۲۱' مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ' استنبول' ۱۳۲۷ھ)

لے کر آتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے موقف کو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ دلائل کے ساتھ پیش کرے اور اس سماعت کے اعتبار سے میں (بالفرض) اس کے حق میں فیصلہ کر دوں' سو جس شخص کو میں اس کے بھائی کا حق دے دوں وہ اس کو نہ لے کیونکہ میں اس کو آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں۔ ۱

علامہ یحییٰ بن شرف نووی ؒ لکھتے ہیں: صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) فقہاء تابعین' امام شافعی' امام احمد' اور جمہور فقہاء اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ حاکم کا حکم باطن میں کسی چیز کو حلال کرتا ہے نہ حرام کرتا ہے' لہٰذا جب دو جھوٹے گواہ کسی کے حق میں مال کی گواہی دیں اور حاکم اس گواہی کی بناء پر مدعی کے حق میں مال کا فیصلہ کر دے تو مدعی کے لیے اس مال کو لینا جائز نہیں ہے اور اگر دو جھوٹے گواہ کسی شخص کے خلاف یہ گواہی دیں کہ اس شخص نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے تو اگر مقتول کے ولی کو یہ علم ہو کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں تو اس کے لیے ملزم کو قتل کرنا جائز نہیں ہے' اور اگر دو شخص کسی کے خلاف یہ جھوٹی گواہی دیں کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اور قاضی نے اس گواہی کی بناء پر تفریق کر دی ہے تو جس شخص کو علم ہو کہ یہ گواہی کی بناء پر تفریق کر دی ہے تو جس شخص کو علم ہو کہ یہ گواہی جھوٹی ہے اس کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے' اور امام ابوحنیفہ ؒ یہ کہتے ہیں کہ قاضی کے حکم سے عورت تو حلال ہو جاتی ہے مال حلال نہیں ہوتا' لہٰذا ان کے نزدیک اس صورت میں نکاح جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ ؒ کا یہ قول اس حدیث صحیح اور اجماع متقدمین کے خلاف ہے' اسی طرح ان کا یہ قول خود ان کے اور جمہور کے اس قاعدہ کے بھی خلاف ہے کہ عورت سے وطی کے معاملہ میں نکاح کی بہ نسبت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ ۲

۱۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۷٤' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

۲۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۷۵-۷٤' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ وشتانی مالکیؒ لکھتے ہیں: علامہ مازری مالکیؒ نے کہا ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جان، مال اور عورت اگر حرام ہو تو وہ قاضی کے حکم سے حلال نہیں ہوگی اور امام ابوحنیفہؒ نے یہ کہا ہے قاضی کے حکم سے عورت حلال ہوجاتی ہے، پس اگر دو گواہ کسی شخص کے خلاف یہ جھوٹی گواہی دیں کہ اس شخص نے اپنی عورت کو طلاق دے دی تو جس شخص کو یہ علم ہو کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے اس کے لیے بھی اس عورت سے نکاح کرنا حلال ہے۔ اس قول کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ پر لے دے کی گئی کہ انہوں نے مال کی حفاظت کی اور عورت کی حفاظت نہیں کی، حالانکہ عورت کی حفاظت مقدم ہے، ہمارے اصحاب نے اس حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے۔ (۱)

قضاء کے ظاہراً اور باطناً نافذ ہونے میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفیؒ نے اس سلسلہ میں فقہاء احناف کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جھوٹے گواہوں سے ظاہراً اور باطناً قضاء نافذ ہوجاتی ہے، بشرطیکہ محل اس حکم کا قابل ہو (یعنی محارم میں سے کسی پر دعویٰ نہ ہو) اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم نہ ہو، یہ قضا عقود (مثلاً بیع اور نکاح) اور فسوخ (مثلاً اقالہ اور طلاق) دونوں میں نافذ ہوجاتی ہے، کیونکہ حضرت علیؓ نے اس عورت سے فرمایا تھا کہ تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کردیا، اور امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ اور ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں صرف ظاہراً قضاء نافذ ہوتی ہے، اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ (۲)

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں، کہ امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے کہ امام محمدؒ کا قول بھی امام ابوحنیفہؒ کی طرح ہے،

۱۔ (اکمال المعلم ج ۵ ص ۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

۲۔ (درمختار علی ھامش ردالمختار ج ٤ ص ٤٦٢ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ، استنبول ۱۳۲۷ھ)

نیز علامہ شامی بیان کرتے ہیں کہ "قہستانی" اور "البحر الرائق" میں حقائق اور ابواللیث سے منقول ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے، لیکن "فتح القدیر" میں ہے کہ امام اعظم کا قول ہی معتبر ہے اور علامہ قاسم نے بھی اسی کی تائید کی اور عام متون میں بھی امام اعظم کا قول مذکور ہے۔ (۱)

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٨٩﴾ ﴾

لوگ آپ سے نئے مہینوں کے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ انہیں بتا دیجیئے کہ یہ لوگوں (کے مختلف معاملات کے) اور حج کے اوقات متعین کرنے کے لیے ہیں۔ اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے داخل ہو بلکہ نیکی یہ ہے کہ انسان تقوی اختیار کرے، اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہوا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔

شان نزول: (آیت) "یسئلونک عن الاھلۃ" (الخ)

۱۔ (ردالمحتار ج ٤ ص ٤٦٢، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ، استنبول، ١٤٢٧ھ)

ابن ابی حاتمؒ نے عکرمہؒ کے واسطہ سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے چاند کے بارے میں معلوم کیا اس پر یہ آیت اتری اور ابن ابی حاتمؒ نے ابوالعالیہؒ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا، یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، اللہ تعالیٰ نے چاند کو کیوں پیدا کیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

ابونعیم اور ابن عساکرؒ نے تاریخ دمشق میں سدی صیغرؒ، کلبیؒ، ابوصالحؒ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ معاذ بن جبلؓ اور ثعلبۃ بن غنمہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ کیا بات ہے کہ شروع میں چاند باریک دیکھائی دیتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ مکمل ہوجاتا ہے اور رکتا ہے اور گھومتا ہے، اور پھر کم اور باریک ہوتا رہتا ہے، حتی کہ پھر پہلی حالت پر آجاتا ہے، اور ایک حالت پر باقی نہیں رہتا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ آپ سے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔

فرمان الٰہی: (آیت) "ولیس البر"۔ (الخ) امام بخاریؒ نے حضرت براءؓ سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب لوگ احرام باندھتے تو اپنے گھروں میں پشت کی طرف سے داخل ہوتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ اس میں کوئی بڑائی اور فضیلت نہیں کہ اپنے گھروں میں پیچھے کی طرف سے داخل ہوجاؤ۔

اور ابن ابی حاتمؒ اور امام حاکمؒ نے حضرت جابرؓ سے یہ روایت کی ہے کہ قریش حمس کے ساتھ پکارے جاتے تھے اور وہ احرام کی حالت میں دروازوں سے اندر جاتے تھے اور انصار اور تمام عرب حالت

احرام میں دروازہ سے نہیں جاتے تھے، ایک مرتبہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک باغ میں تشریف رکھتے تھے، اچانک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس باغ کے دروازے سے نکلے اور آپؐ کے ساتھ قطبۃ بن عامر انصاریؓ بھی نکلے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قطبۃ بن عامر ایک تاجر آدمی ہے اور یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ باغ کے درازہ سے نکلا ہے، حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے فرمایا کہ تو نے ویسا کام کیوں کیا جو میں نے کیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جو کرتے دیکھا وہی کیا، آپ نے فرمایا کہ میں تو احمس شخص ہوں اس نے عرض کیا کہ میرا دین وہی ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دین ہے اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ (آیت) لیس البر (الخ) اتاری۔

اور ابن جریرؒ نے عوفیؒ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے اسی طرح روایت کی ہے،

اور ابوداؤد طیالسیؒ نے اپنی مسند میں براءؓ سے روایت کیا ہے کہ انصار جب سفر سے واپس ہوتے تو ان میں سے کوئی بھی اپنے گھر کے دروازہ سے داخل نہ ہوتا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاری اور عبد بن حمیدؒ نے قیس بن حبشہؒ سے روایت کیا ہے کہ لوگ جب احرام باندھتے تو اپنے گھر میں دروازہ کی طرف سے داخل نہ ہوتے تھے اور حمس والے ایسا نہیں کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک باغ میں گئے ہوئے تھے، اور پھر اس باغ کے دروازہ سے باہر نکلے تو آپ کے ساتھ ایک آدمی ہو گیا جس کو رفاعہ بن تابوت کہا جاتا تھا اور وہ قبیلہ حمس میں سے نہیں تھا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ رفاعہ منافق ہو گیا۔ آپ نے رفاعہ سے فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تو وہ کہنے لگا کہ میں نے آپ کی اتباع کی، آپ نے فرمایا کہ میں تو قبیلہ حمس میں سے ہوں تو

ہم سب کا دین تو ایک ہی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (آیت) ”ولیس البر“ (الخ)

واحدیؒ نے کلبیؒ اور ابو صالح ؒ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بیت اللہ میں جانے سے روک دیا گیا تھا پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مشرکین مکہ سے اس بات پر صلح کرلی کہ اگلے سال آکر عمرہ قضا کرلیں گے، جب آئندہ سال ہوا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اور آپ کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عمرہ قضا کی تیاری کی اور اس بات کا خوف پیدا ہوا کہ کہیں کفار وعدہ خلافی نہ کریں اور پھر مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیں اور جنگ کریں اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو حج کے مہینوں میں قتال پسند نہیں تھا۔ (یعنی دین اسلام میں اس کی اجازت نہ تھی) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور ابن جریرؒ نے قتادہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) ذی قعدہ کے مہینے میں عمرے کا احرام باندھ کر اور قربانی کا جانور اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے، جب مقام حدیبیہ پر پہنچے تو مشرکین نے آپ کو آگے جانے سے روک لیا، رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مشرکین مکہ سے اس بات پر صلح کرلی کہ اس سال ہم واپس چلے جاتے ہیں اور اگلے سال عمرہ قضا کرلیں گے جب آئندہ سال ہوا تو ذی قعدہ کے مہینے میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) عمرے کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور تین راتوں تک وہاں ٹھہرے اور مشرکین کو اس بات پر فخر تھا کہ انہوں نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو واپس کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ سارا واقعہ بیان کیا اور حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مکہ مکرمہ میں اسی مہینے کے اندر داخل فرما دیا جس مہینے میں کفار نے آپ کو

واپس کیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا (آیت) "الشھر الحرام بالشھر الحرام (الخ) یعنی حرمت والا مہینہ ہے بعوض حرمت والے مہینہ کے اور یہ حرمتیں تو عوض و معاوضہ کی چیزیں ہیں۔ (۱)

قمری تاریخوں کا حکم اور اہمیت

سورج اپنے تشکل کے اعتبار سے ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتا ہے، گو مطالع اور مغارب اس کے بھی روزانہ بدلتے ہیں مگر اس کی شناخت ایک امر دقیق اور پیچیدہ ہے شمسی تاریخیں معلوم کرنے کے لیے تقویم (کیلنڈر) کے علاوہ وہ کوئی صورت نہیں، اگر کوئی شخص شمسی تاریخ بھول جائے اور کسی ایسی جگہ ہو کہ جہاں (تقویم) کیلنڈر وغیرہ دستیاب نہ ہو اس کے لیے شمسی تاریخ معلوم کر لینا آسان نہ ہوگا، بخلاف چاند کے کہ روزانہ اس کے تشکلات بدلتے رہتے ہیں اس کے علاوہ ہر ماہ ایک ہی ضابطہ کے مطابق بدلتے ہیں اور اختلاف ایسا واضح ہوتا ہے کہ ہر کہ ومہ خواندہ و ناخواندہ دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے اسی وجہ سے شریعت نے اصالۃً احکام وعبادات کا دار و مدار قمری تاریخوں پر رکھا ہے، بعض احکام میں تو قمری حساب کو لازم کر دیا کہ ان میں دوسرے حساب پر مدار جائز ہی نہیں جیسے حج، روزہ رمضان، عیدین، زکوۃ وعدت طلاق وغیرہ، ان کے علاوہ معاملات میں اختیار ہے چاہے جس حساب سے معاملہ کریں شریعت نے مجبور نہیں کیا کہ قمری تاریخوں ہی سے حساب رکھیں۔ احکام شرعیہ کے علاوہ میں گو قمری حساب کے علاوہ کی اجازت ہے مگر چونکہ بوجہ خلاف ہونے وضع صحابہ وصالحین کے خلاف اولیٰ ضرور ہے، اور چونکہ بہت سے احکام شرعیہ کا مدار قمری حساب پر ہے اس لیے قمری تاریخوں کو محفوظ رکھنا یقیناً فرض علی الکفایہ ہے اور انضباط کا آسان طریقہ یہی ہے کہ اپنے روزمرہ کے معاملات میں قمری تاریخوں کا استعمال رکھا

۱۔ تفسیر ابن عباس، تفسیر طبری،

جائے۔

بدعت کی اصل بنیاد

لَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا، زمانہ جاہلیت میں جہاں اور بہت سے رسم ورواج رائج تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ احرام باندھنے کے بعد اگر کسی ضرورت سے گھر آنا ہوتا تو دروازہ سے داخل ہونے کے بجائے گھر کی پشت کی جانب سے دیوار میں نقب لگا کر یا دیوار پھاند کر داخل ہوتے اور اس کو کار ثواب سمجھتے اس آیت میں اسی بدعت کی تردید کی گئی ہے، اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس چیز کو شریعت اسلام ضروری یا عبادت نہ سمجھتی ہو اس کو اپنی طرف سے ضروری یا عبادت سمجھ لینا جائز نہیں، اسی طرح جو چیز شرعاً جائز ہو اس کو گناہ سمجھنا بھی گناہ ہے، بدعات کے ناجائز ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ غیر ضروری چیز کو فرض اور واجب کی طرح سمجھ لیا جاتا ہے یا بعض جائز چیزوں کو حرام و ناجائز قرار دیا جاتا ہے اس آیت میں نہ صرف یہ کہ بے اصل اور بے بنیاد رسم کی تردید کی گئی ہے بلکہ تمام اوہام پر یہ کہہ کر ضرب لگائی گئی ہے کہ نیکی دراصل اللہ سے ڈرنے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنے کا نام ہے ان بے معنی رسموں کو نیکی سے کوئی واسطہ نہیں جو محض رسماً زمانہ قدیم سے آباء واجداد کی تقلید میں چلی آرہی ہیں اور جن کا انسان کی سعادت وشقاوت، نحوست وسعادت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔[1]

چاند کے حساب سے مہینا ۲۹ دن کا ہوتا ہے یا ۳۰ دن کا، نہ ۲۹ دن سے کم کا ہوتا ہے اور نہ ۳۰ دن سے زیادہ کا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہم ان

۱۔ تفسیر جلالین

پڑھ قوم ہیں، نہ ہم لکھتے ہیں اور نہ حساب کتاب رکھتے ہیں، مہینہ اتنے دن کا ہوتا ہے اور اتنے دن کا۔“ یعنی کبھی ۲۹ دن کا اور کبھی ۳۰ دن کا (دونوں کی تعداد آپ نے انگلیوں کے ذریعے بتائی، انتیس کی تعداد بتاتے وقت آپ نے تیسری مرتبہ انگوٹھے کو بند کر دیا تھا)۔ ①

سیدنا عبداللہ بن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”مہینا ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے، لہٰذا جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو، اگر آسمان ابر آلود ہو تو مہینا کے دنوں کی تعداد تیس پوری کرلو۔“ [بخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) إذا رأیتم الھلال فصوموا۔۔ الخ: ۱۹۰۷]

سیدنا عمیر بن انس ؓ اپنے چچاؤں سے بیان کرتے ہیں، جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب میں سے ہیں کہ ایک قافلہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا، قافلہ والوں نے گواہی دی کہ انھوں نے شام کو چاند دیکھا تھا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ روزہ افطار کریں اور دوسرے دن صبح کو عیدگاہ جائیں۔ ②

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا : اللہ تعالیٰ نے آیت کے اس حصے میں ایام جاہلیت کی ایک لغو رسم کی نشان دہی کر کے اس کا خاتمہ کیا ہے، سیدنا براء بن عازب ؓ روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انصار جب حج کر کے آتے تو اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل نہیں ہوتے تھے، بلکہ گھروں کے پیچھے سے داخل ہوا کرتے تھے۔ ایک انصاری

۱۔ [بخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لانکتب ولانحسب: ۱۹۱۳۔ مسلم، کتاب الصیام، باب وجوب صوم رمضان لرؤیۃ الھلال۔۔ الخ: ۱۰۸۰/۱۵]

۲۔ [أبوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب إذا لم یخرج ال إمام للعید من یومہ یخرج من الغد: ۱۱۵۷]

(نے اس دستور کی خلاف ورزی کی اور وہ) دروازہ سے گھر میں داخل ہوگیا، تو اس پر اس کو عار دلائی گئی، تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی: (وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا)۔[1]

﴿ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾ ﴾

اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کریں اور حد سے مت بڑھو بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

جہاد کیا جازت ملنے پر پہلی آیت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے روزہ کا ذکر فرمایا تھا، اور اب جہاد کا ذکر فرما رہا ہے، روزہ اور جہاد میں ایک گونہ مناسبت ہے، کیونکہ دونوں میں دنیا کو ترک کرنا پڑتا ہے، نیز حدیث میں ہے: میری امت کی سیاحت روزہ ہے اور میری امت کی رہبانیت جہاد ہے، اور اصل اور اہم عبادات میں سے بعض کی ادائیگی کے لیے اوقات مخصوص مقرر ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوۃ اور حج اور بعض امہات عبادات کی ادائیگی کے لیے کوئی مخصوص وقت مقرر نہیں ہے جیسے جہاد اور ذکر، تو پہلے عبادات موقتہ کا ذکر فرمایا، اب عبادات غیر موقتہ میں سے جہاد کا ذکر شروع فرمایا ہے۔

۱۔ [بخاری، کتاب العمرۃ، باب قول اللہ تعالیٰ (وأتوا البیوت من أبوابہا):۱۸۰۳]

بعض علماء نے کہا کہ یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا اور یہ پابندی لگائی کہ جو تم سے جنگ کریں ان سے جنگ کرو اور جو تم سے جنگ نہ کریں ان کے خلاف تلوار نہ اٹھاؤ' پھر اس کے بعد سورہ توبہ کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہوگیا' امام ابن جریر طبریؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ربیعؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ پہلی آیت ہے جو مدینہ میں قتال کے متعلق نازل ہوئی' جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صرف ان کے خلاف جہاد کرتے جو آپ پر حملہ آور ہوتے اور جو آپ حملہ نہ کرتے آپ بھی ان سے جنگ نہ کرتے' حتیٰ کہ سورہ توبہ نازل ہوگئی۔

ابن زید نے کہا: سورہ بقرہ کی اس آیت کو سورہ توبہ کی حسب ذیل آیت نے منسوخ کردیا:

(آیت) "فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد "۔(التوبہ:۵)

ترجمہ: پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ انھیں قتل کردو اور انھیں پکڑو اور ان کا محاصرہ کرلو اور ان کی تاک میں ہر جگہ گھات لگا کر بیٹھو۔

ان علماء کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: حد سے تجاوز نہ کرو' اس کا معنی یہ ہے کہ جو تم سے نہ لڑیں ان سے نہ لڑو اور سورہ توبہ کے نازل ہونے کے بعد یہ پابندی منسوخ ہوگئی اس کے برعکس دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہوئی اور حد سے تجاوز کرنے سے جو منع فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ ذی القعدہ ۶ ھ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ادائے عمرہ کے قصد سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے اس وقت تک مکہ مشرکین کے قبضہ میں تھا، ان لوگوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے سے حدیبیہ کے مقام پر روک دیا، آخر کار بڑی گفتگو کے بعد یہ معاہدہ قرار پایا کہ آئندہ سال آ کر عمرہ کریں چنانچہ ذی قعدہ ۷ ھ میں قضائے عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے لیکن آپ کے اصحاب کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں مشرکین مکہ عہد شکنی کر کے حملہ آور نہ ہوں تو ایسی حالت میں نہ سکوت مصلحت ہے اور اگر مقابلہ کیا جائے تو ماہ محترم میں قتال لازم آتا ہے اس لیے کہ ذی القعدہ چار محترم مہینوں میں سے ایک ہے وہ چار محترم مہینے یہ ہیں۔ ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب، مسلمان، اس گومگو کی صورت حال سے پریشان تھے، تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات نازل فرمائیں، کہ ان معاہدہ کرنے والوں کے ساتھ معاہدہ کی رو سے تم اپنی جانب سے لڑائی کی ابتداء نہ کرو، لیکن اگر وہ لوگ عہد شکنی کریں اور تم سے لڑنے پر آمادہ ہو جائیں تو اس وقت تم کسی قسم کا اندیشہ نہ کرو اور بے تکلف تم بھی ان سے لڑو۔ (۱)

اس آیت میں حکم یہ ہے کہ قتال صرف ان کافروں سے کریں جو مسلمانوں سے آمادہ قتال ہوں مطلب یہ ہے کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، مذہبی پیشواؤں جو دنیا سے یکسر ہو کر مذہبی شغل میں لگے ہوں مثلاً راہب پادری اسی طرح اپاہج ومعذور یا وہ لوگ جو کافروں کے یہاں محنت مزدوری کا کام کرتے ہوں جو کافروں کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے ایسے لوگوں کو جہاد میں قتل کرنا جائز نہیں، اس لیے آیت میں جہاد کا حکم ان لوگوں سے ہے جو مسلمانوں سے قتال کریں، اگر مذکورہ لوگوں میں سے کوئی شخص جنگ میں کافروں کی کسی طرح کی بھی مدد کریں تو ان کا قتل جائز ہے اس لیے کہ یہ لوگ " اَلَّذِيْنَ

۱۔ تفسیر جلالین

يُقَاتِلُوْنَكُمْ "میں

قتال اور جہاد میں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں وغیرہ کو قتل کرنے کی ممانعت

امام ابن جریرؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: حد سے تجاوز نہ کرو' کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو اور نہ اس کو قتل کرو جو ہتھیار ڈال دے، اگر تم نے ان کو قتل کیا تو تم حد سے تجاوز کرنے والے ہو گے۔ (۱)

امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں

حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب کسی شخص کو لشکر کا امیر بناتے تو اس کو خصوصیت کے ساتھ خوف خدا کی وصیت کرتے اور فرماتے: بسم اللہ پڑھ کر جہاد کرو، اور جو اللہ کا کفر کرے اس سے قتال کرو اور خیانت نہ کرنا، عہد شکنی نہ کرنا اور مثلہ نہ کرنا (کسی کے اعضاء نہ کاٹنا) اور کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (۳)

امام مالکؒ، یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یزید بن ابی سفیان کی

۱۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۱۱۔۱۱۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)
۲۔ الحدیث (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)
۳۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

قیادت میں شام کی طرف ایک لشکر روانہ کیا تو ان کو یہ وصیت کی: عنقریب تم راہبوں سے ملو گے، جنھوں نے اپنے زعم میں خود کو اللہ کے لیے وقف کیا ہوا ہے ان کو چھوڑ دینا، اور عنقریب تم مجوسیوں سے ملو گے جو سر کے درمیان سے بال کاٹتے ہیں ان کو قتل کر دینا، اور میں تم کو دس چیزوں کی وصیت کرتا ہوں: کسی عورت کو قتل نہ کرنا، نہ کسی بچے کو، نہ کسی بوڑھے کو اور نہ کسی پھل دار درخت کو کاٹنا، اور نہ کسی بکری یا اونٹ کی کونچیں کاٹنا اور نہ کسی کھجور کے درخت کو جلانا، نہ کسی آبادی کو ویران کرنا اور نہ کسی کو غرق کرنا اور نہ مال غنیمت میں خیانت کرنا اور نہ بزدلی کرنا۔ (۱)

﴿ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩١﴾ ﴾

اور انھیں قتل کرو جہاں کہیں بھی انھیں پاؤ اور نکالو ان کو وہاں سے جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے اور فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے ہاں مسجد حرام کے پاس (جسے امن کی جگہ بنا دیا گیا ہے) ان سے جنگ مت کرو جب تک وہ تم سے اس میں جنگ نہ

۱۔ (موطا امام مالک ص ٤٦٦ "مطبوعہ مطبع مجتبائی" پاکستان، لاہور)

چھیڑیں یہی بدلہ ہے کافروں کا۔

شان نزول

یہ آیت واقعہ حدیبیہ کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب صلح کی شرط کے مطابق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) اجمعین کے ساتھ اس عمرہ کی قضا کے لیے سفر کا ارادہ کیا جس سے اس سے پہلے کفار مکہ نے روک دیا تھا، صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) اجمعین کو اس سفر کے وقت یہ خیال ہوا کہ کفار کی صلح اور معاہدہ کا کچھ بھروسہ نہیں اگر وہ اس سال بھی جنت کے لیے آمادہ ہو گئے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت کے منسوخ ہونے یا منسوخ نہ ہونے میں دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ پہلے مشرکین سے حرم میں ابتداء جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

امام ابن جریر طبری ؒ روایت کرتے ہیں:

قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ حکم دیا کہ جب تک مشرکین مسجد حرام کے پاس جنگ نہ کریں ان سے جنگ نہ کرو پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو اس آیت سے منسوخ کر دیا:

(آیت) "فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم"۔ (التوبہ:۵)

ترجمہ: پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ انھیں قتل کر دو۔

مجاہدؒ اور طاؤسؒ نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور مکہ مکرمہ میں ابتداء کسی سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے'

ہاں! اگر کافر اور مشرک مسلمانوں پر حرم میں حملہ کریں تو ان کے خلاف مدافعانہ جنگ کرنا جائز ہے۔ [1] اور یہی صحیح قول ہے' امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے۔ اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے' امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوشریحؓ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے' اس کو لوگوں نے حرم نہیں بنایا' سو جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مکہ میں خون بہائے اور نہ اس کے کسی درخت کو کاٹے' اگر کوئی شخص مکہ میں قتال کے جواز پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قتال سے استدلال کرے تو اس سے کہو: اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تمہیں اجازت نہیں دی' اور میرے لیے دن کی ایک ساعت میں اجازت دی گئی تھی' پھر آج اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح اس کی کل حرمت تھی اور جو شخص (یہاں) حاضر ہے وہ غائب کو (یہ حدیث) پہنچا دے۔ [2]

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ٦ ہجری میں اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ مکرمہ عمرہ کرنے کے لیے گئے' جب آپ حدیبیہ کے قریب پہنچے تو مشرکین نے آپ کو مکہ مکرمہ جانے سے منع کر دیا' آپ ایک ماہ تک حدیبیہ میں ٹھہرے اور مشرکین سے اس بات پر صلح ہوئی کہ آپ اگلے سال عمرہ کرنے کیلیے آئیں اور اگلے سال تین دن آپ مکہ مکرمہ میں ٹھہر سکیں گے' اور اس بات پر صلح ہوئی کہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان دس سال تک جنگ نہیں ہوگی' پھر آپ مدینہ لوٹ گئے اور جب آپ اگلے سال ٧ ہجری میں

١۔ (امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ جامع البیان ج ٢ ص ١١٢' مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' ١٤٠٩ھ)

٢۔ (صحیح بخاری ج ١ ص ٢١' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٨١ھ)

اس عمرہ کو ادا کرنے کے لیے آئے تو مسلمانوں کو کفار کی عہد شکنی کا خطرہ ہوا، اور حرمت والے مہینہ میں حرم میں جنگ کرنے کو برا جانتے تھے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر کفار تم سے حرم میں جنگ کریں تو تمہارے لیے بھی حرم میں جنگ کرنا جائز ہے۔ [1]

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ: "فتنہ" کا اصل معنی آزمائش میں ڈالنا ہے۔ مفسرین سلف نے اس کا معنی شرک کیا ہے اور (وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ) کی تفسیر دو طرح سے کی ہے، ایک تو یہ کہ بیشک مشرکین کو قتل کرنے کا حکم بڑی سخت بات ہے مگر وہ جس طرح شرک پر اڑے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کر کے دوبارہ مشرک بنانے کے لیے ظلم وستم کا نشانہ بنا رہے ہیں، ان کا یہ شرک کرنا اور مسلمانوں کو اس پر مجبور کرنا اس سے بھی سخت جرم ہے، لہٰذا اس جرم کی پاداش میں کسی اندیشے اور سوچ بچار کے بغیر بے دریغ انھیں قتل کرو، یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب ہوجائے اور کسی کو مسلمان ہونے والے شخص پر ظلم وستم کر کے اسے دین سے برگشتہ کرنے کی جرات باقی نہ رہے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ کسی مومن کو اسلام قبول کرنے پر آزمائش میں ڈالنا یہاں تک کہ وہ اسلام سے برگشتہ ہوکر دوبارہ مشرک بن جائے۔ اس مومن کا اسلام پر قائم رہتے ہوئے قتل ہوجانے سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ اس کا کفر و شرک میں لوٹ جانا ہے۔ چونکہ قتل تو ایک ہی دفعہ ہوتا ہے، جبکہ کفار کی طرف سے سزا، عذاب اور آزمائش کا سلسلہ تو جاری وساری رہتا ہے۔

مجاہدؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ مومن کا بت پرستی کی طرف لوٹ جانا اس پر قتل ہونے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بیشک ان کفار کو قتل کرنا بڑی سخت بات ہے، مگر جو معاملہ وہ مسلمانوں کے

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۳٤۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

ساتھ کر رہے ہیں وہ ان کے لیے قتل ہو جانے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔ تو مسلمانوں کو قتل ہو جانے سے بھی بڑی تکلیف اور آزمائش میں مبتلا کرنے کے مقابلے میں مسلمانوں کا انھیں قتل کرنا کم سخت ہے، کے الفاظ میں دونوں معنی موجود ہیں۔

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ : یعنی سرزمین مکہ حرم ہے، اس میں قتل وقتال منع ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فتح مکہ کے دن فرمایا: ”اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرمت والا قرار دے دیا تھا جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تو یہ اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کی وجہ سے قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس میں لڑائی کرنا حلال نہ تھا اور میرے لیے بھی دن کی صرف ایک گھڑی میں لڑنا حلال قرار دیا گیا۔ چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دیے جانے کی وجہ سے قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ اس کے کانٹوں کو نہ کاٹا جائے اور نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے اور نہ اس کی گری پڑی چیز کو اٹھایا جائے مگر جو اس کا اعلان کرے اور اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے۔“ [۱]

سیدنا ابو شریح ؓ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قتال کو بطور دلیل پیش کرے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو اجازت عطا فرما دی تھی مگر تمہیں اس کی اجازت نہیں دی۔ [۲]

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فتح مکہ والے دن فرمایا: ”جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے، جو ہتھیار پھینک دے وہ بھی امن میں

۱۔ [مسلم، کتاب الحج، باب تحریم مکۃ وتحریم صیدھا۔۔ الخ: ۱۳۵۳۔ بخاری، کتاب جزاء الصید، باب لا یعضد شجر الحرم: ۱۸۳۲]

۲۔ [بخاری، کتاب جزاء الصید، باب لا یعضد شجر الحرم: ۱۸۳۲۔ مسلم، کتاب الحج، باب تحریم مکۃ وتحریم صیدہا۔۔ الخ: ۱۳۵۴]

ہے، جس نے اپنا دروازہ بند کرلیا وہ بھی امن میں ہے اور جو مسجد الحرام میں داخل ہو جائے وہ بھی امن میں ہے۔"[۱]

فَاِنۡ قٰتَلُوۡكُمۡ فَاقۡتُلُوۡهُمۡ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ : حدود حرم میں قتال منع ہے لیکن اگر کفار اس کی حرمت کو ملحوظ نہ رکھیں اور تم سے لڑیں تو تمہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے۔ سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سر پر خود تھا، جب آپ خود اتار رہے تھے تو ایک شخص آیا، اس نے کہا (اے اللہ کے رسول!) ابن خطل کعبے کے پردے سے لٹکا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: "اس کو وہیں قتل کردو (یہ ان چند لوگوں میں سے تھا جن کے لیے معافی نہیں تھی)۔"[۲]

﴿ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۹۲﴾ ﴾

پھر اگر وہ باز آجائیں تو جان لو کہ اللہ رحم کرنے والا ہے اور معاف کرنے والا ہے۔

فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ، یعنی تم جس خدا پر ایمان رکھتے ہو اس کی صفت یہ ہے کہ بدتر سے بدتر مجرم اور گناہ گار کو بھی معاف کر دیتا ہے جب کہ وہ اپنی باغیانہ روش سے باز آجائے یہی صفت تم اپنے اندر بھی پیدا کرو، تمہاری لڑائی انتقام کی پیاس بجھانے کے لیے نہ ہو بلکہ خدا کے دین کا راستہ صاف کرنے کے لیے ہو تمہاری لڑائی کسی گروہ یا جماعت سے اسی وقت تک ہونی چاہیے جب تک وہ راہ خدا میں مزاحم ہو اور جب وہ اپنا رویہ چھوڑ دے تو تمہارا ہاتھ بھی اس پر نہ اٹھنا چاہیے۔

۱۔[مسلم، کتاب الجهاد، باب فتح مكة:۰: ۱۷۸۔السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۱۱۹/۹، ح: ۱۸۲۷۸]

۲۔[بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب قتل الأسير وقتل الصبر: ۳۰۴۴]

سابقہ آیت وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ میں جو مظلوم مسلمانوں کو قتال کی اجازت دی جا رہی ہے وہ اچانک اور بلا سبب نہیں بلکہ دو چار مہینہ نہیں پورے تیرہ سال مکہ میں ہر طرح کے شدائد بلکہ شقاوت، سفا کی، بہیمیت پر بر کے امتحان میں پورے اترنے کے بعد دفاع کی اجازت مل رہی ہے، ابھی وطن سے بے وطن ہو کر مدینہ میں چین سے بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے، کہ جنگ بدر پیش آئی اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور مدینہ آنے کے بعد بھی مسلمانوں نے جو کچھ کیا صرف اپنے دفاع میں کیا، دنیا خواہ کچھ بھی کہے مگر حقیقت یہی ہے، خدا تربت ٹھنڈی کرے نومسلم لارڈ ہیڈلے کی کہ جس نے بات پتے کی کہی ہے، کہ تین ابتدائی اسلامی غزوات کے جغرافیائی محل وقوع کو دیکھ کر خود فیصلہ کرو کہ لڑائی کی ابتدء کس نے کی؟ اور حملہ آور کون تھا؟ اور حفاظت خود اختیاری میں کون لڑ رہا تھا مکہ کے جنگ جو، اہل فساد، یا مدینہ کے صابر و شاکر مومنین؟

(۱) غزوہ بدر، بدر مدینہ سے ۳۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ (۲) غزوہ احد، احد مدینہ سے کل ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ (۳) جنگ احزاب، اس میں تو محاصرہ خود مدینہ ہی کا ہوا۔ غرضیکہ مذکورہ غزوات میں ہر مرتبہ قریش مکہ یا ان کے حلیف مدینہ پر چڑھ کر آئے۔ [۱]

۱۔ تفسیر جلالین

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ١٩٣ ﴾

اوران سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہوکر رہ جائے اوراگر یہ باز آجائیں تو پھراقدام ان کے خلاف جائز ہے جو ظالم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے دین کا مطلب ہے

اللہ کی اطاعت، یعنی انسان دین اور دنیا کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کریں، اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق عبادت کریں، اس کے آگے سر جھکائیں اور اسی سے اپنی حاجات طلب کریں اور اپنی انفرادی، عائلی، اجتماعی، نجی، تمدنی اور کاروباری زندگی کے تمام معاملات میں اسی کے دیئے ہوئے نظام پر عمل کریں، اس کے برعکس اسلام کے علاوہ تمام ادیان اور مذاہب میں لوگ خودساختہ طریقوں سے عبادت کرتے ہیں اور انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے: انسانوں کو انسانوں کی بندگی کرنے سے آزاد کراؤ اور سب انسانوں کو اللہ کی اطاعت میں داخل کردو اور جو شخص بھی اس مہم میں مزاحمت کرے اس کے خلاف قتال اور جہاد کرو حتی کہ ساری دنیا کے انسان اللہ کے مطیع ہوجائیں۔ اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ ہر اس مشرک اور کافر کے خلاف جہاد کیا جائے جو دعوت اسلام کو مسترد کردے اور اسلام نظام برپا کرنے کی مہم میں مزاحم ہو، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مجھے اس وقت تک لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ یہ شہادت نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں' اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں جب وہ ایسا کریں گے تو حق اسلام کے ماسوا وہ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (۱)

وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ: سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آیا اور اس نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت کیا کہ کوئی حمیت کے لیے لڑتا ہے، کوئی شجاعت کے لیے اور کوئی ریاکاری کے لیے لڑائی کرتا ہے تو ان میں سے اللہ کے راستے میں کون ہے؟ فرمایا: "جو اس لیے لڑے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ سربلند ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتا ہے۔" (۲)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں حتیٰ کہ وہ "لا الٰہ الا اللہ" اور "محمد رسول اللہ" کا اقرار کر لیں، نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں، جب وہ یہ کام کر لیں گے تو مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچا لیں گے الا یہ کہ (اس کلمہ یا) اسلام کی وجہ سے کوئی حق ہو (اور اسے پامال کر دیا جائے) اور ان کا حساب اللہ کے سپرد

۱۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۲۔ [بخاری، کتاب التوحید، باب قولہ تعالیٰ: (ولقد سبقت کلمتنا۔۔الخ): ۷۴۵۸۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا فہو فی سبیل اللہ: ۱۹۰۴]

ہے۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ابن زبیرؓ کے زمانہ ابتلا میں دو آدمی میرے پاس آئے، انھوں نے کہا کہ لوگ کٹ مر رہے ہیں اور آپ عمرؓ کے بیٹے اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابی ہیں، آپ (ابن زبیرؓ کے خلاف) خروج کیوں نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا، مجھے خروج سے یہ بات روکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اپنے بھائی کے خون کو حرام قرار دیا ہے۔ ان دونوں نے کہا، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: (وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ) "ان (کفار) سے لڑو حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے۔" تو آپ نے فرمایا، ہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ مل کر جہاد کیا حتیٰ کہ فتنہ نابود ہوگیا اور دین اللہ کے لیے ہوگیا اور تم اس لیے لڑنا چاہتے ہو کہ فتنہ برپا ہوجائے اور دین اللہ کے لیے نہ رہے۔ عثمان بن صالحؒ نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ ایک شخص نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آکر کہا، اے ابوعبدالرحمن! آپ کو اس بات پر کس نے آمادہ کیا ہے کہ ایک سال حج اور ایک سال عمرہ تو کریں لیکن جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کردیں، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کس قدر ترغیب دی ہے؟ فرمایا، بھتیجے! اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے: 1 اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ 2 نماز پنجگانہ ادا کرنا۔ 3 رمضان کے روزے رکھنا۔ 4 زکوۃ ادا کرنا۔ 5 اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ انھوں نے عرض کی، اے ابوعبدالرحمن! کیا آپ نے وہ نہیں سنا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے:

(وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى

1۔[بخاری، کتاب الإیمان، باب (فإن تابوا وأقاموا الصلوٰۃ۔۔الخ):۲۵۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا۔۔الخ:۲۱ عن أبی ہریرہ (رض)]

الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ)۔ [1]

”اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔“ اور فرمایا: (وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ) ”ان (کفار) سے لڑو حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے۔“ آپ نے جواب دیا کہ ہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد میں اسی طرح کیا تھا، اس وقت مسلمان کم تھے، آدمی کو دین کے اعتبار سے فتنے میں مبتلا کر دیا جاتا، حتیٰ کہ اسے شہید کر دیا جاتا، یا طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کر دیا جاتا، یہاں تک کہ مسلمان زیادہ ہو گئے اور فتنہ وفساد باقی نہ رہا۔ اس نے پوچھا کہ علی اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا، عثمان ؓ کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے مگر تم اس بات کو ناپسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے اور جہاں تک سیدنا علی ؓ کا تعلق ہے تو وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے برادر عم زاد بھی ہیں اور آپ کے داماد بھی، اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، یہ ان کا گھر ہے جسے تم دیکھ رہے ہو۔ [2]

سیدنا تمیم داری ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا: ”بلاشبہ یہ دین وہاں تک ضرور بالضرور پہنچ کر رہے گا، جہاں تک دن اور رات کی رسائی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی مٹی اور گارے کے مکان کو نہ چھوڑے گا کہ اس میں دین کو داخل نہ کر دے، خواہ کوئی عزت کے ساتھ قبول کرے یا ذلت کے ساتھ۔ اسلام اور اہل اسلام کو اللہ تعالیٰ عزت دے کر رہے گا اور کفر کو

۱۔ [الحجرات: ۹]

۲۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ۔۔۔الخ): ۴۵۱۳ تا ۴۵۱۵]

ذلیل وخوار کر کے رہے گا۔"[۱]

سیدنا جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور مسلمانوں میں سے ایک نہ ایک جماعت اس دین کی حفاظت کے لیے لڑتی رہے گی، یہاں تک کہ قیامت قائم ہوجائے۔"[۲]

﴿ اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝١٩٤ ﴾

عزت والا مہینہ عزت والے مہینے کے بدلے ہے اور ساری عزت والی چیزیں بدلے کی چیزیں ہیں پس جو شخص زیادتی کرے تم پر پس تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی کہ اس نے زیادتی کی ہے تم پر اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

شانِ نزول

ابن جریرؒ نے قتادہؒ کی روایت سے بیان کیا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ

۱۔[مسند أحمد:۳/۱۰۳ح:۱٦۹۵۹۔مجمع الزوائد:٦/۱۷]

۲۔[مسلم، کتاب الإمارۃ، باب قولہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لاتزال طائفۃ من أمتی۔۔الخ:۱۹۲۲]

علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب ہدی کے جانور لیکر ذیعقدہ ٦ ھ میں عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے جب حدیبیہ میں پہنچے تو مشرکین نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو روک لیا، آخر کار اہل مکہ سے اس پر صلح ہوگئی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سال واپس تشریف لیجائیں اور آئندہ سال تشریف لائیں، چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واپس تشریف لیگئے اور اگلے سال ذیعقد ٧ ھ میں تشریف لائے اور عمرہ ادا فرمایا اور مکہ معظّمہ میں تین شب قیام فرمایا مشرکین آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے روکنے پر فخر کرتے تھے۔

حرمت والے مہینوں کا بیان

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: زمانہ گھوم کر پھر اپنی اس حالت پر آگیا ہے جس حالت پر اللہ نے اس کو زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنے کے وقت بنایا تھا' سال کے بارہ مہینے ہیں' تین مہینے پے درپے حرمت والے ہیں' ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور رجب' رجب کا مہینہ جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔ (١)

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے زمانہ سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ لوگ دور دراز سے حج کے لیے ذوالقعدہ' ذوالحجہ اور محرم میں آنے جانے کا سفر کرتے تھے اور رجب کے مہینہ میں عمرہ کے لیے سفر کرتے تھے' اس لیے ان مہینوں کو حرمت والے مہینے کہا جاتا تھا اور ان مہینوں کے احترام کی وجہ سے عرب میں ان مہینوں میں باہمی لڑائیوں کو موقوف کردیتے تھے' بعض دفعہ جب ان کے نزدیک لڑائی ناگزیر ہوتی تو

١۔ (صحیح بخاری ج١ ص٤٥٤' ج٢ ص٦٣٢ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٨١ھ)

ہو محرم کو ایک مہینہ موخر کر دیتے اور صفر کے مہینہ کو محرم قرار دیتے اور محرم میں لڑائی کر لیتے اور وہ یونہی محرم کو موخر کرتے رہے حتیٰ کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حجۃ الوداع کیا تو محرم گھوم کر اپنی اصلی حالت اور اصلی مہینہ میں آ چکا تھا' اسلام نے مہینوں کو موخر کرنا حرام کر دیا' قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "انما النسیء زیادۃ فی الکفر"۔ (التوبہ:۳۷)

ترجمہ: مہینوں کو موخر کرنا صرف کفر میں زیادتی ہے۔

پہلے ان مہینوں میں جہاد کرنا ممنوع تھا لیکن حسب ذیل آیت کے نازل ہونے کے بعد یہ حرمت منسوخ ہو گئی:

(آیت) "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم"۔ (التوبہ:۵)

ترجمہ: تم مشرکین کو جہاں پاؤ انھیں قتل کر دو"۔

(آیت) "وقاتلوا المشرکین کافۃ"۔ (التوبۃ:۳۶)

ترجمہ: اور تم مشرکین سے جنگ کرو"۔

بعض علماء کے نزدیک ان مہینوں میں ابتداء قتال کرنا منسوخ نہیں ہوا اور بدستور حرام ہے' البتہ مدافعانہ جنگ کرنا جائز ہے' لیکن صحیح رائے جمہور کی ہے۔

ان آیات کا شان نزول بھی وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے تھے کہ ۷ ہجری میں جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عمرہ کرنے کے لیے پہنچے تو مسلمانوں کو خدشہ ہوا کہ کہیں کفار عہد شکنی نہ کریں اور وہ حرم میں اور حرمت والے مہینہ میں جنگ کرنے کو بہت برا جانتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس مہینہ اور اس جگہ کی حرمت سب کے لیے یکساں ہے' اگر وہ اس مہینہ اور اس جگہ میں جنگ چھیڑتے ہیں تو بھی مدافعانہ

جنگ کرو اور انھوں نے تم کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے ان سے اتنا ہی بدلہ لو' ان کا زیادتی کرنا ظلم اور مسلمانوں کا بدلہ لینا عدل ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں کے فعل کو "اعتداء" زیادتی فرمایا کیونکہ صورۃ دونوں فعل ایک جیسے ہیں۔

سیدنا ابوبکرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، تین متواتر ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔"[1]

سیدنا جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حرمت والے مہینے میں جہاد نہیں کیا کرتے تھے، الا یہ کہ دشمن پہل کرتا تو پھر اس سے لڑتے تھے۔ جب حرمت والا مہینا ہوتا تو آپ جنگ سے رک جاتے تھے، حتیٰ کہ وہ مہینا گزر جاتا۔[2]

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ :اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عدل وانصاف کا حکم دیا ہے، حتیٰ کہ مشرکین کے ساتھ بھی، اسی لیے دوبارہ مزید تاکید کے طور پر حرمتوں کو پامال کرنے اور کسی قسم کی زیادتی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا: (وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ)[النحل:١٢٦] "اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف دی گئی ہے۔"

سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ایک دوسرے کو گالی دینے والے دو شخص جو کچھ کہیں (اس کا گناہ) پہل کرنے والے پر ہے، جب تک مظلوم زیادتی نہ

۱۔[بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی سبع أرضین:٣١٩٧]

۲۔[مسند أحمد:٣/ ٣٤٥، ح:١٤٧٢٥]

کرے۔"①

﴿ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٩٥﴾ ﴾

اوراللہ کے راستے میں مال خرچ کرو، اوراپنے آپ کوخود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالواورنیکی اختیارکرو، بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

شان نزول

امام بخاریؒ نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ نفقہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور امام ابوداؤد اور ترمذی (رحمہ اللہ عنہم) نے اور امام حاکم اور ابن حبان (رحمہ اللہ عنہم) نے ابوایوبؓ سے روایت نقل کی ہے انھوں نے فرمایا اے گروہ انصار یہ آیت کریمہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کوعزت عطا فرمادی اوراس کے مددگار زیادہ ہوگئے تو ہم میں سے بعض نے بعض سے خفیہ طور پر یہ کہا کہ ہمارے مال یوں ہی ضائع ہورہے ہیں اوراب اللہ تعالیٰ نے اسلام کوعزت دے دی ہے لہٰذا اگر اب ہم اپنے مال کا خیال کریں اور ضائع ہونے سے ان کی حفاظت کریں تو بہتر ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہماری باتوں کی تردید میں یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال بھی خرچ کرواوراپنے آپ کوتباہی میں نہ ڈالوتو مال کی ہلاکت کی نگرانی اوراس

۱۔[مسلم، کتاب البروالصلۃ، باب النہی عن السباب:۲۵۸۷]

کی حفاظت جہاد کو چھوڑنا ہے۔طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ ابوجبیرہ بن ضحاک ؓ سے روایت کیا ہے کہ انصار صدقہ وخیرات کرتے تھے اور جتنی اللہ تعالیٰ توفیق دیتے غرباء کو مال بھی دیتے تھے ایک مرتبہ ان پر کچھ تنگی آگئی تو وہ اس کام سے رک گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاردی کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، نیز امام طبرانی ؒ ہی نے صحیح سند کے ساتھ نعمان بن بشیر ؓ سے روایت کیا ہے کہ انسان سے گناہ سرزد ہو جاتا تو وہ اپنے دل میں خیال کرتا ہے کہ خدا اسے معاف نہیں فرمائے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ اتاری کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اس حدیث کے لیے ایک اور گواہ بھی موجود ہے جس کو امام حاکم ؒ نے حضرت براء سے روایت کیا ہے۔ [۱]

خود کو ہلاکت میں ڈالنے کی تفسیر

اس آیت کی متعدد تفسیریں کی گئی ہیں، امام ابن جریر طبری ؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: کسی آدمی کا اللہ کا راہ میں قتل ہو جانا ہلاکت نہیں ہے، اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا ہلاکت ہے۔

حضرت براء بن عازب ؓ نے فرمایا: کسی شخص کا گناہ کرنا اور پھر اس کی مغفرت سے مایوس ہو کر توبہ نہ کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری ؓ نے فرمایا: مسلمانوں کا اپنے اہل وعیال اور مال اور متاع کی دیکھ بھال میں مشغول رہنا اور اس شغل میں افراط کی وجہ سے جہاد کو ترک کر دینا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ [۲]

۱۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

۲۔(جامع البیان ج۲ ص ۱۱۹۔۱۱۷، مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسیؒ نے چند مزید اقوال بیان کیے ہیں:

ابوالقاسم بلخیؒ نے بیان کیا کہ بلاوجہ کسی سے بغض اور عداوت رکھنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے‘ بعض علماء نے کہا: تبلیغ اسلام کو ترک کر دینا ہلاکت ہے۔

عکرمہؒ نے کہا: حرام مال سے صدقہ کرنا ہلاکت ہے‘ ابوعلیؒ نے کہا: تمام مال کو صدقہ کرنا ہلاکت ہے‘ بعض علماء نے کہا: ریاکاری یا احسان جتلا کر اپنی نیکیوں کو ضائع کر دینا ہلاکت ہے۔ (۱)

سیدنا خریم بن فاتکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جو شخص اللہ کی راہ (جہاد فی سبیل اللہ) میں کوئی نفقہ دے (یعنی کوئی چیز دے) تو اس کا اجر سات سو گنا لکھا جائے گا۔۔۔“ (۲)

سیدنا حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آیت: (وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ) ”اور اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت کی طرف مت ڈالو“ یہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (۳)

ابوعمران اسلمؒ بیان کرتے ہیں کہ قسطنطنیہ میں مہاجرین میں سے ایک آدمی نے دشمن کی صف پر اس طرح حملہ کیا کہ صف کو چیر ڈالا۔ (اس وقت سیدنا ابوایوب انصاریؓ بھی ہمارے ساتھ تھے) یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ ”لا الٰہ الا اللہ“ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ہے۔ یہ سن کر ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ (اس آیت کے بارے میں ہم زیادہ بہتر جانتے ہیں کیونکہ) یہ ہمارے ہی بارے میں

۱۔(البحر المحیط ج۲ ص ۲۰۲۔۲۰۱‘ مطبوعہ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۳ھ)

۲۔[ترمذی، کتاب فضائل الجهاد، باب ماجاء فی فضل النفقة فی سبیل الله: ۱۶۲۵۔ نسائی، کتاب الجهاد، باب فضل النفقة فی سبیل الله: ۳۱۸۸]

۳۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: (وانفقوا فی سبیل الله ولا تلقوا ۔۔۔ الخ): ۴۵۱۶]

نازل ہوئی تھی، جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد کی اور اسلام کو غلبہ دے دیا تو ہم گروہ انصار جمع ہو کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ (اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صحبت و محبت کی وجہ سے عزت عطا فرمائی ہے حتیٰ کہ اسلام پھیل گیا اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے) اگر ہم اپنے کاروبار میں لگ جائیں اور جو ضائع ہو گیا ہے اس کی اصلاح کر لیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ) تو (اے لوگو!) ہلاکت سے مراد اموال میں ٹھہرنا، ان کی اصلاح کرنا اور جہاد چھوڑ دینا ہے (یعنی ہلاکت کا سبب ترک جہاد اور مال و دولت کی حرص ہے)۔ [1]

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ جب کسی اکیلے فدائی مسلم کے حملے سے دشمن کو نقصان پہنچنے کی امید ہو یا اہل اسلام کی شجاعت سے ان کے حوصلے پست کرنا مقصود ہو یا شہادت پیش کیے بغیر دشمن کو نقصان پہنچانا ممکن نہ ہو تو فدائی حملے بالکل درست ہیں۔ یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں بلکہ جہاد چھوڑ کر کاروبار میں مصروف ہو جانا اصل ہلاکت ہے۔ تاریخ اسلام میں بدر میں ابوجہل کے قاتل معوذ و معاذ (رضی اللہ عنہم)، خیبر میں ابورافع کے قاتل عبداللہ بن عتیک ؓ، مدینہ میں کعب بن اشرف کے قاتل محمد بن مسلمہ ؓ، خالد بن سفیان کے قاتل عبداللہ بن انیس ؓ کی کارروائیاں، حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی موت پر بیعت، جنگ جسر میں ابوعبید الثقفی ؓ کی ہاتھی پر حملہ کرتے ہوئے شہادت، جنگ یمامہ میں براء بن مالک ؓ کا ساتھیوں سے کہنا کہ مجھے ڈھال پر بٹھا کر ڈھال کو نیزوں کے ساتھ بلند کر کے باغ کے اندر پھینک دو اور وہاں جا کر اسّی زخم کھا کر بھی دروازہ کھول

1۔ [أبوداؤد، کتاب الجهاد، باب فی قوله عز وجل (ولا تلقوا بأیدیکم إلی التهلکة): ۲۵۱۲۔ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة: ۲۹۷۲]

کر مسلمانوں کو فتح سے ہم کنار کرنا، سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے تیار کردہ فدائی جنھوں نے صلیبیوں کی کمر توڑ دی، الغرض بیشمار واقعات اس کے شاہد ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کی ہلاکت اور ذلت کا باعث یہی ہے کہ انھوں نے جہاد کی تیاری میں خرچ کرنے اور کفار سے لڑنے کی بجائے عیش وعشرت اور جان بچانے کو ترجیح دی تو کفار کے ہاتھوں ان کی جانیں محفوظ رہیں نہ مال نہ عزتیں اور ذلت وپستی ان کا مقدر ٹھہری، جیسا کہ سیدنا ابوامامہ باہلیؓ نے زراعت کا ایک آلہ دیکھ کر کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تھا: "جس قوم کے گھر (تک) میں یہ داخل ہوجائے تو پھر اس گھر میں ذلت داخل ہوجائے گی۔" (۱)

وَاَحۡسِنُوۡا ۚۛ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ : سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حدیث جبرائیل میں ہے کہ جبرائیل (علیہ السلام) نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا: "احسان کیا ہے؟" آپ نے فرمایا: "تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تجھ سے یہ نہ ہو کہ تو اسے دیکھ رہا ہے تو (تو کم از کم یہ سمجھے کہ) اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔" (۲)

۱۔[بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ، باب ما یحذر من عواقب الاشتغال بآلۃ الزرع۔۔۔الخ: ۲۳۲۱]

۲۔[بخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبرائیل النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعۃ: ۵۰]

﴿ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ
مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ
فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ
صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۗ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ
اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ
كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ ع ﴾

اور پورا کرو تم حج وعمرہ کو اللہ کیلئے پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہوا سے
اس کی بارگاہ اقدس میں پیش کر دو اور اپنے سر منڈاؤ تم لوگ یہاں تک کہ پہنچ جائے
وہ قربانی اپنی جگہ پھر اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو جائے یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو
جس کی بنا پر اسکو وقت سے پہلے ہی سر منڈوانا پڑھ جائے تو اس کے ذمے فدیہ و

بدلہ ہے روزوں یا صدقہ یا قربانی کی صورت میں تمہیں امن وسکون کی دولت نصیب ہوجائے تو جو کوئی فائدہ اٹھانا چاہے عمرے کو حج کے ساتھ ملا کر تو وہ ان دونوں عبادتوں کے جمع کرنے کے شکرانے کے طور پر جو قربانی اس سے ہو سکے ادا کرے مگر جس کو قربانی میسر نہ آئے تو وہ روزے رکھے تین حج کے دوران اور سات جب کہ تم لوٹ آؤ اپنے گھروں کو یہ پورے دس دن ہو گئے یہ رعایت واجازت صرف ایسے لوگوں کے لیے ہے جو مسجد حرام کے آس پاس اور اس کے قرب وجوار کے رہنے والے نہ ہوں اور اللہ سے ڈرتے رہو ہر حال میں اور یقین جانو کہ اللہ بڑا ہی سخت عذاب دینے والا ہے۔

شان نزول

امام بخاریؒ نے کعب بن عجرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کا فرمان (آیت) "ففدیۃ من صیام" (الخ) کے بارے میں دریافت کیا گیا انھوں نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں لایا گیا اور جوئیں میرے سر پر سے جھڑ رہی تھیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم مشکل میں پھنسے ہو۔کوئی بکری تمہارے پاس ہے میں نے کہا نہیں! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تو تین روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ ہر ایک مسکین کو آدھا صاع کھانے کا دو، اور اس کے بعد سر منڈا لو۔

اسی طرح واحدیؒ نے عطاؒ کے واسطہ سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ جب ہم نے حدیبیہ میں قیام کیا تو کعب بن عجرہؓ اپنی جوؤں کو اپنے چہرے پر سے جھاڑتے ہوئے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت آئے اور عرض کیا! یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان جوؤں نے تو مجھے کھالیا ہے تو اسی مقام پر یہ آیت کریمہ "فمن کان منکم"۔(الخ) اتری۔ [۱]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو۔ [۲]

اس کا معنی یہ ہے کہ حج اور عمرہ کے تمام شرائط، فرائض اور واجبات کو ادا کرو، کہ یہ کامل ہوں ناقص نہ رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اگر تم کو (حج یا عمرہ سے) روک دیا جائے تو جو قربانی تم کو آسانی سے حاصل ہو وہ بھیج دو اور جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اپنے سروں کو نہ منڈواؤ۔ [۳]

یعنی اپنے احرام پر برقرار رہو اور حلالی نہ ہو۔

احصار کی تعریف میں مذاہب ائمہ

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر دشمن سفر حج پر نہ جانے دے اور راستہ میں کسی جگہ روک لے تو یہ احصار ہے، اب محرم حرم میں قربانی بھیج دے اور جب قربانی ذبح ہو جائے گی تو وہ حلالی ہو جائے گا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک راستہ میں دشمن کے روکنے کے علاوہ راستہ میں بیمار ہو جانا اور سفر کے قابل نہ رہنا بھی احصار ہے

۱۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

۲۔(البقرہ:۱۹۶)

۳۔(البقرہ:۱۹۶)

اور لغت میں احصار اسی کو کہتے ہیں اور احادیث بھی اس کی موید ہیں' علماء مذاہب کی تصریحات حسب ذیل ہیں:

اگر دشمن حج یا عمرہ کے لیے جانے نہ دے تو یہ احصار (روک دینا) حضرت ابن عباس ؓ' حضرت ابن عمر ؓ اور حضرت انس بن مالک ؓ کا یہی قول ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ (۱)

علامہ ابن عربی مالکی ؒ لکھتے ہیں:

احصار دشمن کو منع کرنے اور روکنے کے ساتھ خاص ہے' حضرت ابن عباس ؓ' حضرت ابن عمر ؓ اور حضرت انس بن مالک ؓ کا یہی قول ہے اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے' لیکن اکثر علماء لغت کی رائے یہ ہے کہ "احصر" کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی شخص کو مرض عارض ہو اور وہ اس کو کسی جگہ جانے سے روک دے۔ (۲)

علامہ ابن جوزی حنبلی ؒ لکھتے ہیں:

احصار صرف دشمن کے روکنے سے ہوتا ہے مریض کو محصر نہیں کہتے حضرت ابن عمر ؓ' حضرت ابن عباس ؓ اور حضرت انس ؓ کا یہی قول ہے' امام مالک ؒ امام شافعی ؒ اور امام احمد ؒ کا یہی مذہب ہے' لیکن ابن قتیبہ ؒ نے یہ کہا ہے کہ جب مرض یا دشمن سفر کرنے سے روک دیں تو یہ احصار ہے۔ (۳)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی ؒ لکھتے ہیں:

کسائی' ابوعبیدہ اور اکثر اہل لغت نے یہ کہا ہے کہ مرض اور زاد راہ گم ہو جانے کی وجہ سے جو سفر جاری نہ

۱۔(النکت والعیون ج ۱ ص ۲۵۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

۲۔(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷۰' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

۳۔(زادالمسیر ج ۱ ص ۲۰۴' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

رہ سکے اس کو احصار کہتے ہیں' اور اگر دشمن سفر نہ کرنے دے تو اس کو حصر کہتے ہیں' حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے کہ اس میں دشمن اور مرض برابر ہیں۔ ایک دم (ھدی کے قربانی کا جانور) بھیج کر محرم حلالی ہو جائے گا جب کہ اس جانور کو حرم میں ذبح کر دیا جائے' امام ابوحنیفہؒ 'امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ 'امام زفر اور ثوریؒ کا یہی مذہب' علامہ جصاصؒ کہتے ہیں کہ جب لغت سے ثابت ہو گیا کہ احصار کا معنی مرض کا روکنا ہے تو اس آیت کا حقیقی معنی یہی ہے کہ جب کوئی مرض تم کو حج یا عمرہ سے روک دے اور دشمن کا روکنا اس میں حکماً داخل ہے۔ (۱)

امام ابوحنیفہؒ کے موقف پر ائمہ لغت کی تصریحات:

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ائمہ لغت میں سے ابن قتیبہ' ابو عبیدہ اور کسائی نے یہ کہا ہے کہ سفر میں مرض کا لاحق ہونا احصار ہے' اسی سلسلہ میں مشہور امام لغت فراء لکھتے ہیں:

جو شخص سفر میں خوف یا مرض کے لاحق ہونے کی وجہ سے حج یا عمرہ کو پورا نہ کر سکے اس کے لیے عرب احصار کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ (۲)

علامہ حماد جوہریؒ لکھتے ہیں:

ابن السکیت نے کہا: جب کسی شخص کو مرض سفر سے روک دے تو کہتے ہیں" حصرہ المرض" اخفش نے کہا: جب کسی شخص کو مرض روک دے تو کہتے ہیں: "احصرنی مرضی"۔ (۳)

امام ابوحنیفہؒ کے موقف پر احادیث سے استدلال:

۱۔(احکام القرآن ج۱ ص۲۶۸' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

۲۔(معانی القرآن ج۱ ص۱۱۷' مطبوعہ بیروت)

۳۔(الصحاح ج۲ ص۶۳۲' مطبوعہ دارالعلم بیروت' ۱۴۰۴ھ)

احادیث میں تصریح ہے کہ جب کوئی شخص مرض لاحق ہونے کی وجہ سے حج یا عمرہ کا سفر جاری نہ رکھ سکے تو اگلے سال اس کی قضاء کرے۔امام ابوداؤدؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت حجاج بن عمروؓ انصاری کہتے ہیں کہ جس شخص کی ہڈی ٹوٹ گئی یا ٹانگ ٹوٹ گئی تو وہ حلال ہوگیا اور اس پر اگلے سال حج ہے ایک اور سند سے روایت ہے: یا وہ بیمار ہوگیا۔ (۱)

امام بخاریؒ لکھتے ہیں:

عطاءؒ نے کہا: ہر وہ چیز جو حج کرنے سے روک دے وہ احصار ہے۔ (۲)

نیز امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: جس شخص کو کوئی عذر حج کرنے سے روک دے یا اس کے سوا اور کوئی چیز مانع ہو تو وہ حلال ہو جائے اور رجوع نہ کرے اور جس وقت وہ محصر ہو تو اگر اس کے پاس قربانی ہو اور وہ اس کو حرم میں بھیجنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہی ذبح کردے، اور اگر وہ اس کو حرم میں بھیجنے کی استطاعت رکھتا ہو تو جب تک وہ قربانی حرم میں ذبح نہیں ہوگی وہ حلال نہیں ہوگا۔ (۳)

اس حدیث میں عذر کے لفظ سے استدلال ہے جو عام ہے اور دشمن کے منع کرنے اور بیمار پڑنے دونوں کو شامل ہے۔

۱۔(سنن ابوداؤد ج۱ ص ۲۰۷، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور ۱۴۰۵ھ) اس حدیث کو امام ترمذی۔۱ (امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۱۰۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) امام ابن ماجہ۔۲ (امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۲۲۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) اور امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔۳ (امام ابوبکر احمد بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ المصنف ج۱۔۴ ص ۱۳۹۔۱۳۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ)

۲۔(صحیح بخاری ج۱ ص ۲۴۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

۳۔(صحیح بخاری ج۱ ص ۲۴۴۔۲۴۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

امام ابوحنیفہؒ کے موقف پر آثار صحابہ سے استدلال:

امام ابی شیبہؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ فرماتے ہیں: جس شخص نے حج کا احرام باندھا' پھر وہ بیمار ہوگیا یا کوئی اور رکاوٹ پیش آگئی تو وہ وہاں ٹھہرا رہے حتیٰ کہ ایام حج گزر جائیں' پھر عمرہ کر کے لوٹ آئے اور اگلے سال حج کرے۔ (۱)

عبدالرحمن بن یزیدؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم عمرہ کرنے گئے جب ہم ذات السقوف میں پہنچے تو ہمارے ایک ساتھی کو (سانپ یا) بچھو نے ڈس لیا' ہم راستہ میں بیٹھ گئے تاکہ اس کا شرعی حکم معلوم کریں' ناگاہ ایک قافلہ میں حضرت ابن مسعودؓ آپہنچے ہم نے بتایا کہ ہمارا ساتھی ڈسا گیا ہے' حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: اس کی طرف سے ایک قربانی حرم میں بھیجو اور ایک دن مقرر کرلو' جب وہ ھدی حرم میں ذبح کردی جائے تو یہ حلال ہوجائے گا۔ (۲)

امام ابوحنیفہؒ کے موقف پر اقوال تابعین سے استدلال:

امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہدؒ بیان کرتے ہیں: جس شخص کو حج یا عمرہ کے سفر میں کوئی رکاوٹ درپیش ہو خواہ مرض ہو یا دشمن وہ احصار ہے۔ (۳)

۱۔ (المصنف ج ۱۔ ٤ ص ۱٤۱' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱٤۰٦ھ)

۲۔ (المصنف ج ۱۔ ٤ ص ۱٤۱' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱٤۰٦ھ)

۳۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۲٤' مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت' ۱٤۰۹ھ)

عطاءؒ نے کہا: ہر وہ چیز جو سفر سے روک دے وہ احصار ہے۔[۱]

قتادہؒ نے کہا: جب کوئی شخص مرض یا دشمن کی وجہ سے سفر جاری نہ رکھ سکے تو وہ حرم میں ایک قربانی بھیج دے اور جب وہ قربانی ذبح ہو جائے گی تو وہ حلال ہو جائے گا۔[۲]

ابراہیم نخعیؒ نے کہا: مرض ہو یا ہڈی ٹوٹ جائے یا دشمن نہ جانے دے' یہ سب احصار ہیں۔[۳]

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے دو بیٹے سالمؒ اور عبیداللہؒ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں حجاج نے حضرت ابن الزبیرؓ پر مکہ میں حملہ کیا ہوا تھا' ان دنوں میں حضرت ابن عمرؓ نے حج کا ارادہ کیا' ان کے بیٹوں نے منع کیا کہ اس سال آپ حج نہ کریں' ہمیں خدشہ ہے کہ آپ کو بیت اللہ جانے سے روک دیا جائے گا' حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھے آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان کفار حائل ہو گئے تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی قربانی کی اونٹنی کو نحر کیا اور اپنا سر مونڈ لیا اور میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر عمرہ لازم کر لیا ہے' میں انشاء اللہ روانہ ہوں گا' اگر کوئی رکاوٹ نہ ہوئی تو میں عمرہ کروں گا اور اگر کوئی رکاوٹ پیش آئی تو میں طرح کروں گا جس طرح نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کیا تھا پھر انھوں نے عمرہ کا احرام باندھا' پھر کچھ دور چل کر کہا: احصار میں عمرہ اور حج دونوں برابر ہیں' میں عمرہ کے ساتھ حج کی نیت کرتا ہوں' پھر یوم نحر کو قربانی کر کے وہ حلال

۱۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۲٤' مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت' ۱٤۰۹ھ)

۲۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۲٤' مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت' ۱٤۰۹ھ)

۳۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۲٤' مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت' ۱٤۰۹ھ)

ہو گئے۔[۱]

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ : یعنی اگر حج یا عمرہ کی راہ میں کوئی مانع پیش آجائے، جیسے کوئی دشمن راستہ روک دے، یا کوئی مرض لاحق ہو جائے، یا وہ راستہ بھٹک جائے تو محرم کو جو جانور میسر ہوگا (اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ یا ایک بکری) اسے ذبح کرے گا اور بال منڈوا کر حلال ہو جائے گا۔ سیدنا مسور بن مخرمہؓ اور سیدنا مروانؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حدیبیہ کے موقع پر (عمرہ کرنے کے لیے) نکلے، راستہ میں بدیل سے ملاقات ہوئی، اس نے کہا، قریش آپ سے لڑیں گے اور آپ کو بیت اللہ جانے سے روکیں گے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کہا: "ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے، ہم تو عمرہ ادا کرنے آئے ہیں۔" (سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ کفار نے آپ کو کعبہ نہیں جانے دیا) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے اصحاب سے فرمایا: "اٹھو اور قربانی کرو، پھر سر منڈوا دو۔" پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی قربانی کو نحر کیا، پھر آپ نے حجام کو بلایا، اس نے آپ کے سر کو مونڈا۔[۲]

سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلبؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے پوچھا: "شاید تو حج کا ارادہ رکھتی ہے؟" انھوں نے عرض کی، اللہ کی قسم! میں حج کا ارادہ رکھتی ہوں، لیکن میں بیمار ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: "تم حج کرو اور یہ شرط لگا لو کہ (اے اللہ!) میں وہاں احرام کھول دوں گی جہاں تو مجھے روک لے گا۔"[۳]

۱۔(صحیح بخاری ج۱ص۲۴۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

۲۔[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد۔۔الخ: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲]

۳۔[بخاری، کتاب النکاح، باب الأکفاء فی الدین: ۵۰۸۹۔ مسلم، کتاب الحج، باب جواز اشتراط المحرم۔۔الخ: ۱۲۰۷]

معلوم ہوا کہ احرام کے وقت اگر یہ شرط کر لے تو رکاوٹ کی صورت میں اسی جگہ احرام کھول دے اور اس پر کوئی قربانی وغیرہ لازم نہیں۔

فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡيِ: سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک بار بکری کی قربانی دی تھی۔ [1]

وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ: اگر حج کرنے والا ”ھدی“ کا جانور اپنے ساتھ لے جا رہا ہے تو حالت امن میں ”ھدی“ کی جگہ حرم ہے۔ جب تک ھدی کا جانور حرم میں نہ پہنچ جائے اور حج کرنے والا حج وعمرہ کے اعمال سے فارغ نہ ہو جائے اس کے لیے سر کے بال منڈوانا جائز نہیں۔ افضل یہ ہے کہ دس تاریخ کو کنکریاں مارنے کے بعد پہلے قربانی کرے، پھر بال منڈوائے، سیدہ حفصہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! لوگوں کا کیا معاملہ ہے کہ انھوں نے تو عمرہ کر کے احرام کھول دیا مگر آپ نے نہیں کھولا؟ تو آپ نے فرمایا: ”میں نے اپنے سر کے بالوں کو چپکا لیا اور اپنے قربانی کے جانور کو قلادہ پہنا دیا ہے، لہٰذا میں اس وقت تک احرام کھول کر حلال نہیں ہو سکتا جب تک قربانی کے جانور کو ذبح نہ کر دوں۔“ [2]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منیٰ تشریف لائے، پھر آپ نے جمرہ پر جا کر اسے کنکریاں ماریں، پھر منیٰ میں اپنی منزل پر آئے اور قربانی کی، پھر حجام کو بلا کر اس سے سر

۱۔[بخاری، کتاب الحج، باب تقلید الغنم: ۱۷۰۱۔ مسلم، کتاب الحج، باب استحباب بعث الھدی إلی الحرم ۔۔ الخ: ۱۳۲۱/۳۶۷]

۲۔[بخاری، کتاب الحج، باب التمتع والقران والإفراد بالحج ۔۔ الخ: ۱۵۶۶۔ مسلم، کتاب الحج، باب بیان أن القارن لا یتحلل إلا فی وقت تحلل الحاج المفرد: ۱۲۲۹]

مونڈنے کے لیے کہا۔ (۱)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حجۃ الوداع میں کھڑے ہو گئے، لوگ آپ سے سوال کرنے لگے، ایک شخص نے کہا، مجھے معلوم نہیں تھا، میں نے لاعلمی میں قربانی ذبح کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا۔ آپ نے فرمایا: "کوئی حرج نہیں، اب قربانی کرلو۔" (۲)

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دعا فرمائی: "اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرما۔" لوگوں نے کہا (اے اللہ کے رسول!) اور بال چھوٹے کروانے والوں کے لیے؟ آپ نے فرمایا: "اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرما۔" لوگوں نے کہا، (اے اللہ کے رسول!) اور بال چھوٹے کروانے والوں کے لیے؟ آپ نے فرمایا: "اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرما۔" لوگوں نے کہا اور بال چھوٹے کروانے والوں کے لیے؟ آپ نے (سر منڈوانے والوں کے لیے) تین مرتبہ دعا کی، پھر فرمایا: "اور بال چھوٹے کروانے والوں کے لیے بھی (مغفرت فرما)۔" (۳)

فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ بِهٖۤ اَذًى مِّنۡ رَّاۡسِهٖ فَفِدۡيَةٌ مِّنۡ صِيَامٍ اَوۡ صَدَقَةٍ اَوۡ نُسُكٍ ۚ:

یعنی احرام باندھنے کے بعد تمھیں کسی بیماری یا عذر کی بنا پر سر منڈوانے کی ضرورت پیش آجائے تو سر منڈوا کر تین چیزوں میں سے ایک چیز بطور فدیہ دو۔ سیدنا کعب بن عجرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم حدیبیہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھے اور ہم احرام باندھے ہوئے تھے، لیکن مشرکین

۱۔ [مسلم، کتاب الحج، باب بیان أن السنۃ یوم النحر أن یرمی ثم ینحر۔۔۔ الخ: ۱۳۰۵]

۲۔ [بخاری، کتاب الحج، باب الفتیا علی الدابۃ عند الجمرۃ: ۱۷۳۶]

۳۔ [بخاری، کتاب الحج، باب الحلق والتقصیر عند الإحلال: ۱۷۲۸۔ مسلم، کتاب الحج، باب تفضیل الحلق علی التقصیر وجواز التقصیر: ۱۳۰۲]

نے ہمیں عمرہ کرنے سے روک دیا۔ میرے سر پر پٹے تھے (جن میں) اتنی جوئیں پڑ گئی تھیں کہ میرے منہ پر گر رہی تھیں۔ اسی اثنا میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے پاس سے گزرے، آپ نے فرمایا: "کیا تمھارے سر کی جوئیں تمھیں تکلیف پہنچا رہی ہیں؟" میں نے کہا، جی ہاں! تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: (فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ) "پھر تم میں سے جو بیمار ہو، یا اسے اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو روزے یا صدقے یا قربانی میں سے کوئی ایک فدیہ ہے۔" مسلم کی روایت میں ہے کہ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کعب سے فرمایا: "تم سر منڈوا دو اور تین روزے رکھو، یا چھ مساکین کو کھانا کھلاؤ، یا قربانی کرو۔" (۱)

عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مسجد (کوفہ) میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے ان سے روزوں کے متعلق فدیے کی ادائیگی کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ مجھے جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں لے جایا گیا تو میرے چہرے پر جوئیں گر رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: "میرا خیال نہیں تھا کہ تمھاری تکلیف یہاں تک پہنچ جائے گی، کیا تمھارے پاس ایک بکری موجود ہے؟" میں نے عرض کی، نہیں! تو آپ نے فرمایا: "تین روزے رکھ لو، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو اور ہر مسکین کو نصف صاع کھانا دو اور اپنے سر کو منڈوا دو۔" تو یہ آیت خاص طور پر میرے بارے میں نازل ہوئی تھی، لیکن اس کا حکم تم سب کے لیے عام ہے۔ (۲)

۱۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ: ۴۱۹۱۔ مسلم، کتاب الحج، باب جواز حلق الرأس للمحرم إذا کان بہ أذی۔۔ الخ: ۱۲۰۱]

۲۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: (فمن کان منکم مریضًا): ۴۵۱۷۔ مسلم، کتاب الحج، باب جواز حلق الرأس للمحرم إذا کان بہ أذی: ۱۲۰۱/۸۵]

فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَى الۡحَجِّ: اگر محرم کو راستہ میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے اور وہ حرم میں پہنچ جائے اور عمرہ کر کے حلال ہو جائے، پھر آٹھ تاریخ کو یا اس سے پہلے حج کا احرام باندھے، تو اس پر قربانی واجب ہے، اسے حج تمتع کہتے ہیں۔ سیدنا عمران رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے میں حج تمتع کیا ہے، حالانکہ قرآن نازل ہو رہا تھا۔ [1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر کے احرام اتار دو اور بال چھوٹے کروا لو، پھر تم احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو، یہاں تک کہ جب ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ ہو تو پھر حج کا احرام باندھو۔۔ اگر میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لاتا تو میں بھی وہی کرتا جس کا تم کو حکم دیا ہے، لیکن اس صورت میں احرام نہیں اتار سکتا، جب تک قربانی اپنے مقام پر پہنچ (کر ذبح) نہ ہو جائے۔“ یہ سن کر صحابہ نے حکم کی تعمیل کی۔ [2]

فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡيِ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی ان ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کو ذبح کیا جنھوں نے عمرہ کیا۔ [3]

فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الۡحَجِّ وَسَبۡعَةٍ اِذَا رَجَعۡتُمۡ: اگر متمتع کے پاس قربانی کا جانور نہیں ہے تو تین روزے حج کے زمانے میں اور سات روزے اپنے گھر واپس جانے کے بعد رکھے گا۔ سیدہ عائشہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) بیان کرتے ہیں، ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت (اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے) کسی صورت میں نہیں ہے، مگر صرف اس صورت میں کہ

۱۔[بخاری، کتاب الحج، باب التمتع علی عہد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۱۵۷۱]

۲۔[بخاری، کتاب الحج، باب التمتع والقران والإفراد بالحج۔۔ الخ: ۱۵۶۸۔ مسلم، کتاب الحج، باب بیان وجوہ الإحرام۔۔ الخ: ۱۲۱۶/۱۴۳]

۳۔[أبوداؤد، کتاب المناسک، باب فی ھدی البقر: ۱۷۵۱]

کسی کو قربانی نہ ملی ہو (تو وہ ایام تشریق میں روزے رکھ لے)۔ (۱)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حجۃ الوداع میں عمرے کے ساتھ حج تک فائدہ اٹھایا تھا۔ آپ نے قربانی بھی کی اور آپ قربانی کا جانور اپنے ساتھ ذوالحلیفہ سے لائے تھے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ابتدا میں عمرے کا احرام باندھا، پھر آپ نے حج کا احرام باندھا اور لوگوں نے بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ عمرے سے حج تک فائدہ اٹھایا۔ کچھ لوگ قربانی کے جانور اپنے ساتھ لائے تھے اور کچھ لوگ قربانی کے جانور اپنے ساتھ نہیں لائے تھے۔ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب مکہ میں تشریف لائے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا: ”تم میں سے جو شخص قربانی کا جانور اپنے ساتھ لایا ہو اس کے لیے اس وقت تک احرام کی وجہ سے حرام ہونے والی چیزوں میں سے کوئی بھی حلال نہ ہوگی جب تک وہ اپنا حج پورا نہ کر لے اور جو شخص قربانی کا جانور اپنے ساتھ نہ لایا ہو تو وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کرے، بال کٹوا دے اور حلال ہو جائے، پھر حج کا احرام باندھ لے اور جسے قربانی میسر نہ ہو تو وہ ایام حج میں تین روزے رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھے جب اپنے اہل و عیال کے پاس لوٹ جائے۔“ (۲)

ذٰلِكَ لِمَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ اَهۡلُهٗ حَاضِرِى الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ: یعنی جو لوگ مسجد حرام کے رہنے والے نہیں، بلکہ دور سے آنے والے ہیں۔ چونکہ انھوں نے عمرہ اور حج کے لیے الگ الگ دو سفر کرنے کی بجائے ایک ہی سفر میں دونوں کام سرانجام دے لیے ہیں، لہٰذا اس فائدہ اٹھانے پر انھیں قربانی دینا ہوگی ورنہ دس روزے رکھیں۔ رہے مکہ کے لوگ تو انھیں حج کے مہینوں میں عمرہ و حج کرنے سے چونکہ ایسا

۱۔[بخاری، کتاب الصیام، باب صیام أیام التشریق: ۱۹۹۷، ۱۹۹۸]

۲۔[بخاری، کتاب الحج، باب من ساق البدن معہ: ۱۶۹۱۔ مسلم، کتاب الحج، باب وجوب الدم علی المتمتع ۔۔ الخ: ۱۲۲۷]

کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا اس لیے وہ قرآن کریں یا تمتع، ان پر نہ قربانی ہے نہ روزے، وہ ان کے بغیر ہی دونوں عبادتیں سرانجام دے سکتے ہیں۔

﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ ﴾

حج کے مہینے متعین ہیں۔ اس لیے جو شخص ان میں حج کا ارادہ رکھتا ہو وہ نہ شہوت کی باتیں کرے، نہ گناہ کرے اور نہ لڑائی جھگڑا کرے۔ تم جو نیکی کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو سب سے بہتر زادراہ اللہ تعالیٰ کا تقوی ہے۔ اے عقلمندو مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔

شان نزول

امام بخاریؒ وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ اہل یمن بغیر زادراہ کے حج کا سفر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ پر توکل کرنے والے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا اور زادراہ ساتھ رکھو (یعنی اسباب کو اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے) کیونکہ سب سے بہتر زادراہ

پرہیزگاری ہے۔

حج کے مہینوں کے متعلق فقہاء امت کے نظریات

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم)، عطاءؒ، طاؤسؒ مجاہدؒ، زہریؒ ربیع اور امام مالکؒ کے نزدیک شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ پورے کے پورے حج کے مہینے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ، ابن سیرینؒ، حسنؒ، شعبیؒ، نخعیؒ، قتادہؒ، مکحولؒ سدیؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن حج کے مہینے ہیں۔ (۱)

اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ (۲)

ایام حج میں فحش باتیں، گناہ اور جھگڑا کرنے کی ممانعت

حضرت ابن عباسؓ، ابن جبیرؒ، قتادہؒ، حسنؒ، عکرمہؒ، مجاہدؒ، زہری اور سدیؒ نے بیان کیا کہ رفث سے مراد یہاں جماع ہے، اور حضرت ابن عمرؓ اور طاؤسؒ وغیرھم نے کہا: اس سے مراد عورتوں سے فحش کلام کرنا ہے۔ فسق سے مراد ہر قسم کے گناہ ہیں اور جدال سے مراد بحث مباحثہ میں غضب ناک ہونا ہے، یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباسؓ عطاء اور مجاہدؒ کی رائے ہے، اور حضرت ابن عمرؓ اور قتادہؒ نے کہا: اس سے مراد گالی دینا ہے۔ ابن زید اور امام مالکؒ نے کہا: اس سے مراد اس بات میں اختلاف کرنا ہے کہ کون اپنے باپ دادا کے موقف میں کھڑا ہے، کیونکہ عرب کسی اور کے موقف میں وقوف کرتے، پھر اس

۱۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۲۷۷، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

۲۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۰۹، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

میں اختلاف اور بحث کرتے، قاسمؒ نے کہا: یا اس میں اختلاف کریں کہ حج آج ہے یا کل۔ [۱]

فحش باتیں، فسق اور جھگڑا کرنا ہر وقت اور ہر جگہ ممنوع ہے لیکن یہ ممانعت اس وقت شدید ہے جب انسان بیت اللہ کی زیارت اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے کیلیے دور دراز سے چل کر یہاں آئے، ویسے تو تمام سفر حج میں انسان ان برائیوں میں مجتنب رہے لیکن کا احرام باندھنے سے لے کر مناسک حج مکمل ہونے تک جو شخص ان برے کاموں سے بچا رہا اس کا حج، حج امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس نے اس بیت اللہ کا حج کیا اور فحش باتیں نہیں کہیں اور فسق نہیں کیا اور اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو کر نکلے گا جس دن اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ [۲]

ایام حج یا غیر ایام حج میں تم جو کام کرتے ہو خواہ نیک ہو یا بد ان سب کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سفر خرچ تیار کرو اور بہترین سفر خرچ تقوی (سوال سے رکنا) ہے اور اے عقل والو! مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔۔(البقرہ:۱۹۷)

حج کے لیے سفر خرچ تیار کرنے حکم

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ اہل یمن حج کرتے تھے اور سفر تیار نہیں کرتے تھے، اور کہتے تھے

۱۔(البحر المحیط ج ۲ ص ۲۸۱۔۲۸۰ مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

۲۔(زاد المسیر ج ۲ ص ۲۶۱، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

کہ ہم توکل کرنے والے ہیں، جب وہ مکہ پہنچتے تو مانگنا شروع کر دیتے، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ سفر خرچ تیار کرو، کیونکہ بہترین سفر خرچ سوال نہ کرنا ہے۔ ①

اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ دنیا سے آخرت کی طرف جو سفر ہے اس کے لیے سفر خرچ تیار کرو اور نیک اعمال کرو کیونکہ بہترین سفر خرچ تقوی اور خوف خدا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں معنی مراد ہوں، راستہ میں اور قیام حرمین کے دوران کھانے پینے اور سواری کا انتظام کر کے چلو، اور اعمال صالحہ کا زاد راہ تیار کرو اور عقل سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اللہ ہی سے ڈرو۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ: حج کے چند مقررہ مہینے ہیں۔ قرآن مجید میں ان مہینوں کا ذکر نہیں ہے، البتہ صحابہ کرام کے توسط سے ان ناموں کی وضاحت ہمیں ملتی ہے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حج کے مہینے، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، وہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں۔ ②

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حج کے چند مقررہ مہینے ہیں، یعنی شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن۔ ③

سیدنا عروہ بن مضرس بن اوس بن حارثہ الطائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس نے ہماری اس نماز (یعنی نماز فجر) کو (مزدلفہ میں) پا لیا اور ہمارے ساتھ (مزدلفہ میں) وقوف کیا، یہاں تک کہ پھر ہمارے ساتھ (جمرہ عقبہ) روانہ ہوا اور اس سے پہلے وہ رات کو یا دن کو

۱۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ) اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۴۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان، لاہور ۱۴۰۵ھ)

۲۔ [بخاری، کتاب الحج، باب قولہ تعالیٰ (ذلک لمن لم یکن اَہلہ حاضری المسجد الحرام): ۱۵۷۲]

۳۔ [مستدرک حاکم: ۲/۲۷۶، ح: ۳۰۹۲۔ الدارقطنی، کتاب الحج: ۲/۲۵۸]

عرفات میں وقوف کر چکا ہو تو اس کا حج پورا ہو گیا، (اب) وہ قربانی ذبح کر لے۔“[1]

فَمَنۡ فَرَضَ فِيۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ وَلَا جِدَالَ: جو شخص ان مہینوں میں احرام باندھ کر اپنے اوپر حج کو فرض کر لے تو وہ اب دوران حج میں نہ بے حیائی کی بات کرے، نہ گناہ کا کوئی کام کرے اور نہ کسی سے جھگڑے، ارشاد فرمایا: (اُحِلَّ لَکُمۡ لَيۡلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمۡ) [البقرۃ:۱۸۷] ”تمہارے لیے روزے کی رات اپنی عورتوں سے صحبت کرنا حلال کر دیا گیا ہے۔“

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔“[2]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جو شخص اللہ کے لیے حج کرے، پھر نہ عورتوں سے جنسی باتیں کرے اور نہ کوئی گناہ کا کام کرے تو وہ گناہوں سے پاک ہو کر لوٹتا ہے، گویا (اس دن کی طرح ہو جاتا ہے) جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔“[3]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا گیا، کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔“ پوچھا گیا، اس کے بعد کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا: ”اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔“ پوچھا گیا، پھر کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا: ”حج مبرور (جس میں کوئی گناہ نہ کیا جائے)۔“[4]

---

[1] ۔[ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء من أدرک الإمام بجمع فقد أدرک الحج:۸۹۱]

[2] ۔[بخاری، کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط عملہ وھو لا یشعر:۴۸]

[3] ۔[بخاری، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور:۱۵۲۱۔ مسلم، کتاب الحج، باب فضل الحج والعمرۃ:۱۳۵۰]

[4] ۔[بخاری، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور:۱۵۱۹۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کون الإیمان باللہ تعالیٰ أفضل الأعمال:۸۳]

وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يَّعۡلَمۡهُ اللّٰهُ: سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”حج مبرور (جس میں کوئی گناہ نہ کیا جائے) کا بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ نہیں۔ [1]

”وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰى: سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں، یمن کے لوگ حج کے لیے آتے تو زادراہ ساتھ نہیں لاتے تھے، وہ کہتے تھے کہ ہم (اللہ پر) توکل کرتے ہیں (وہ ہمیں کھلائے گا) پھر جب وہ شہر مکہ پہنچتے تو لوگوں سے سوال کرتے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰى) ”اور زادراہ لے لو کہ بیشک زادراہ کی سب سے بہتر خوبی (سوال سے) بچنا ہے۔“ [2]

﴿لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ ۖ وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰٮكُمۡ ۚ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ ۝١٩٨﴾

تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو پس جب عرفات سے چلو تو اللہ کو یاد کرو مشعر حرام کے پاس اور اس کو اس طرح یاد کرو جس طرح اللہ نے تم کو ہدایت

۱۔[بخاری، کتاب العمرۃ، باب وجوب العمرۃ وفضلھا: ۱۷۷۳]

۲۔[بخاری، کتاب الحج، باب قول اللہ تعالیٰ (وتزودوا فإن خیر الزاد التقوی): ۱۵۲۳۔ أبوداؤد، کتاب المناسک، باب التزود فی الحج: ۱۷۳۰]

کی ہے، اس سے پہلے بلاشبہ تم گمراہوں میں سے تھے۔

شان نزول

امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ عکاظ اور ذوالمجاز یہ زمانہ جاہلیت میں بازار تھے۔لوگ حج کے زمانہ میں ان بازاروں میں کاروبار کیا کرتے تھے، صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کے متعلق پوچھا، اس پر یہ آیت اتری کہ ایام حج میں کاروبار اور تجارت یعنی خرید وفروخت کرنے میں کوئی گناہ نہیں اور امام احمدؒ اور ابن ابی حاتمؒ، ابن جریرؒ اور امام حاکمؒ نے ابو امامہ تیمیؒ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے عرض کیا کہ ہم حج کے دنوں میں خرید وفروخت کرتے ہیں تو اس سے حج میں کوئی حرج تو نہیں آتا حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اسی طرح کا سوال کیا تھا، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ جبرائیل امین (علیہ السلام) یہ آیت مبارکہ لیس علیکم جناح"۔(الخ) لے کر نازل ہوئے اس کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے بلایا اور فرمایا کہ تم لوگ حاجی ہو۔

فرمان خداوندی (آیت) "ثم افیضوا"۔(الخ) ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ عرب عرفات میں وقوف کیا کرتے۔ [1]

حج کے دوران روزی کمانے کا جواز

۱۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

جب اللہ تعالیٰ نے ایام حج میں جدال) (بحث اور تکرار) کرنے سے منع کیا تو یہ وہم پیدا ہوا کہ شاید ایام حج میں تجارت بھی ممنوع ہو کیونکہ اس میں قیمت پر بحث ہوتی ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عکاظ' مجنہ 'اور ذوالمجاز، زمانہ جاہلیت کے بازار تھے' جب اسلام آیا تو مسلمانوں نے ان بازاروں میں تجارت کرنے کو گناہ سمجھا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ (زمانہ حج میں) اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ [۱]

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ایام حج میں تجارت کرنا' محنت مزدوری اور ہر جائز طریقہ سے کسب معاش کرنا جائز ہے اور اس سے حج کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

حافظ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ، امام سعید بن منصور رحمہ اللہ 'امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ، 'امام عبد بن حمید رحمہ اللہ، 'امام ابوداؤد رحمہ اللہ '، امام ابن جریر رحمہ اللہ، 'امام ابن المنذر رحمہ اللہ، 'امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ '، امام حاکم رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں: ابوامامہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: ہم لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں کیا ہمارے لیے حج کا اجر و ثواب ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم لوگ بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے؟ اور کیا تم اپنے سروں کو نہیں مونڈتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک شخص نے آکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہی سوال کیا جو تم نے مجھ سے کیا ہے' آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک شخص نے آکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہی سوال گیا جو تم

۱۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ) اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۴۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱۴۰۵ھ)

نے مجھ سے کیا ہے، آپ نے اسکو کوئی جواب نہیں دیا حتی کہ جبرائیل (علیہ السلام) یہ آیت لے کر نازل ہوئے کہ (زمانہ حج میں) اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ①

اگر حج کے دوران ضمناً تجارت یا محنت مزدوری ہو جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر کوئی شخص بالقصد ایام حج میں تجارت کیلیے یا مزدوری کے لیے جائے اور ضمناً حج کرلے تو یہ اخلاص کے منافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم عرفات سے (مزدلفہ میں) آؤ تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور جس طرح اس نے تم کو ہدایت دی ہے اس طرح اس کا ذکر کرو۔ (البقرہ:۱۹۸)

مشعر حرام کا بیان

امام ابن جریر طبریؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عرفات کو عرفات اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت جبرائیلؑ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو مناسک کی تعلیم دی اور بار بار کہتے: "عرفت عرفت" (آپ نے جان لیا، آپ نے جان لیا) تو اس جگہ کا نام میدان عرفات پڑ گیا۔ ②

مشعر حرام کی تفسیر میں امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابراہیمؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے لوگوں کو مزدلفہ میں ایک پہاڑ کے پاس جمع ہوتے ہوئے دیکھا تو آپ نے کہا: اے لوگو! تمام مزدلفہ مشعر حرام ہے۔ ③

۱۔(درمنثور ج۱ ص ۲۲۲، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ النجفی ایران)

۲۔(جامع البیان ج۲ ص ۱۶۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

۳۔(جامع البیان ج۲ ص ۱۶۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

سدیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیرؒ سے مشعر حرام کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا: دو پہاڑوں کے درمیان جو جگہ ہے وہ مشعر حرام ہے۔ (۱)

عمرو بن میمونؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مشعر حرام کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے اس کو اپنے ساتھ لے جا کر دکھایا کہ عرفات کے بعد جہاں سے مزدلفہ کی ابتداء ہوتی ہے وہاں سے لے کر حرم تک مزدلفہ کی ساری وادی مشعر حرام ہے۔ (۲)

مشعر حرام کے پاس ذکر کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کیا جائے اور اپنے گناہوں پر معافی طلب کی جائے۔

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ: اللہ تعالیٰ نے حج کے لیے جب زادِ راہ لے کر چلنے کی نصیحت کی اور اس کے بعد تقویٰ کا حکم دیا تو اس بات کی بھی خبر دی کہ موسم حج میں تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں اور ایسا کرنا تقویٰ کے خلاف نہیں، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ سمجھتے تھے کہ حج کے ساتھ تجارت کرنا اچھی بات نہیں۔

فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ: ۹ ذوالحجہ کو زوال آفتاب سے غروب شمس تک میدان عرفات میں وقوف، حج کا ایک اہم رکن ہے۔ یہاں مغرب کی نماز ادا نہیں کرنی، بلکہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی تین رکعات اور عشاء کی دو رکعات (قصر) جمع کر کے ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ پڑھی جائیں گی۔ مزدلفہ ہی کو مشعر حرام کہا گیا ہے، کیونکہ یہ حرم کے اندر ہے۔ یہاں ذکر الٰہی کی تاکید ہے اور یہاں رات گزارنی ہے۔ فجر کی نماز (اندھیرے) میں یعنی اول وقت پڑھ کر

۱۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۶۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

۲۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۶۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

طلوع آفتاب تک ذکر میں مشغول رہا جائے۔طلوع آفتاب کے بعد منیٰ جایا جائے۔سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عرفات میں آئے، وہاں نمرہ کے مقام پر آپ کے لیے ایک خیمہ لگا دیا گیا، آپ نے اس میں قیام فرمایا، جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے اپنی اونٹنی قصوا کو کسنے کا حکم دیا۔جب وہ کس دی گئی تو آپ (اس پر سوار ہوکر) بطن وادی میں آئے اور لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا۔۔پھر موذن نے اذان دی، پھر اقامت کہی پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ظہر کی نماز پڑھائی، پھر (مؤذن) نے اقامت کہی پھر آپ نے عصر کی نماز پڑھائی۔ان دونوں نمازوں کے درمیان کچھ نہیں پڑھا، پھر آپ سوار ہوگئے، یہاں تک کہ موقف میں آئے۔۔وہاں آپ نے غروب آفتاب تک وقوف فرمایا، پھر جب شفق کی زردی کم ہوگئی تو آپ وہاں سے روانہ ہوکر مزدلفہ پہنچے، وہاں آپ نے مغرب اور عشاء کی نماز پڑھائی۔۔پھر آپ لیٹ گئے، یہاں تک کہ جب صبح صادق ہوئی تو آپ نے صبح کی نماز اذان اور اقامت کے ساتھ ادا کی۔پھر آپ قصوا پر سوار ہوگئے اور مشعر حرام پہنچ کر قبلہ رو ہوگئے۔پھر آپ نے وہاں وقوف فرمایا۔آپ دعا کرتے رہے، الحمدللہ کہتے رہے اور اللہ کی توحید بیان کرتے رہے، یہاں تک کہ خوب روشنی ہوگئی تو آپ طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ روانہ ہوگئے۔ ①

سیدنا عبدالرحمن بن یعمر الدیلیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، جب آپ سے ایک آدمی نے عرفہ کے مقام پر حج کے متعلق سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا: ”حج (وقوف) عرفات ہی کا نام ہے اور جو شخص طلوع فجر سے پہلے وقوف عرفہ کو پالے تو اس نے

۱۔[مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۱۲۱۸۔أبوداؤد، کتاب المناسک، باب صفۃ حجۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۱۹۰۵]

حج کو پالیا اور ایام منیٰ تین ہیں۔ پھر جس نے دو دنوں میں (منیٰ سے مکہ کی طرف واپسی میں) جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے (ایک دن کی) تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔" [۱]

سیدنا عروہ بن مضرس بن اوس بن حارثہ الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں مزدلفہ میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ نماز کے لیے جا چکے تھے، میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! میں "طے" کے دو پہاڑوں سے آیا ہوں، میں نے اپنی سواری کو تیز دوڑایا اور اپنے آپ کو خوب تھکایا ہے، اللہ کی قسم! میں نے کوئی ٹیلا یا پہاڑ نہیں چھوڑا جس پر وقوف نہ کیا ہو، تو کیا میرا حج ہو جائے گا؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو ہماری اس نماز میں حاضر ہوا اور اس نے ہمارے ساتھ وقوف کیا حتیٰ کہ وہ یہاں سے روانہ ہو گیا اور اس سے پہلے رات یا دن کو عرفہ میں وقوف کر لیا تو اس کا حج پورا ہو گیا اور وہ قربانی ذبح کر لے۔" [۲]

سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ واپسی کے وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کس طرح چل رہے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ سبک خرام تھے اور جب آپ کھلی جگہ پاتے تو اپنی سواری کی رفتار اور بھی تیز کر دیتے۔ [۳]

۱۔[مسند أحمد: ۴/ ۳۰۹، ح: ۱۸۷۹۸۔ أبوداؤد، کتاب المناسک، باب من لم یدرک عرفة: ۱۹۴۹۔ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ البقرۃ: ۲۹۷۵]

۲۔[ترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء فی من أدرک الإمام بجمع فقد أدرک الحج: ۸۹۱۔ أبوداؤد، کتاب المناسک، باب من لم یدرک عرفة: ۱۹۵۰]

۳۔[بخاری، کتاب الحج، باب السیر إذا دفع من عرفة: ۱۶۶۶۔ مسلم، کتاب الحج، باب الإفاضة من عرفات إلی المزدلفة۔۔۔ الخ: ۲۸۳/ ۱۲۸۶]

﴿ ثُمَّ اَفِيۡضُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۹۹﴾ ﴾

پھر تم بھی وہیں سے پلٹو جہاں سے سب لوگ پلٹتے ہیں اور اللہ سے استغفار کرتے رہو یقیناً اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

شان نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کی روایتوں میں ہے کہ حج کے واسطے عرب تو عرفات میں ٹھہرتے اور قریش مزدلفہ میں قیام کرتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قریش اپنے آپ کو حمس (شدت اور حیثیت والے) کہلاتے تھے، اس لیے وہ اور ان کے حلیف عرفات میں دوسرے اہل عرب کے ساتھ ٹھہرنے کو عار سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل اللہ ہیں اور حرم کے رہنے والے ہیں اس لیے حدود حرم سے باہر جانا ہمارے لیے مناسب نہیں، یہ بہانہ کر کے وہ مزدلفہ ہی میں قیام کر لیتے کیونکہ مزدلفہ حدود حرم کے اندر ہے اور عرفات حدود حرم سے باہر ہے، جب دوسرے لوگ عرفات سے چلتے تھے تو قریش کے لوگ مزدلفہ سے چلتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ تم بھی وہیں (عرفات میں) جاؤ جہاں سب لوگ جاتے ہیں، اور پھر وہیں سے سب کے ساتھ واپس آؤ۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ قریش اور ان کے دین پر چلنے والے حمس تھے، وہ مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے وہ کہتے تھے: ہم خدام حرم ہیں، اور باقی لوگ عرفات میں وقوف کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (۱)

اور زمانہ جاہلیت میں تم نے مناسک حج میں ترمیم کردی تھی اس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں سب برابر ہیں اور رنگ ونسل اور علاقہ اور زبان کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے اور کسی شخص کا رنگ ونسل اور علاقہ اور زبان کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں سے برتر اور اعلیٰ سمجھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے، امام احمدؒ نے ابونضرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایام تشریق میں فرمایا: سنو! تم سب کا رب ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ سے۔ (۲)

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ قریش اور ان کے ہم مذہب مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے اور اپنے آپ کو "حمس" کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے، جبکہ دیگر تمام عرب عرفات ہی میں وقوف کیا کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حکم دیا کہ آپ بھی عرفات جائیں اور وہاں وقوف کریں، پھر وہاں سے واپس آئیں۔ اس آیت: (ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ

۱۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۶۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱٤۰۹ھ)

۲۔ ۱ (امام احمد بن حنبل متوفی ۲٤۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ)

النَّاسُ) ”پھر اس جگہ سے واپس آؤ جہاں سے سب لوگ واپس آئیں“ کے یہی معنی ہیں۔ (۱)

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چلتے رہے اور قریش یہ گمان کر رہے تھے کہ آپ مشعر حرام کے پاس جا کر ٹھہریں گے، جس طرح قریش ایام جاہلیت میں ٹھہرا کرتے تھے، لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مشعر حرام سے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ آپ عرفات میں پہنچ گئے، وہاں آپ نے دیکھا کہ آپ کے لیے نمرہ میں خیمہ لگایا گیا ہے، آپ اترے اور اس میں قیام کیا۔ (۲)

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”کوئی دن ایسا نہیں کہ جس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عرفہ کے دن سے زیادہ دوزخ سے آزاد کرے، اس دن اللہ بہت نزدیک ہوجاتا ہے، پھر فرشتوں کے سامنے اپنے ان بندوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ (گویا اللہ تعالیٰ کے پوچھنے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو معاف کردے)۔“ (۳)

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جس نے اللہ کے لیے حج کیا، پھر (دوران حج میں) نہ کوئی بے حیائی کی بات کی اور نہ کوئی گناہ کی تو وہ (حج کر کے) اس

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (ثم أفیضوا من حیث أفاض الناس): ٤٥٢٠۔ مسلم، کتاب الحج، باب فی الوقوف وقولہ تعالیٰ (ثم أفیضوا۔۔ الخ): ۱۲۱۹]

۲۔ [مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۱۲۱۸]

۳۔ [مسلم، کتاب الحج، باب فضل یوم عرفۃ: ۱۳٤۸]

طرح (بے گناہ ہو کر) لوٹتا ہے جس طرح وہ اس دن تھا، جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔" [1]

﴿ فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾ ﴾

پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو تو جس طرح پہلے اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے تھے، اسی طرح اب اللہ کا ذکر کرو، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ ان میں سے کوئی تو ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دے دے، ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

شان نزول

ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت والے ایام حج میں کھڑے ہوتے تھے، ان میں سے ہر ایک شخص کہتا تھا کہ میرے باپ کھانا کھلاتا تھا، لوگوں کو سوار کراتا تھا اور دوسروں کے خون بہا کو ادا کرتا تھا یعنی اپنے آباؤ اجداد کے ذکر کے علاوہ ان کے پاس کوئی ذکر نہیں تھا، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاری کہ جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا اچھی طرح ذکر کیا کرو۔

۱۔[بخاری، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور: ۱۵۲۱۔ مسلم، کتاب الحج، باب فضل الحج والعمرۃ: ۱۳۵۰]

اور ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ عرب جب ارکان حج سے فارغ ہو جاتے تھے تو حجر اسود کے پاس کھڑے ہو جاتے اور زمانہ جاہلیت میں کیے گئے اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں کو بیان کیا کرتے تھے، اس پر یہ آیت اتری۔

اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ عربوں کی ایک جماعت وقوف کی جگہ آتی اور کہتی، اے اللہ، سال بارش اور سبز و شادابی اور خوبصورتیوں والا کر دے لیکن امور آخرت میں سے کسی بھی چیز کا تذکرہ نہیں کرتی تھی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت اتاری کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار بس ہمیں دنیا ہی میں دے دے، ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اس جماعت کے بعد دوسری جماعت مومنوں کی آتی ہے اور یہ دعا مانگتی، (آیت) "ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ (الخ) کہ اے اللہ ہماری دنیا کے ساتھ آخرت بھی اچھی کر دے۔ [۱]

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے

اے مسلمانو! حج کی عبادات سے فارغ ہو کر زیادہ اللہ کا ذکر کرو اور اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی خیر مانگنے میں رغبت کرو' اور اللہ تعالیٰ سے بہت عاجزی اور گڑگڑا کر دعا کرو' خالص اللہ عزوجل کی رضا جوئی کے لیے عبادت کرو' اور یہ دعا کرو کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں خیر عطا فرما اور آخرت میں خیر عطا فرما اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو خرید لیا اور وہ صرف دنیا اور اس کی زینت کے لیے عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بھی صرف متاع دنیا کا سوال کرتے ہیں' ان کے لیے اجر و ثواب میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔ امام ابن جریرؒ اپنی

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو بکر بن عیاشؒ بیان کرتے ہیں کہ حج سے فارغ ہو کر دعا کرتے تھے' اے اللہ! ہمیں اونٹ دے' ہمیں بکریاں دے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ لوگ بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے اور یہ دعا کرتے: اے اللہ! ہم پر بارش نازل کر' اے اللہ! ہمیں ہمارے دشمنوں پر فتح عطا کر۔

مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ وہ دنیا میں مدد اور رزق مانگتے تھے اور آخرت کے متعلق کوئی سوال نہیں کرتے تھے۔ (۱)

دنیا کی بھلائی سے مراد ہے

عافیت' نیک بیوی' علم' عبادت' پاکیزہ مال' نیک اولاد' صحت' دشمنوں پر فتح' نیک لوگوں کی رفاقت' اسلام پر ثابت قدمی اور ایمان پر خاتمہ اور آخرت کی بھلائی سے مراد جنت' برے حساب اور محشر کے خوف سے سلامتی حور عین اور دیدار الٰہی کی لذت ہے۔

ان آیات میں یہ تصریح ہے کہ حج کی عبادات سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے دنیا کے لیے اور آخرت کی خیر کے لیے اور اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرنا چاہیے اور دوزخ سے پناہ طلب کرنی چاہیے۔

امام ابن ماجہؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک شخص سے فرمایا: تم

۱۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۷٤' مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت' ۱٤۰۹ھ)

نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ اس نے کہا: میں تشہد پڑھنے کے بعد اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے پناہ طلب کرتا ہوں' بہ خدا جتنی عمدگی سے آپ آہستہ آہستہ دعا کرتے ہیں اور معاذ آہستہ آہستہ دعا کرتے ہیں اتنی عمدگی سے میں دعا نہیں کرسکتا' آپ نے فرمایا: ہم بھی یہی دعا کرتے ہیں۔ ①

نیز امام ابوداؤدؒ روایت کرتے ہیں:

قتادہؒ نے حضرت انسؓ سے سوال کیا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کون سی دعا زیادہ مانگتے تھے؟ حضرت انسؓ نے کہا: نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو دعا بہت زیادہ مانگتے تھے وہ یہ ہے اے اللہ! ہم کو دنیا کی خیر اور آخرت کی خیر عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ ②

فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ: ارشاد فرمایا: (وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ)[البقرۃ:۱۹۶] "اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔"

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ: عرب کے لوگ حج سے فراغت کے بعد منیٰ میں میلا لگاتے اور اپنے آباواجداد کے کارناموں کا ذکر کرتے تھے۔ مسلمانوں کو کہا جارہا ہے کہ جب تم ۱۰ ذوالحجہ کو کنکریاں مارنے، قربانی کرنے، سر منڈوانے، طواف کعبہ اور سعی صفا و مروہ سے فارغ ہو جاؤ تو اس کے بعد جو تین دن منیٰ میں قیام کرنا ہے تو وہاں خوب اللہ کا ذکر کرو۔ جیسے جاہلیت میں تم اپنے آباؤ کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ بہرحال اب آباؤ اجداد کے تذکرہ پر فخر کرنا جائز نہیں۔ سیدنا عیاض بن حمارؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بیشک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ عاجزی

۱۔(سنن ابن ماجہ ص ۶۵۔۲۷۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی) اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۷۳' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

۲۔(سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۴۳' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱۴۰۵ھ)

اختیار کرو حتیٰ کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔" (1)

استغفار اور کثرت ذکر کی نصیحت کے بعد اللہ تعالیٰ نے دعا کی طرف توجہ دلائی، اس لیے کہ کثرت ذکر کے بعد دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہوتی ہے اور ان لوگوں کی مذمت کی جن کی زندگی کا مقصود اول دنیا کا حصول ہوتا ہے اور ان لوگوں کی تعریف کی جن کا مطمع نظر آخرت کی کامیابی اور جہنم کی آگ سے نجات حاصل کرنا ہوتا ہے۔

﴿ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝٢٠١ ﴾

اور بعض لوگ ایسے ہیں جن کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

مذکور دعا میں دنیا و آخرت کی ہر بھلائی جمع کر دی گئی ہے اور ہر شر سے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے۔" دنیا میں بھلائی" ہر دنیاوی خیر کو شامل ہے۔ اور" آخرت میں بھلائی" کی سب سے اعلیٰ شے اللہ کی رضا اور دخول جنت ہے۔ احادیث میں اس دعا کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

سیدنا انس بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ دعا فرمایا کرتے تھے: (اَللّٰهُمَّ ! رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ)" اے اللہ

١۔[مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا وأہلھا، باب الصفات التی یعرف بھا فی الدنیا أہل الجنۃ وأہل النار: ٢٨٦٥]

!اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی خیر و بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی خیر و بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔“ (۱)

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک مسلمان کی عیادت فرمائی، جو پرندے کے ننھے بچے کی طرح (ہڈیوں کا ڈھانچہ) ہو گیا تھا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے پوچھا: ”کیا تم اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا یا سوال کیا کرتے تھے؟“ اس نے جواب دیا، ہاں! میں یہ دعا کیا کرتا تھا، اے اللہ! تو نے مجھے جو آخرت میں سزا دینی ہے وہ دنیا ہی میں دے دے۔ یہ سن کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”سبحان اللہ! تمہیں اس کی استطاعت و طاقت کہاں؟ تم نے یہ دعا کیوں نہ کی: (اَللّٰھُمَّ ! رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ) ”اے اللہ! اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی خیر و بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی خیر و بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔“ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا فرما دی۔ (۲)

سیدنا عبداللہ بن السائبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا: (رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ) ”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی خیر و بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی خیر و بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔“ (۳)

۱۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (ومنھم من یقول ۔۔۔ الخ): ٤٥٢٢]

۲۔[مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب کراھۃ الدعاء بتعجیل العقوبۃ فی الدنیا: ٢٦٨٨]

۳۔[أبوداؤد، کتاب المناسک، باب الدعاء فی الطواف: ١٨٩٢]

اللہ تعالیٰ نے یہاں دو قسموں کے لوگ ذکر فرمائے ہیں، صرف دنیا میں بھلائی طلب کرنے والے اور دوسرے دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی طلب کرنے والے، تیسری قسم کے لوگ یعنی صرف آخرت میں بھلائی طلب کرنے والے ذکر نہیں فرمائے کہ جو دنیا میں بھلائی نہ مانگتے ہوں۔ کیونکہ اسلام ایسا دین ہے جو اپنے ماننے والوں کے لیے دنیا ترک کرنا پسند نہیں کرتا اور نہ ہی دنیا کی نعمتوں سے کنارہ کشی کی اجازت دیتا ہے۔ جب سے مسلمانوں میں ہندو سادھوؤں اور عیسائی راہبوں کی تقلید میں ترک دنیا کا رجحان پیدا ہوا تو انھوں نے جہاد چھوڑا، دنیاوی علوم سے کنارہ کش ہوئے اور ہر چیز میں غیروں کے غلام بن گئے۔

ابن ابی شیبہؒ، بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداوٗدؒ، نسائیؒ، ابویعلیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے لفظ آیت "اللھم ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار (۲۰۱)"۔

ابن ابی شیبہؒ، بخاریؒ نے الادب میں اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ ثابتؓ نے ان سے فرمایا کہ تیرے بھائی اس بات کو محبوب رکھتے ہیں کہ تو ان کے لیے دعا کرے۔ تو انھوں نے یہ دعا فرمائی۔ لفظ آیت "اللھم اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار" پھر اس کا اعادہ کرتے ہوئے فرمایا تم ارادہ کرتے ہو کہ میں تمہارے لیے تمام امور کا ذکر کروں جب تم کو اللہ تعالیٰ دنیا میں حلال عطا فرمادیں گے۔ اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمادیں گے اور تم کو جہنم کے عذاب سے بچادیں تو گویا تم کو ساری خیر عطا فرمادی۔

امام شافعیؒ، ابن سعدؒ، ابن ابی شیبہؒ، احمدؒ، بخاریؒ، نے تاریخ میں، ابوداوٗدؒ، نسائیؒ، ابن خزیمہؒ، ابن

الجاود، ابن حبان، طبرانیؒ، حاکمؒ (انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے) اور بیہقیؒ نے الشعب میں عبداللہ بن سائبؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ فرماتے ہوئے سنا لفظ آیت "ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار"۔

ابن مردویہؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میں رکن یمانی پر نہیں گزرا مگر میں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ اس پر (بیٹھا ہوا) آمین کہہ رہا ہے۔ سو تم اس پر گزرو تو کہو۔ لفظ آیت "ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار"۔

﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ ﴾

یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے لیے بڑا حصہ ہے ان کے اعمال کی وجہ سے اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔

ابن ابی حاتمؒ نے عطاؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "اولئک لہم نصیب مما کسبوا" سے مراد ہے نیک اعمال ہیں۔

ابن ابی حاتمؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "واللہ سریع الحساب" سے مراد ہے سریع الاحساء یعنی جلدی گننے والا۔

شافعیؒ نے الام میں، عبدالرزاقؒ، ابن ابی شیبہؒ نے المصنف میں، عبد بن حمیدؒ، ابن المنذرؒ، حاکم (انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے) اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ ایک آدمی

نے ان سے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو بطور مزدور کے پیش کیا اپنی قوم کی خدمت کے لیے اس شرط پر کہ وہ مجھے سوار کر کے لے جائیں گے۔ اور (پھر) میں ان سے اپنی اجرت اس بات پر کم کر دی کہ وہ میرے لیے دعا کریں گے جبکہ میں ان کے ساتھ حج کروں گا کیا میرے لیے یہ عمل جائز ہے؟ انھوں نے فرمایا تو ان لوگوں میں سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت "اولئک لھم نصیب مما کسبوا واللہ سریع الحساب"

ابن ابی داؤدؒ نے المصاحف میں سفیانؒ سے روایت کیا کہ حضرت عبداللہؓ کے اصحاب اس (آیت) کو (یوں) پڑھتے تھے لفظ آیت "اولئک لھم نصیب مما اکتسبوا"۔ [۱]

حسن بصریؒ نے کہا: اس کا حساب آنکھ جھپکنے سے بھی زیادہ تیز ہے۔ خبر میں ہے اللہ تعالیٰ بکری دوہنے کی دیر سے حساب لے لے گا۔ بعض نے فرمایا: وہ جب ایک حساب لے گا تو تمام مخلوق کا حساب لے چکا ہوگا۔ کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا: اللہ تعالیٰ ایک دن میں بندوں کا کیسے محاسبہ فرمائے گا؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: جیسے ایک دن میں انھیں رزق دیتا ہے۔ حساب کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کے مطابق جزا کی تقادیر کو جانتا ہے اور انھیں وہ چیزیں یاد دلاتا ہے جو وہ بھول چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یوم یبعثھم اللہ جمیعا فینبئھم بما عملوا احصٰہ اللہ ونسوہ (المجادلہ:6) بعض علماء نے فرمایا: آیت کا معنی ہے وہ حساب کے دن کو جلدی لانے والا ہے۔ اس آیت سے مقصود قیامت کے دن سے ڈرانا ہے۔ [۲]

۱۔ تفسیر الدر منثور امام سیوطیؒ
۲۔ تفسیر قرطبی

﴿ وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ فِيۡٓ اَيَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِيۡ يَوۡمَيۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾ ﴾

اور یاد کرتے رہو اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں پھر جو جلدی چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو ٹھہرا رہا اس پر بھی کچھ گناہ نہیں، اس شخص کے لیے جو ڈرے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بیشک تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔

وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ فِيۡٓ اَيَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ: مراد "ایام تشریق" ہیں یعنی ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ذوالحجہ۔ ان میں ذکر الٰہی یعنی بہ آواز بلند تکبیرات مسنون ہیں۔ صرف فرض نمازوں کے بعد ہی نہیں بلکہ ہر وقت تکبیرات پڑھی جائیں، سیدنا کعب بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایام تشریق میں مجھے اور اوس بن الحدثان ؓ کو بھیجا کہ ہم یہ اعلان کریں: "بیشک جنت میں سوائے مومن کے کوئی داخل نہیں ہوگا اور یہ کہ منیٰ کے ایام کھانے اور پینے کے ایام ہیں۔" [۱]

امام بخاری ؒ نے باب باندھا ہے، "منیٰ میں ٹھہرنے کے دنوں میں تکبیر کہنا اور جب عرفات کو جائے۔ اور عمر ؓ منیٰ میں اپنے خیمے کے اندر تکبیر کہتے، مسجد والے اسے سنتے تو وہ بھی تکبیر کہتے اور بازاروں والے بھی تکبیر کہتے، یہاں تک کہ منیٰ تکبیر سے گونج اٹھتا اور ابن عمر ؓ ان دنوں میں منیٰ میں اور نمازوں کے بعد تکبیر

۱۔ [مسلم، کتاب الصیام، باب تحریم صوم أیام التشریق۔۔۔ الخ: ۱۱٤۲]

کہتے اور اپنے بستر پر، اپنے خیمے، اپنی مجلس اور چلنے پھرنے کے دوران ان تمام دنوں میں تکبیر کہتے۔ اور میمونہؓ (ام المومنین) قربانی کے دن تکبیر کہتیں اور عورتیں ابان بن عثمانؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے پیچھے مسجد میں مردوں کے ساتھ تشریق کی راتوں میں تکبیر کہتیں۔“ [۱]

معلوم ہوا ان سے مراد عرفہ کی صبح سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ کے سورج غروب ہونے تک کا وقت ہے۔ قربانی کے دن اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا منع ہے، جیسا کہ سیدنا نبیشہ ہذلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔“ [۲]

اللہ کے ذکر سے مراد وہ تمام تکبیرات ہیں جو جمرات کو کنکر مارتے وقت، ذبح کرتے وقت یا دوسرے وقتوں میں کہی جاتی ہیں۔ تکبیر کے علاوہ کوئی بھی ذکر ہو اس حکم میں شامل ہے، یعنی ان ایام میں ذکر الٰہی میں مصروف رہو۔

فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِيۡ يَوۡمَيۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ: رمی جمار (جمرات کو کنکریاں مارنا) تین دن افضل ہے لیکن اگر کوئی دو دن (۱۱، ۱۲ ذوالحجہ کو) کنکریاں مار کر منیٰ سے واپس آجائے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ سیدنا عبدالرحمن بن یعمر الدیلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ایام منیٰ تین ہیں، تو جس نے دو دنوں میں (منیٰ سے مکہ کی طرف واپسی میں) جلدی کی تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جس نے (ایک دن کی) تاخیر کی تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔“ [۳]

۱۔ [بخاری، کتاب العیدین، باب التکبیر ایام منیٰ ۔۔۔ الخ، قبل الحدیث: ۹۷۰]
۲۔ [مسلم، کتاب الصیام، باب تحریم صوم أیام التشریق ۔۔۔ الخ: ۱۱۴۱]
۳۔ [أبوداؤد، کتاب المناسک، باب من لم یدرک عرفة: ۱۹۴۹]

لِمَنِ اتَّقٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ: دو دن یا تین دن میں کنکریاں مارنا ہو یا کوئی بھی اور نیکی کا کام ہو، ہر جگہ اللہ تعالیٰ کو اخلاص مطلوب ہے۔ کسی بھی کام میں ریا کاری میدان محشر میں رسوائی کا باعث ہوگی۔ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں تمام شرکا سے زیادہ شرک سے بے زار ہوں، جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔“ (۱)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جو شخص (اپنی نیکی لوگوں کو) سنائے گا اللہ بھی اس کی وجہ سے (پہنچنے والی ذلت کا حال لوگوں کو) سنائے گا اور جو شخص (لوگوں کو اپنی نیکی) دکھائے گا اللہ بھی اس کی وجہ سے (پہنچنے والی ذلت کو تمام لوگوں کو) دکھائے گا (یعنی میدان محشر میں ریا کار آدمی کی بڑی رسوائی ہوگی)۔“ (۲)

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ ﴾

لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جس کی گفتگو آپ کو دنیاوی زندگی میں پسند آتی ہے اور وہ اللہ کو گواہ بناتا ہے اس بات پر جو اس کے دل میں ہے۔ حالانکہ وہ سخت ترین جھگڑالو ہے۔

۱۔[مسلم، کتاب الزھد، باب تحریم الریاء: ۲۹۸۵]

۲۔[مسلم، کتاب الزھد، باب تحریم الریاء: ۲۹۸۶۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة: ٦٤٩٩]

شان نزول

ابن ابی حاتمؒ نے سعیدؓ یا عکرمہؓ کے ذریعہ سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب وہ لشکر شہید کردیا گیا جس میں عاصم اور مرشد تھے تو منافقوں میں سے دو آدمیوں نے کہا کہ جو لوگ اس طرح مارے گئے ان کے لیے ہلاکت ہے۔ کیوں نہ یہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور کیوں نہ انھوں نے اپنے صاحب کی رسالت کو ادا کردیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاری کہ (آیت) "ومن الناس من یعجبک"۔ اور ابن جریرؒ نے سدیؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اخنس بن شریقؓ کے بارے میں اتری ہے، رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں آکر اس نے اسلام ظاہر کیا، حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس کی یہ بات پسند آئی، اس کے بعد یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے چلا گیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت کی کھیتی اور گدھوں پر سے اس کا گزر ہوا تو اس نے کھیتی جلادی اور گدھوں کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ [۱]

الدالخصام" (سخت جھگڑالو) کا بیان

حافظ سیوطیؒ بیان کرتے ہیں:

مجاہدؒ نے کہا: جو شخص کج بحث، ہٹ دھرم اور ظالم ہو وہ "الدالخصام" ہے۔

امام احمدؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ اور امام بیہقیؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک

۱۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

سب سے مبغوض شخص 'الدالخصام' (بہت جھگڑا کرنے والا) ہے۔

امام ترمذی اور امام بیہقیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تمہارے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ جھگڑتے رہو۔

امام بیہقیؒ نے عبدالکریم الجذری سے روایت کیا ہے کہ متقی کبھی جھگڑا نہیں کرتا۔ امام بیہقیؒ نے ابن عمرو بن العلاء سے روایت کیا ہے کہ جب دو شخص جھگڑا کرتے ہیں تو جو زیادہ برا ہوتا ہے وہ غالب آجاتا ہے۔

امام احمدؒ، حضرت ابودرداءؓ سے روایت کرتے ہیں کہ تمہارے گناہ کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ لڑتے رہو اور تمہارے ظلم کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ جھگڑتے رہو اور تمہارے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ باتیں کرتے رہو ماسوا اس گفتگو کے جو اللہ کے متعلق کی جائے' نیز امام احمدؒ حضرت ابو درداءؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جو بہت باتیں کرتا ہے وہ بہت جھوٹ بولتا ہے اور جو بہت قسمیں کھاتا ہے وہ بہت گناہ کرتا ہے اور جو بہت جھگڑا کرتا ہے اس کا دین سلامت نہیں رہتا۔ [۱]

اس کے بعد فرمایا:

اور جب اس منافق سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو اور اللہ کی نافرمانی نہ کرو تو وہ ضد اور تکبر میں آکر اور بڑھ چڑھ کر فساد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔

اس آیت میں منافقین کے اوصاف کا بیان ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد مبارک میں چند ایسے چال باز لوگ تھے، (اور ہمیشہ رہے ہیں) ان آیات میں ان کی صفات بیان فرما کر ان

۱۔ (جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدرالمنثور ج۱ ص ۲۳۹، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ النجفی ایران)

سے چوکس رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ پہلی صفت ایسے منافق کی یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی کے متعلق بہت معلومات رکھتا ہے، اس پر بات کرے تو آدمی کو حیرت ہوتی ہے، آخرت پر نہ وہ بات کرتا ہے نہ اسے اس کا علم ہے۔

دوسری صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر اپنے ایمان و اخلاص کا یقین دلاتا ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کے ہاں اپنے بے اعتبار ہونے کو خوب سمجھتا ہے۔

وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ : تیسری صفت یہ ہے کہ وہ جھگڑے میں سخت جھگڑالو ہے۔ ارشاد فرمایا: (فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا)[مریم: ۹۷] ”سو اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم نے اسے تیری زبان میں آسان کر دیا ہے، تاکہ تو اس کے ساتھ متقی لوگوں کو خوشخبری دے اور اس کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائے جو سخت جھگڑالو ہیں۔“

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ بغض اللہ تعالیٰ کو اس شخص سے ہے جو بہت زیادہ جھگڑالو ہو۔“ (۱)

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”چار باتیں جس میں ہوں گی وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چاروں میں سے ایک بات ہوگی تو اس میں ایک بات نفاق کی ضرور ہے، تاوقتیکہ اس کو چھوڑ نہ دے۔ (وہ چار باتیں یہ ہیں) 1 جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ 2 جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ 3 جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ 4 اور جب لڑے تو بے ہودہ گوئی کرے۔“ (۲)

۱۔[بخاری، کتاب المظالم، باب قول اللہ تعالیٰ: (وهو ألد الخصام): ۲٤٥۷۔ مسلم، کتاب العلم، باب فی الألد الخصم: ۲٦٦۸]

۲۔[بخاری، کتاب الإیمان، باب علامات المنافق: ۳٤۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب خصال المنافق: ٥۸]

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ
وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝۲۰۵

اور جب وہ تمہارے پاس سے ہٹتے ہیں، ان کی ساری بھاگ دوڑ اس لیے ہوتی ہے کہ زمین میں فساد مچا دیں اور کھیتی اور نسل کو تباہ کریں اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

اور جب غصہ میں آتا ہے تو ہر قسم کے گناہ کرتا ہے اور کھیتوں اور باغات کو برباد اور جانوروں کو قتل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے فساد پھیلانے والے لوگوں کو پسند نہیں کرتے اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنے کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈر تو اس میں تکبر اور حمیت جوش مارنے لگتی ہے، اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برے لوگوں کا بدترین ٹھکانا ہے۔

یہ آیت کریمہ اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ شیریں کلام تھا رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس کی یہ بات پسند تھی کہ میں آپ سے محبت رکھتا ہوں اور خفیہ طریقے سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور اس پر اللہ کی قسم بھی کھاتا تھا، مگر یہ پکا منافق تھا، لوگوں کا خیال ہے کہ اس نے ایک قوم کی کھیتی جلا دی تھی اور اسی طرح ایک قوم کے گدھوں کو مار ڈالا تھا۔ [۱]

عبد بن حمیدؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "واذا تولی سعی فی الارض" سے مراد ہے کہ وہ زمین پر فساد برپا کرتا ہے "ویھلک الحرث" یعنی زمین کی کھیتی کو تباہ کرتا ہے "والنسل" یعنی انسان اور حیوان ہر چیز کی نسل کو ہلاک کرتا ہے۔

۱۔ تفسیر ابن عباس

ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "واذا تولی سعی فی الارض" کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ زمین میں ظلم اور زیادتی کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس وجہ سے آسمان سے بارش کو روک لیتے ہیں اور بارش کے رک جانے کی وجہ سے کھیتی اور حیوان ہلاک ہوجاتے ہیں لفظ آیت "واللہ لا یحب الفساد" پھر مجاہدین نے (یہ آیت) پڑھی لفظ آیت "ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس" (الروم آیت ۴۱)

گناہ سے زمین میں فساد پھیلتا ہے

امام وکیع الفریابیؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ ان سے لفظ آیت "ویہلک الحرث والنسل" کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا حرث سے مراد کھیتی ہے اور نسل سے مراد ہو جانور کی نسل۔

ابن جریرؒ، ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ نسل سے ہر جانور اور انسان کی نسل مراد ہے۔

الطستیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ نافع بن ارزقؒ نے ان سے پوچھا کہ مجھے "الحرث والنسل" کے بارے میں بتائیے تو انھوں نے فرمایا کہ نسل سے مراد پرندے اور چوپائے ہیں عرض کیا کیا عرب کے لوگ اس معنی سے واقف ہیں فرمایا ہاں کیا تو نے شاعر کا یہ شعر نہیں سنا؟

کھولھم خیرالکھول ونسلھم کنسل الملوک لا تبور ولا تجزی

ترجمہ: جیسے ان کے ادھیڑ عمر کے لوگ بہترین ادھیڑ عمر والے ہیں اور ان کی نسل کے لوگ جیسے بادشاہوں کی نسل ہوتی ہے کہ نہ ہلاک ہوتے ہیں اور نہ رسوا ہوتے ہیں۔

ابن ابی شیبہؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا کہ جس قوم کے پاس نعلین نہ ہوں تو موزے پہن لے۔ پوچھا گیا کہ ان کو کاٹ دے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے۔ (۱)

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۲۰۶ ﴾

اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ سے ڈر تو اس کا غرور نفس اس کو گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے۔ سو اس کے لیے جہنم کافی ہے اور بلاشبہ وہ برا بچھونا ہے۔

اس آیت میں منافقوں کی ایک اور نشانی بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ جھوٹے دعوے کرنے، اور اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھانے اور فتنہ وفساد مچانے کے ساتھ ساتھ اپنے غرور وتکبر کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے بھی سرکشی اور بغاوت پر اتر آتے ہیں، جب لوگ ان کو سمجھاتے ہیں کہ ہنگامہ آرائی، فتنہ وفساد اور ہر قسم کی شرارت چھوڑ کر سیدھے راستہ پر آجاؤ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلو تو وہ غرور وتکبر میں آکر اور زیادہ گناہ پر آمادہ ہوجاتے ہیں اور اپنے جھوٹے وقار کو قائم رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں دلیر ہوجاتے ہیں اور لوگوں پر ظلم کرنے لگتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم تیار کی ہے جہاں انھیں رکھا جائے گا، یہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں گے اور اپنے غرور کا مزہ چکھتے رہیں گے۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ جب اس منافق سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اپنے قول وفعل کے تضاد سے

۱۔ تفسیر الدر منثور

باز آجاؤ تو مارے کبر و غرور کے پھٹ پڑتا ہے اور نصیحت قبول نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کا انجام، ان کے کفر ونفاق اور کبر و غرور کے بدلے جہنم ہے، جو بہت برا ٹھکانا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“ ایک شخص نے کہا، آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، اس کے جوتے اچھے ہوں (کیا یہ بھی تکبر ہے)؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، (لہٰذا اچھی چیز کو پسند کرنا تکبر نہیں) تکبر تو یہ ہے کہ حق کو ٹھکرا دیا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔“ (۱)

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”پروردگار کے سامنے جنت اور دوزخ میں جھگڑا ہوا۔ جنت کہنے لگی، پروردگار! میرا تو حال یہ ہے کہ مجھ میں تو وہی لوگ آرہے ہیں جو دنیا میں ناتواں اور حقیر تھے اور دوزخ کہنے لگی کہ مجھ میں وہ لوگ آرہے ہیں جو دنیا میں متکبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا، تو میری رحمت ہے اور دوزخ سے فرمایا، تو میرا عذاب ہے۔ (۲)

سیدنا حارثہ بن وہبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ جنتی کون ہیں؟ جنتی ہر وہ کمزور اور منکسر المزاج ہے کہ اگر وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ اسے سچا کر دے اور کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ جہنمی کون ہیں؟ جہنمی ہر موٹا، بدمزاج اور متکبر آدمی ہوتا ہے۔“ (۳)

۱۔[مسلم، کتاب الإیمان، باب تحریم الکبر و بیانہ:۹۱]

۲۔[بخاری، کتاب التوحید، باب ما جاء فی قول اللہ (إن رحمة اللہ قریب من المحسنین):۷۴۴۹]

۳۔[بخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب قول اللہ تعالیٰ: (وأقسموا باللہ جهد أیمانهم):۶۶۵۷، ۶۰۷۱]

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ ﴾

اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو خرید لیتا ہے اپنے نفس کو اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

شان نزول

حارث بن ابی امامؒ نے اپنی مسند میں اور ابن ابی حاتمؒ نے سعید بن مسیبؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت صہیبؓ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف ہجرت کر کے روانہ ہوئے تو قریش کی ایک جماعت نے ان کا پیچھا کیا، حضرت صہیبؓ اپنی سواری سے اتر گئے، اور ان کے ترکش میں جو تیر تھے وہ سب نکال لیے اور فرمایا اے قریش کی جماعت تمہیں معلوم ہے کہ میں تم میں سب سے زیادہ تیر انداز ہوں اور اللہ کی قسم تم لوگ میرے قریب اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ میں اپنے تمام تیر تمہیں نہ ماردوں اور اس کے بعد جتنی میرے ہاتھ میں طاقت باقی رہے گی اپنی تلوار سے تم سے جہاد کروں گا۔ اب جو تمہاری مرضی ہو کرو اور تم چاہو تو میں تمہیں اپنا وہ مال بتا دیتا ہوں جو مکہ میں ہے اور تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔

قریش اس پر رضا مند ہو گئے، جب حضرت صہیبؓ مدینہ منورہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ابو یحیی تمہاری تجارت سود مند

رہی، ابو یحیٰ تمہاری تجارت کامیاب ہوگئی اور یہ آیات نازل ہوئیں، (آیت) "ومن الناس من یشری" (الخ)

اور امام حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں اسی طرح ابن مسیب عن صہیبؓ کے ذریعہ سے موصولا روایت کیا ہے اور امام حاکمؒ نے بھی اسی طرح عکرمہؓ کے مراسیل سے روایت کیا ہے۔

اور امام حاکمؒ ہی نے بواسطہ حماد بن سلمہ ثابتؒ، حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے اور اس میں آیت کے نازل ہونے کی وضاحت موجود ہے اور امام حاکمؒ نے فرمایا ہے یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

اور ابن جریرؒ نے عکرمہؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت صہیبؓ ابوداؤدؓ، جندب بن ابی السکن کے بارے میں اتری ہے۔ [۱]

حافظ ابن عساکرؒ روایت کرتے ہیں:

سعید بن مسیبؒ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت صہیبؓ ہجرت کر کے مدینہ جانے لگے تو قریش نے ان کا پیچھا کیا' حضرت صیہبؓ سواری سے اتر گئے اور اپنی کمان کو سیدھا کرلیا اور کہا: اے قریش کی جماعت! تم کو معلوم ہے میں تم سب سے بڑا تیر انداز ہوں اور خدا کی قسم! جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہوگا تم مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے' پھر جب تک میرے ہاتھ میں تلوار رہے گی میں تم سے مقابلہ کرتا رہوں گا اب جو چاہو کرو اور اگر تم چاہو تو میں تم کو بتاتا ہوں میرا مال کہاں رکھا ہے بشرطیکہ تم میرا راستہ چھوڑ دو' انھوں نے کہا: ہاں! سو انھوں نے ایسا ہی کیا جب وہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس پہنچے تو آپ نے دو مرتبہ فرمایا تمہاری بیع نفع یاب ہوئی اور یہ آیت نازل ہوگئی: اور لوگوں میں

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

سے ایک شخص ہے جو اللہ کی رضا جوئی کے بدلہ میں اپنی جان فروخت کر دیتا ہے۔ [١]

امام ابن جریرؒ روایت کرتے ہیں:

عکرمہؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صہیب بن سنانؓ اور حضرت ابوذر غفاری جندب بن سکنؓ کے متعلق نازل ہوئی ہے' حضرت ابوذرؓ کو ان کے گھر والوں نے پکڑ لیا' وہ ان کی گرفت سے نکل کر بھاگے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس پہنچ گئے اور حضرت صہیبؓ کو مشرکین مکہ نے پکڑ لیا' وہ فدیہ میں ان کو اپنا مال دے کر ہجرت کیلیے چل پڑے راستہ میں منقد بن عمیر بن جدعان نے ان کو پکڑ لیا' وہ اس کو باقی ماندہ مال دے کر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

ربیعؒ بیان کرتے ہیں کہ مکہ والوں میں سے ایک شخص مسلمان ہو گیا' اس نے ہجرت کر کے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جانے کا ارادہ کیا' راستہ میں مشرکین نے ان کو پکڑ لیا' انھوں نے کہا: میں تم کو اپنا گھر اور اپنا سارا مال و متاع دیتا ہوں' تم مجھے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جانے دو' پھر وہ اپنا سب کچھ دے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ راستہ میں حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی' انھوں نے کہا: تمہاری بیع نفع بخش ہے' اس میں کوئی گھاٹا نہیں ہے انھوں نے پوچھا؛ کیسی بیع؟ کہا: تمہارے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

مغیرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک لشکر بھیجا۔ لشکر والوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کر لیا' پھر لشکر میں ایک مسلمان نکلا اور قلعہ والوں سے قتال کیا حتی کہ وہ شہید ہو گیا' لوگ کہنے لگے: اس نے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا ہے' حضرت عمرؓ تک یہ خبر پہنچی تو انھوں نے کہا: نہیں یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی جان

١۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ١١ ص ١١٧ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤٠٤ھ)

دے کر اللہ کی رضا کو خرید لیا ہے۔

حسنؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان کا کافر سے مقابلہ ہوا' مسلمان نے کافر سے کہا: لا الہ الا اللہ" پڑھو' تم یہ کلمہ پڑھ لو گے تو تمہاری جان اور مال پر حملہ نہیں ہوگا' کافر نے انکار کیا' مسلمان نے کہا: میں اپنی جان کو اللہ کے ہاتھ بیچتا ہوں' یہ کہہ کر اس کافر پر حملہ کیا اور راہ حق میں شہید ہو گیا۔ (۱)

اس آیت کا سبب نزول سیدنا صہیبؓ کو قرار دیا جاتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ سب صحابہ کا یہی حال تھا۔ صہیبؓ اور ان کے جاں نثار ساتھیوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے، سیدنا عائذ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سیدنا صہیب رومیؓ، سیدنا بلالؓ اور سیدنا سلمانؓ کے متعلق سیدنا ابو بکرؓ سے فرمایا تھا: "اے ابو بکر! شاید تو نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا اگر تم نے ان کو ناراض کر دیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کر دیا۔" (۲)

علامہ آلوسیؒ نے کواشی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت زبیر بن عوامؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ کے متعلق نازل ہوئی ہے' اہل مکہ نے حضرت خبیبؓ کو سولی پر لٹکا دیا تھا۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو خبیبؓ کو سولی پر سے اتارے گا اس کے لیے جنت ہے۔ حضرت زبیرؓ نے کہا: میں اور میرا ساتھی مقداد اتاریں گے' اور شیعہ نے کہا: یہ آیت حضرت علیؓ کے متعلق نازل ہوئی ہے جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو مکہ میں اپنے بستر پر سلا کر چلے گئے تھے۔ (۳)

یہ تمام آثار اس آیت کے نزول کے متعلق اور مطابق ہیں لیکن درحقیقت یہ آیت ان تمام لوگوں کے حق

۱۔(جامع البیان ج ۲ ص ۱۸۷۔۱۸۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

۲۔[مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل سلمان و بلال و صہیب (رض):۲۵۰۴]

۳۔(روح المعانی ج ۲ ص ۹۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میں عام ہے جو نیکی کے کاموں میں حصہ لیتے ہیں اور جو شخص نیکی کی راہ میں مزاحم ہو تو وہ محض اللہ کی رضا کی خاطر اپنی جان اور مال سے اس کے خلاف جہاد کرتے ہیں وہ خود بھی نیک کام کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی نیکی کی تلقین کرتے ہیں، خود بھی برائی سے بچتے ہیں اور دوسروں کو بھی برائی سے روکتے ہیں اور اس عظیم مقصد کے لیے محض اللہ کی رضا کی خاطر ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی دیتے ہیں۔

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱدْخُلُوا۟ فِى ٱلسِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ ۚ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٠٨﴾ ﴾

اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

شان نزول

ابن جریرؒ نے عکرمہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور ثعلبہؓ ابن یامینؓ اسد بن کعبؓ اسید بن کعبؓ سعید بن عمروؓ اور قیس بن زیدؓ اہل کتاب میں سے ان سب حضرات نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا! یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہفتہ کے دن کی ہم تعظیم کرتے ہیں ہمیں اس کی تعظیم کی اجازت دیجئے اور توراۃ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ہمیں رات کو اس پر عمل کرنے کی اجازت دیجیے، اس پر یہ آیت مبارکہ اتری کہ" اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

۔۔ (۱)

علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور اونٹنیوں کے گوشت اور ان کے دودھ کو مکروہ جانتے تھے' مسلمانوں نے اس پر اعتراض کیا تو انھوں نے کہا: ہم دونوں شریعتوں پر عمل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا کہ تورات بھی اللہ کی کتاب ہے' آپ ہمیں اس پر بھی عمل کرنے دیں' تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ' دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی کہ تم اسلام میں ظاہراً و باطناً داخل ہو جاؤ اور نفاق کر کے شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو' تیسرا قول یہ ہے کہ جو اہل کتاب' کتب سابقہ پر ایمان لائے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اصل مقصود ان کی شریعت پر اسلام لانا ہے ان سے خطاب فرمایا گیا ہے کہ تم ہمارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شریعت اور دین اسلام میں داخل ہو جاؤ یہی دین اسلام ہے۔ (۲)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین اسلام کے ساتھ کسی اور دین اور شریعت کی رعیت یا موافقت کرنا جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: تم اس حکم کی مخالفت کر کے اور متعدد شریعتوں میں متفرق ہو کر شیطان کی پیروی نہ کرو' بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ''جو شخص کسی

۱۔''(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

۲۔(روح المعانی ج ۲ ص ۹۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

(دوسری) قوم سے مشابہت کرے تو وہ انھی میں سے ہے۔"[۱]

﴿ فَاِنۡ زَلَلۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡكُمُ الۡبَيِّنٰتُ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝۲۰۹ ﴾

پھر اگر تم واضح دلائل آ جانے کے باوجود بھی پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب' حکمت والا ہے۔

بینات کی تفسیر

اگر پہلی آیت میں کفار سے خطاب ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اگر بینات (روشن دلیلیں) آنے کے بعد تم کفر کرو تو یقین کرو کہ اللہ بہت غالب ہے اور اگر اس میں مسلمانوں سے خطاب ہے تو مراد یہ ہے کہ اگر بینات آنے کے بعد تم معصیت کرو' یا خطا کرو یا گمراہی پر رہو تو یقین رکھو کہ اللہ بہت غالب ہے' بڑی حکمت والا ہے۔

بینات سے مراد اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلائل ہیں' یا اس سے مراد حضرت سیدنا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور آپ کو تعظیماً جمع سے تعبیر فرمایا ہے' ہر چند کہ آپ واحد بالشخص ہیں' لیکن آپ معنیً کثیر ہیں یا اس سے مراد قرآن مجید ہے۔

۱۔ [أبوداؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرة: ۴۰۳۱]

﴿ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ وَقُضِىَ الۡاَمۡرُ ‌ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۲۱۰﴾ ﴾

وہ اس کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ بادل کے سائبانوں میں آجائے اور فرشتے بھی اور کام تمام کر دیا جائے اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعے اسلام کے حق ہونے کی دلیلیں پیش کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ اب اگر کوئی شخص حق واضح ہونے کے بعد بھی اس پر ایمان نہیں لاتا، بس معجزوں کا مطالبہ ہی کرتا چلا جاتا ہے، تو اسے جان لینا چاہیے کہ غیبی حقیقتیں ظاہر ہونے کے بعد ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ پھر کسی کو ایمان لائے بغیر چارہ ہی نہیں ہوگا، چنانچہ ارشاد فرمایا: (هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ اَوۡ يَاۡتِىَ رَبُّكَ اَوۡ يَاۡتِىَ بَعۡضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ)[الانعام:۱۵۸] ”وہ اس کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا تیرا رب آئے، یا تیرے رب کی کوئی نشانی آئے۔“ اور فرمایا: (كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الۡاَرۡضُ دَكًّا دَكًّا ۔ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۔ وَجِاۡىۡٓءَ يَوۡمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوۡمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكۡرٰى)[الفجر:۲۱ تا ۲۳] ”ہرگز نہیں، جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔ اور تیرا رب آئے گا اور فرشتے جو صف در صف ہوں گے۔ اور اس دن جہنم کو لایا جائے گا، اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور (اس وقت) اس کے لیے نصیحت کہاں۔“

زیر تفسیر آیت میں یہی بات فرمائی کہ اتنے واضح دلائل کے بعد اب یہی باقی رہ جاتا ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ خود بادل کے سائبانوں میں آجائے اور فرشتے، مگر پھر تو کام تمام ہو چکا ہوگا اور دنیا میں تو بظاہر کچھ اور لوگوں کے پاس بھی معاملات لے جائے جاتے ہیں، لیکن اس وقت سارے معاملات اکیلے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے زمین پر اترنے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر کیا ہے۔ تمام صحابہ اور تابعین اللہ تعالیٰ کے نزول پر ایمان رکھتے تھے کہ جس طرح اللہ کی شان کے لائق ہے وہ ہر رات آسمان دنیا پر اترتا ہے۔ نہ یہ کہتے کہ کس طرح اترے گا یا وہ عرش پر کس طرح ہے؟ (جسے تکییف کہتے ہیں)، نہ وہ اس کے عرش پر ہونے کو یا اس کے اترنے کو اپنی طرح یا کسی مخلوق کی طرح قرار دیتے ہیں (جسے تشبیہ کہتے ہیں)، نہ یہ کہ ہمیں معلوم ہی نہیں کہ ان الفاظ کا معنی کیا ہے؟ بس یہ اللہ ہی جانتا ہے (جسے تفویض کہتے ہیں)۔ بعد میں آنے والے لوگوں نے غیر مسلموں سے متاثر ہو کر کسی نے سرے سے ان صفات کا انکار ہی کر دیا، کسی نے تاویل کی، کسی نے اپنے پاس سے کیفیت متعین کی، کسی نے مخلوق کے ساتھ مشابہ کر دیا، یہ تمام صورتیں درحقیقت انکار ہی کی صورتیں ہیں۔

ابن مردویہؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ اولین و آخرین کو دن قیامت مقرر وقت پر جمع فرمائیں گے۔ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی آسمان کی طرف وہ فیصلہ کے منتظر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نزول فرمائیں گے بادلوں کے سایہ میں عرش سے کرسی پر (اپنی شان کے لائق)

ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتمؒ، ابوالشیخ نے العظمہ میں عبداللہ بن عمروؓ سے اس آیت کے بارے

میں روایت کیا (اللہ تعالیٰ) اتریں گے ان کے اور ان کی مخلوق کے درمیان ستر ہزار حجاب ہوں گے۔ ان میں سے کچھ نور، ظلمت اور پانی کے ہوں گے اس ظلمت میں پانی آواز دے گا کہ جس سے دل دہل جائیں گے۔

عبد بن حمیدؒ، ابو یعلیؒ ، ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتم ؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ دن قیامت بادلوں کے سایہ میں تشریف لائیں گے تو سارے پردے کٹ چکے ہوں گے۔

عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتم ؒ نے مجاہدؒ سے لفظ آیت " فی ظلل من الغمام " کے بارے میں روایت کیا کہ وہ بادل ہوگا اور وہ بنی اسرائیل کے لیے ان کے تیہ کے میدان میں آیا تھا اس میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تشریف لائیں گے اس میں فرشتے بھی آئیں گے۔

ابن جریرؒ، دیلمی ؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بادلوں کے پردے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ پوشیدہ ہو کر تشریف لائیں گے اور اس آیت میں لفظ آیت "ہل ینظرون الا ان یاتیہم اللہ فی ظلل من الغمام" اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ابو عبیدہؒ، ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتم ؒ، بیہقی ؒ نے الاسماء والصفات میں ابو العالیہؒ سے روایت کیا کہ ابی بن کعبؓ کی قرأت اس طرح تھی لفظ آیت "ہل ینظرون الا ان یاتیہم اللہ فی ظلل من الغمام" فرمایا کہ فرشتے آئیں گے بادلوں کے سائے میں اور یہ اس قول کی طرح ہے لفظ آیت " ویوم تشقق السماء بالغمام ونزل الملئکۃ تنزیلا"

ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم ؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت " فی ظلل من الغمام " سے مراد ہیں

پردے اور والملائکۃ سے مراد ہے کہ فرشتے اس کے گرد ہوں گے۔

ابن ابی حاتمؒ نے قتادہؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کے سایہ میں ان کے پاس آئیں گے اور ان کے پاس فرشتے آئیں گے موت کے وقت۔

عکرمہؒ سے روایت کیا کہ "وقضی الامر" سے راد ہے جب قیامت قائم ہوگی۔

﴿ سَلۡ بَنِيۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ كَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنۡ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنۡ يُّبَدِّلۡ نِعۡمَةَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿٢١١﴾ ﴾

بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے ان کو کتنی کھلی نشانیاں دیں اور جو اللہ کی نعمت کو اس کے پانے کے بعد بدل ڈالے تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

بنواسرائیل کا اللہ کی نعمتوں کو کفر سے تبدیل کرنا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ بادلوں کے سائبانوں میں اللہ کا عذاب آجائے، بظاہر یہ امر بہت حیران کن تھا، لیکن بنواسرائیل بادلوں کی آیات اور نشانیوں کا کئی بار مشاہدہ کر چکے تھے، جب انھیں مصر سے نکالا گیا تھا اور پہاڑ طور پر وہ ان آیات کا مشاہدہ کر چکے تھے اس لیے فرمایا: اگر تم کو یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہو تو بنواسرائیل سے پوچھو ہم ان کو کتنی نشانیاں دے چکے ہیں، وہ اس کا انکار نہیں کر سکتے اور ان آیات کا نازل ہونے کے بعد ان کا سکوت کرنا ان کے اقرار کی

دلیل ہے۔اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ مسلمان بنو اسرائیل کی تاریخ پر توجہ کریں' ان کے بادشاہوں علماء' ان کے بدلتے ہوئے حالات اوران کے فرقوں میں تقسیم ہونے پر غور کریں اور وہ جن طرح طرح کی آزمائشوں سے گزرے ہیں ان سے عبرت حاصل کریں۔اس آیت کا یہ منشاء نہیں ہے کہ خود نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یا صحابہ بنو اسرائیل سے جا کر پوچھیں کہ تم پر اللہ کی کتنی نشانیاں اتر چکی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو بہت سی نعمتیں عطا فرمائی تھیں جن کو انھوں نے تبدیل کر دیا تھا اور اس کی وجہ سے ان پر طرح طرح کے عذاب آتے رہے' ان کو اللہ تعالیٰ نے توراۃ عطا کی' انھوں نے اس پر عمل کرنے کے بجائے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا' پھر پہاڑ طور کو ان کے سروں پر معلق کر دیا اور فرمایا: اس کو قبول کرو ورنہ یہ پہاڑ تم پر آ گرے گا' ان کو اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کی نعمت عطا کی' انھوں نے اس کا صلہ یہ دیا کہ اللہ کو دیکھے بغیر اس پر ایمان لانے سے انکار کر دیا' سو ایک کڑک نے ان کو ہلاک کر دیا' ان پر من وسلویٰ نازل کیا گیا' انھوں نے نافرمانی کر کے اس کو بچا کر رکھنا شروع کیا نتیجۃً وہ سڑنے لگا ان سے کہا گیا کہ "حطۃ" کہنا انھوں نے اس کے بجائے "حنطۃ فی شعیرۃ" کہا ان سے کہا گیا تھا: شرک نہ کرنا' انھوں نے گوسالہ پرستی کی' ان سے کہا گیا تھا کہ ہفتہ کو مچھلیوں کا شکار نہ کرنا' انھوں نے ہفتہ کے دن مچھلیوں کو حوضوں میں جمع کر لیا جس کی سزا میں ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمت ملنے کے بعد اس کو بدل دیتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب دیتا ہے۔

یہ تو بنو اسرائیل کے آباء واجداد کو دی ہوئی نعمتوں' ان کی ناشکری اور ان پر ملنے والی سزاؤں کا بیان تھا اور نزول وحی کے زمانہ میں جو بنو اسرائیل تھے انھوں نے اللہ کی جس نعمت کے ساتھ کفر کیا وہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت ہے۔امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباسؓ نے (آیت)"

الذین بدلوا نعمت اللہ کفرا" (ابراہیم: ۲۸) کی تفسیر میں فرمایا: اللہ کی نعمت کو بدلنے والے کفار قریش ہیں اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کی نعمت ہیں۔[۱]

تمام نعمتوں کی اصل اور نعمت عظمیٰ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو وجود مسعود ہے' بنواسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لانے کی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی لیکن انھوں نے ناشکری کی اور آپ پر ایمان لانے کے بجائے آپ کا کفر کیا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کافروں کے لے دنیا کی زندگی مزین کردی گئی ہے۔(البقرہ: ۲۱۲)

اللہ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ تبدیل کرنے کا سبب

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ بنواسرائیل نے اللہ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ تبدیل کردیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا کوئی محض اللہ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ بھی بدل سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کے قبضہ میں جو اس کی پسندیدہ' خوش نما اور دیدہ زیب چیزیں ہوتی ہیں وہ صرف انہی کو دیکھتا ہے' اور دنیا کی زندگی کے ظاہری حسن و جمال اور وقتی فوائد کو دیکھتا ہے اور عقل کی آنکھوں سے ان چیزوں کی باطنی خرابیوں کو نہیں دیکھتا' دنیا کی رانگینیاں اور عیش و آرام انسان کے دل کو لبھاتے ہیں' شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا: (آیت) "قال رب بما اغویتنی لازینن لھم فی الارض ولاغوینھم اجمعین "۔(الحجر: ۳۹) ترجمہ: شیطان نے کہا: اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کردیا ہے اس لیے میں ضرور زمین میں ان کے لیے (برے کاموں کو) مزین کردوں گا اور میں ضرور ضرور ان سب کو گمراہ کردوں گا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آیت) "فیحلوا ما حرم اللہ زین لھم سوء اعمالھم "۔(التوبہ: ۳۷) ترجمہ

۱۔(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

: جس کو اللہ نے حرام کیا یہ اس کو حلال کرتے ہیں ان کے برے اعمال مزین کردیئے گئے۔ تو اللہ کی نعمتوں کا کفر کرنے کا سبب یہ ہے کہ شیطان نے ان کے لیے کفر اور برے اعمال کو مزین کردیا ہے اور ان کے لیے خوش نما بنادیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی مرد اور عورت زنا کے جرم میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس لائے گئے، آپ نے ان سے پوچھا: "تم (اس کی سزا) اپنی کتاب میں کیا پاتے ہو؟" انھوں نے کہا، ہمارے علماء نے (رجم کی جگہ) یہ سزا تجویز کی ہے کہ زانی کا منہ کالا کیا جائے اور اس کو گدھے پر الٹا سوار کیا جائے۔ [۱]

﴿ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾ ﴾

جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، ان کے لیے دنیوی زندگی بڑی دلکش بنادی گئی ہے، اور وہ اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں، حالانکہ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے وہ قیامت کے دن ان سے کہیں بلند ہوں گے، اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

۱۔ [بخاری، کتاب الحدود، باب الرجم فی البلاط: ٦٨١٩]

شان نزول

حضرت بلالؓ، حضرت صہیبؓ، اور حضرت ابن مسعودؓ ایسے فقراء مسلمین کو دیکھ کر کافر ان کا مذاق اڑاتے تھے اور اپنے دنیاوی مال و دولت اور عیش و آرام کی وجہ سے اپنے آپ کو ان سے بلند اور بڑا سمجھتے تھے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی، کہ قیامت کے دن یہ نیک مسلمان سربلند ہوں گے اور کفار ذلت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہؒ بیان کرتے ہیں کہ کفار نے کہا: اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبی ہوتے تو ہمارے بڑے بڑے ان کی اتباع کرتے، بہ خدا! ان کی اتباع تو عبداللہ بن مسعودؓ ایسے لوگ کر رہے ہیں۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں کے لیے دنیا کی زندگی کو خوش رنگ بنا دیا گیا ہے، جس پر وہ خوش اور مطمئن ہیں، دولت جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیاوی مال و متاع ہی حقیقت میں سعادت ہے اور جو اس سے محروم ہے وہ شقی و بد بخت ہے، لیکن اہل ایمان دنیا سے اعراض کرتے ہیں اور جو مال وہ حاصل کرتے ہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اس لیے قیامت کے دن ان کا مقام جنت اور کفار کا ٹھکانا جہنم ہوگا، وہ علیین میں ہوں گے اور کفار اسفل السافلین میں۔

اور چاہے دنیاوی رزق ہو یا اخروی نعمت، اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کو کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ اسی کے تصرف میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کافروں کے لیے دنیا کی زندگی کو

۱۔ (جامع البیان ج۲ ص ۱۹٤، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱٤۰۹ھ)

زیب وزینت دی گئی ہے۔ وہ دنیا کی زیب وزینت ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں اور اسی میں مگن ہیں، حالانکہ دنیا کی زیب وزینت اور مال ودولت جنت کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۔ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۔ لٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾ [آل عمران: ۱۹۶ تا ۱۹۸] ”تجھے ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے جنھوں نے کفر کیا۔ تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا بچھونا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈر گئے، ان کے لیے باغات ہیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ ان میں رہنے والے ہیں، اللہ کے پاس سے مہمانی کے طور پر اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے بہتر ہے۔“ اور فرمایا: ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ [طٰہٰ: ۱۳۱] ”اور اپنی آنکھیں ان چیزوں کی طرف ہرگز نہ اٹھا جو ہم نے ان کے مختلف قسم کے لوگوں کو دنیا کی زندگی کی زینت کے طور پر برتنے کے لیے دی ہیں، تاکہ ہم انھیں اس میں آزمائیں اور تیرے رب کا دیا ہوا سب سے اچھا اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔“

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ دنیا وما فیھا سے بہتر ہے۔“ [1]

سیدنا مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ کی قسم!

---

[1] بخاری، کتاب الرقاق، باب مثل الدنیا فی الآخرۃ: ٦٤١٥

آخرت کے مقابلے میں دنیا ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی کو سمندر میں ڈالے، پھر دیکھے کہ وہ کتنی تری لے کر لوٹتی ہے۔"[۱]

سیدنا سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اگر دنیا کی قدر و قیمت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔"[۲]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بیشک کافر جب کوئی نیک عمل اللہ کے لیے کرتا ہے تو اس کا بدلہ اسے دنیا (کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کی صورت میں دنیا) میں دے دیا جاتا ہے۔"[۳]

وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: اہل ایمان کے فقر و سادگی کا کفار جو استہزا و تمسخر اڑاتے، اس کا ذکر فرما کر کہا جا رہا ہے کہ قیامت والے دن یہی فقرا و اتقیا اپنے رب کی رحمت سے ان سے مقام میں بلند و بالا ہوں گے، ارشاد فرمایا: (وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۔ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا) [الطلاق: ۲، ۳] "اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔ اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا اور جو کوئی اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اسے کافی ہے، بیشک اللہ اپنے کام کو پورا کرنے والا ہے، یقیناً اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔"

۱۔ [مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمها، باب فناء الدنیا وبیان الحشر یوم القیامۃ: ۲۸۵۸]

۲۔ [ترمذی، کتاب الزہد، باب ما جاء فی ھوان الدنیا علی اللہ: ۲۳۲۰]

۳۔ [مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب جزاء المؤمن بحسناتہ فی الدنیا والآخرۃ۔۔۔ الخ: ۲۸۰۸]

وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ: ارشاد فرمایا: (مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ)[المؤمن: ٤٠] "جس نے کوئی برائی کی تو اسے ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا اور جس نے کوئی نیک عمل کیا، مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہوا تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اس میں بے حساب رزق دیے جائیں گے۔"

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ابن آدم! تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔" (١)

سیدنا ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہر روز صبح کے وقت دو فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے، اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا عوض عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے، اے اللہ! بخل کرنے والے کے مال کو تباہ و برباد فرما۔" (٢)

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ابن آدم کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال تو صرف وہ ہے جسے تو نے کھالیا اور ہضم کرلیا، یا پہن لیا اور بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کرکے آگے بھیج دیا۔" ایک روایت میں ہے: "اس کے سوا جو ہے تو وہ جانے والا ہے اور تو اسے لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔" (٣)

١۔ [بخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الأھل۔۔ الخ: ٥٣٥٢]
٢۔ [بخاری، کتاب الزکوة، باب قول اللہ تعالیٰ (وَأَمَّا مَنْ أَعْطٰی وَاتَّقٰی۔۔ الخ): ١٤٤٢۔ مسلم، کتاب الزکوة، باب فی المنفق والممسک: ١٠١٠]
٣۔ [مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنة للکافر: ٢٩٥٨، ٢٩٥٩]

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ
وَمُنْذِرِيْنَ ۖ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ
النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ
اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ
يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢١٣﴾

لوگ ایک امت تھے۔ پھر اللہ نے نبیوں کو بھیجا، بشارت دینے والے اور ڈرانے والے اور ان پر کتاب اتاری حق کے ساتھ۔ تا کہ وہ فیصلہ کریں لوگوں میں ان باتوں کا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ اور نہیں اختلاف کیا کتاب میں مگر ان لوگوں نے جنھیں کتاب دی گئی تھی۔ اس کے بعد کہ آ چکے تھے ان پر واضح دلائل آپس میں ضد کی وجہ سے۔ پھر اب اللہ نے ہدایت کی ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اس سچی بات کی جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا اپنے حکم سے۔ اور اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف۔

تاریخ انسانیت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ لوگ دنیا کی محبت کی وجہ سے کفر پر اصرار کرتے ہیں‘ اب یہ بیان فرمایا ہے کہ کفر اور گمراہی کا یہ سبب نیا نہیں ہے بلکہ پہلے بھی یہی سبب تھا‘ تمام لوگ پہلے دین حق پر تھے پھر دنیا کی محبت کی وجہ سے انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کی اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

تمام لوگ امت واحدہ تھے‘ اس کا معنی ہے: تمام لوگ دین واحد پر تھے‘ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ نے کہا: یہاں لوگوں سے مراد وہ قرن ہیں جو حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان تھے اور یہ دس قرن ہیں جو دین حق پر رہے‘ پھر بعد میں ان کے درمیان اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو مبعوث فرمایا‘ ابن ابی خیثمہؒ نے کہا: اس سے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک کے قرن مراد ہیں اور یہ پانچ ہزار آٹھ سو سال کے زمانہ میں پر محیط لوگ ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے زیادہ زمانہ کے لوگ ہیں‘ حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان بارہ سال گزرے‘ حضرت آدمؑ نو سو ساٹھ سال زندہ رہے‘ ان کے زمانہ میں تمام لوگ ایک دین پر تھے‘ فرشتے ان سے مصافحہ کرتے تھے‘ پھر حضرت ادریسؑ حضرت نوح (علیہ السلام) کے بعد مبعوث ہوئے تھے‘ کلبی اور واقدیؒ نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت نوح (علیہ السلام) اور ان کی کشتی کے لوگ ہیں‘ یہ تمام لوگ دین حق پر تھے‘ حضرت نوحؑ کی وفات کے بعد ان میں اختلاف ہو گیا۔ [1]

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۳۱۔ ۳۰ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

حضرت ابن عباس ؓ کی تفسیر یہ ہے کہ تمام لوگ امت واحدہ تھے یعنی تمام لوگ کافر تھے' اور حضرت ابن مسعود ؓ کی قراءت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ پہلے تمام لوگ دین حق پر تھے بعد میں انھوں نے مختلف دنیاوی اغراض کی بناء پر ایک دوسرے سے اختلاف کیا اور بغاوت کی' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے انبیاء رسل بھیجے' ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کل نبیوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں تین سو تیرہ رسول ہیں۔ محققین کے نزدیک اس آیت کی صحیح تفسیر یہی ہے کہ پہلے تمام لوگ دین حق پر تھے بعد میں ان کے درمیان اختلاف ہوا اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں:

ابتداء میں نوع انسان کے دین حق پر ہونے کے دلائل

(۱) اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ پہلے تمام لوگ ایک دین پر تھے' پھر ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا۔ اگر وہ تمام لوگ کفر پر تھے تو رسولوں کو پہلے بھیجنا چاہیے تھا۔

(۲) نقل متواتر سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ان کی اولاد کی طرف مبعوث فرمایا: ان کی تمام اولاد مسلمان اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار تھی' اور اس وقت تک ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوا حتی کہ قابیل نے حسد سے ھابیل کو قتل کر دیا۔

(۳) جب طوفان سے تمام روئے زمین کے لوگ غرق ہو گئے اور صرف کشتی کے لوگ بچے یہ باقی ماندہ لوگ سب دین حق پر تھے' پھر اس کے بعد ان میں اختلاف ہوئے۔

(٤) امام بخاری حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہر مولود فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی

بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔الحدیث۔ (۱)

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کسی بچہ کو اس کی اصلی فطرت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ کسی باطل دین پر نہیں ہوگا' کسی باطل دین کو اختیار کرنے کے سبب اس کے والدین کی کوشش ہوتی ہے یا دنیا کی محبت یا حسد' بغض اور دیگر اغراض فاسدہ ہوتی ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے یوم میثاق میں فرمایا تھا: (آیت) "الست بربکم' قالوا بلی"۔ (الاعراف:۱۷۲) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! اس دن سب لوگوں کا ایک ہی دین تھا اور وہ دین حق تھا۔

تمام انسانوں کا دین صرف اسلام ہے

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام نوع انسان کے لیے ایک ہی دین ہے اور وہ دین اسلام ہے' اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں اور رسولوں کو اسی دین کی رہنمائی کے لیے بھیجا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(آیت) "شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسی وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ"۔ (الشوریٰ:۱۳)

ترجمہ: اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کو مقرر کیا ہے جس دین کی اس نے نوحؑ کو وصیت کی تھی اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے اور جس دین کی ہم نے ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو وصیت کی تھی کہ تم اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

۱۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(آیت) ”ان الدین عند اللہ الاسلام“ (آل عمران:١٩)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔

(آیت) ”ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ“۔ (آل عمران:٨٥)

ترجمہ: اور جس شخص نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کیا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

ان آیات سے واضح ہوگیا کہ حضرت آدم (علیہ السلام) سے لے کر ہمارے رسول سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک تمام نبیوں اور رسولوں کا ایک ہی دین تھا اور وہ دین اسلام ہے‘ البتہ شریعتیں سب نبیوں کی الگ الگ ہیں‘ دین سے مراد وہ اصول اور عقائد ہیں جو تمام نبیوں میں مشترک ہیں‘ جیسے الوہیت‘ توحید باری‘ نبوت‘ تقدیر‘ وحی‘ فرشتے‘ کتب سماویہ‘ قیامت‘ حساب وکتاب اور جنت اور دوزخ پر ایمان لانا اور ہر نبی کے زمانہ میں اس زمانہ کے مخصوص حالات‘ تہذیب اور رسم و رواج کے اعتبار سے عبادت کے جو طریقے مقرر کیے گئے وہ اسی نبی کی شریعت ہیں‘ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(آیت) ”لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا“۔ (المائدہ:٤٨)

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً: اس آیت میں اس تاریخی حقیقت کا انکشاف فرمایا ہے کہ انسانیت کی ابتدا کفر و شرک اور عظیم الشان مخلوقات، مثلاً سورج، چاند، بجلی، ہوا، پانی، فرشتوں اور نیک انسانوں وغیرہ کی پرستش سے نہیں ہوئی بلکہ خالص توحید سے ہوئی، ابتدا میں تمام انسان ایک ہی دین (توحید) رکھتے تھے اور ایک ہی ان کی ملت تھی۔ آدم (علیہ السلام) سے لے کر نوح (علیہ السلام) تک لوگ اسی توحید

پر قائم رہے، جس کی تعلیم انبیاء دیتے رہے۔ اس کے بعد شیطان کی وسوسہ اندازی سے ان کے اندر اختلاف پیدا ہوگیا اور شرک و مظاہر پرستی عام ہوگئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا)[یونس:۱۹] "اور نہیں تھے لوگ مگر ایک ہی امت، پھر وہ جدا جدا ہوگئے۔" اور فرمایا: (اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ)[الانبیاء:۹۲،۹۳] "بیشک یہ ہے تمہاری امت جو ایک ہی امت ہے اور میں ہی تمہارا رب ہوں، سو میری عبادت کرو۔ اور وہ اپنے معاملے میں آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ سب ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں۔" اور فرمایا: (وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۔ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ)[المؤمنون:۵۲،۵۳] "اور بیشک یہ تمہاری امت ہے، جو ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، سو مجھ سے ڈرو۔ پھر وہ اپنے معاملے میں آپس میں کئی گروہ ہوکر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ ہر گروہ کے لوگ اسی پر خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔"

لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ: اختلاف ہمیشہ راہ حق سے انحراف کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس انحراف کا منبع بغض و عناد بنتا ہے، ارشاد فرمایا: (فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ)[الجاثیۃ:۱۷] "پھر انھوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آگیا، آپس میں ضد کی وجہ سے۔" اور فرمایا: (وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ)[آل عمران:۱۹] "انھوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا،

آپس میں ضد کی وجہ سے اور جو اللہ کی آیات کا انکار کرے تو بیشک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔“
اور فرمایا: (وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا)[آل عمران: ۱۰۳] ”اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔“

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اختلاف نہ کیا کرو، اس لیے کہ تم سے پہلے لوگوں نے اختلاف کیا تھا اور وہ اسی اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔“ [۱]

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دو آدمیوں کی آواز سنی جو ایک آیت میں اختلاف کر رہے تھے۔ آپ باہر تشریف لائے، آپ کے چہرے سے غصے کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ (اللہ کی) کتاب میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔“ [۲]

سیدنا ابوبردہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سیدنا معاذ اور سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن بھیجا تو فرمایا: ”آسانیاں پیدا کرنا، سختیاں نہ کرنا، خوشخبریاں سنانا، نفرت نہ دلانا، اتفاق رکھنا، اختلاف نہ کرنا۔“ [۳]

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ: یعنی پہلی امتوں میں لاعلمی کی وجہ سے نہیں، باہمی حسد، ضد اور سرکشی کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوئے، جس سے وہ فرقوں میں بٹ گئیں اور گمراہ ہو گئیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری نبی بھیج کر اور اس پر اپنی آخری کتاب نازل فرما کر تمام

۱۔[بخاری، کتاب أحادیث الانبیاء باب: ۳۴۷۶]
۲۔[مسلم، کتاب العلم، باب النھی عن اتباع متشابہ القرآن۔۔ الخ: ۲۶۶۶]
۳۔[بخاری، کتاب الجھاد، باب ما یکرہ من التنازع۔۔ الخ: ۳۰۳۸]

اختلافات کا فیصلہ فرما دیا اور اپنی توفیق خاص سے مومنوں کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کر دی ہے۔

سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ہم اگرچہ آخر میں آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن ہم پہلے ہوں گے (جنت میں ہم دوسرے لوگوں سے پہلے داخل ہوں گے) گو انھیں کتاب ہم سے پہلے ملی ہے اور ہمیں ان کے بعد ملی ہے۔ انھوں نے جس امر حق میں اختلاف کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ہمیں اس کی راہ دکھا دی ہے۔ مثلاً یہ دن ان پر فرض کیا گیا، لیکن اس دن میں انھوں نے اختلاف کیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے بارے میں ہدایت فرما دی ہے۔ چنانچہ لوگ اس دن (جمعے کے حوالے) سے ہم سے پیچھے ہیں۔ اس کے بعد کا دن (ہفتہ) یہودیوں کا دن ہے اور اس کے بعد والا دن (اتوار) عیسائیوں کا ہے۔“[۱]

سیدنا ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”تم ضرور ہی اپنے سے پہلے لوگوں کے پیچھے چل پڑو گے، جس طرح بالشت بالشت کے برابر اور ہاتھ ہاتھ کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی ضب (سانڈے) کے بل میں جا گھسے ہوں تو تم بھی ان کے پیچھے جاؤ گے۔“ پوچھا گیا، یا رسول اللہ! اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ فرمایا: ”پھر اور کون ہیں۔“[۲]

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ : ارشاد فرمایا: ﴿يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ [المائدۃ:١٦] ”جس کے ساتھ اللہ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیچھے چلیں، سلامتی کے

۱۔ [بخاری، کتاب الجمعۃ، باب فرض الجمعۃ۔۔۔ الخ:٨٧٦۔ مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ھدایۃ ھذہ الأمۃ لیوم الجمعۃ:٨٥٥]

۲۔ [بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب قول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ”لتتبعن سنن من کان قبلکم“:٧٣٢٠۔ مسلم، کتاب العلم، باب اتباع سنن الیھود والنصاری:٢٦٦٩]

راستوں کی ہدایت دیتا ہے اور انھیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور انھیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔“

سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے: (اَللّٰھُمَّ ! رَبَّ جِبْرَءِیْلَ وَمِیْکَاءِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ، فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ، عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ، اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ اِھْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ، اِنَّكَ تَھْدِیْ مَنْ تَشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ) ”اے اللہ! اے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! پوشیدہ اور ظاہر کا علم رکھنے والے! جن باتوں میں تیرے یہ بندے اختلاف کر رہے ہیں تو ہی ان کا فیصلہ فرمائے گا، اور حق کے بارے میں جو اختلاف دنیا میں ہو رہا ہے اس میں اپنے فضل سے میری راہنمائی فرما، بیشک تو ہی جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔“[1]

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ﴿۲۱۴﴾ ﴾

۱۔ [مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب صلوۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ودعاہ باللیل: ۷۷۰]

کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ تم جنت میں ایسے ہی داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ انھیں تنگیاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ جھنجھوڑ دیے گئے حتیٰ کہ رسول اور اس پر ایمان لانے والے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سنو اللہ کی مدد قریب ہے۔

شانِ نزول

اس آیت کے شان نزول کے متعلق متعدد اقوال ہیں، بعض نے کہا: یہ ہجرت کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی، بعض نے کہا: جنگ احد کے موقع پر نازل ہوئی، امام ابن جریر طبری ؒ نے قتادہ کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ یہ آیت جنگ خندق کے موقع پر نازل ہوئی۔ [۱]

جب ۵ ہجری میں کفار کی متعدد جماعتیں مدینہ پر حملہ آور ہوئیں اور مسلمانوں نے شہر کے گرد خندق کھود کر مدینہ کا دفاع کیا، ان دنوں میں سخت سردی پڑ رہی تھی اور مسلمانوں کے پاس ہتھیار اور خوراک کی بہت کمی تھی اور یہود کے تعاون سے مشرکین کے متعدد قبائل نے مرکز اسلام کا محاصرہ کیا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں اس وقت مسلمانوں کی حالت کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے:

(آیت) ”اذ جآءوکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا۔ ھنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالا شدیدا۔ (الاحزاب:۱۱۔۱۰)

ترجمہ: جب تمہارے اوپر اور نیچے سے کافر تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں اور دل منہ

۱۔(امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان ج ۲ ص ۱۹۸، مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

کو آنے لگے، اور تم اللہ کے متعلق (امید و بیم میں) طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ یہ وہ وقت تھا جب مسلمانوں کی آزمائش کی گئی تھی اور وہ نہایت سختی سے جھنجھوڑ دیئے گئے تھے۔

راہ حق میں پیش آنے والے مصائب

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ جسے چاہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے اور صراط مستقیم پر چلنے سے جنت حاصل ہوتی ہے، اب اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ جنت کے حصول کے لیے صراط مستقیم پر چلنا آسان نہیں ہے، اس راہ میں بہت مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور بہت مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں، بہت آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے اور بہت قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلمان ہونا:

چوں میگویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلات لا الہ را۔

مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاری اور مشرکین کی مخالفت ان کے ساتھ آئے دن کی لڑائیوں، ان کے طعنوں، استہزاء اور ان کی فتنہ سامانیوں سے گھبرا نہ جانا ابھی تو تمہارا ایسی آزمائشوں سے سابقہ نہیں پڑا ہے جن آزمائشوں سے تم سے پہلے مسلمان گزر چکے ہیں۔

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت خباب بن ارتؓ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے شکایت کی، اس وقت آپ کعبہ کے سائے میں ایک چادر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے، انھوں نے کہا: آپ ہمارے لیے مدد کیوں نہیں طلب کرتے اور ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا اور اس کو گڑھے میں کھڑا کیا جاتا، پھر

آرے کو اس کے سر پر رکھ کر اس کا سارا جسم چیر دیا جاتا اور یہ چیز اس کو اس کے دین سے نہیں ہٹا سکتی تھی، اور کسی شخص کے جسم کو لوہے کی کنگھی سے چھیل دیا جاتا' وہ کنگھی اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں کو کاٹتی ہوئی چلی جاتی اور اس کے پائے ثبات میں جنبش نہیں آتی تھی۔ (۱)

سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے شکایت کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس وقت کعبہ کے سائے میں اپنی چادر کے ذریعے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمارے لیے اللہ سے مدد طلب نہیں کریں گے؟ کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں فرمائیں گے؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم سے پہلے ایک آدمی کے لیے گڑھا کھودا جاتا، پھر اس کو اس میں کھڑا کر کے آرا لا کر اس کے سر پہ رکھ کر اسے دو حصوں میں چیر دیا جاتا، لیکن یہ (اذیت) اسے اس کے دین سے نہ روکتی، اسی طرح کسی کی ہڈیوں اور پٹھوں سے گوشت لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ اتار دیا جاتا، لیکن یہ (اذیت) بھی اسے دین سے نہ روک سکتی تھی، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور پورا فرمائے گا حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک آئے گا اور اسے اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہوگا، یا صرف بھیڑیے کا خوف ہوگا کہ کہیں اس کی بکریوں کو نہ کھا جائے۔" (۲)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہرقل نے ابوسفیان سے یہ سوال کیا تھا کہ کیا تم نے اس نبی سے جنگ بھی کی ہے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا، ہاں! پھر ہرقل نے پوچھا کہ تمہاری جنگ کیسی رہی

۱۔ (صحیح بخاری ج۱ ص ۵۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ) اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۱۱، ۱۱۰۔۱۰۹، مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

۲۔ [بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الإسلام: ۳٦۱۲]

؟ تو ابوسفیان کہتے ہیں، میں نے جواب دیا کہ ہمارے مابین جنگ ڈول کے مانند ہے جسے کبھی وہ ہم پر انڈیل دیتے ہیں اور کبھی ہم ان پر انڈیل دیتے ہیں۔ ہرقل نے کہا کہ انبیاء کی اسی طرح آزمائش ہوتی ہے اور بالآخر انجام کار رخ فتح ونصرت انھی کی قدم بوسی کرتی ہے۔ (۱)

حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ: ابن ابی ملیکہؒ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عباسؓ اس آیت: (حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا)[یوسف:۱۱۰] میں (كُذِبُوْا کو ذال کی) تخفیف کے ساتھ قراءت کیا کرتے تھے اور اس آیت کا جو مفہوم وہ مراد لیتے تھے سوانھوں نے لیا، اس کے بعد وہ یہ آیت تلاوت کرتے: (حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ) پھر میری ملاقات عروہ بن زبیرؒ سے ہوئی تو میں نے ان سے ابن عباسؓ کی تفسیر کا ذکر کیا۔ انھوں نے بیان کیا کہ سیدہ عائشہؓ تو کہتی تھیں، اللہ کی پناہ، اللہ کی قسم! پیغمبر تو جو وعدہ اللہ نے ان سے کیا ہے اس کو سمجھتے ہیں کہ وہ مرنے سے پہلے ضرور پورا ہوگا۔ بات یہ ہے کہ پیغمبروں کی آزمائش برابر ہوتی رہی ہے (اور مدد آنے میں اتنی تاخیر ہوئی کہ) پیغمبر ڈر گئے کہ ایسا نہ ہو ان کی امت کے لوگ ان کو جھوٹا سمجھ لیں۔ تو سیدہ عائشہؓ (سورہ یوسف کی) اس آیت کو یوں پڑھتی تھیں: (وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوْا) ذال کی تشدید کے ساتھ۔ (۲)

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”مومن مرد اور مومن عورت پر اس کی جان، اولاد اور مال میں آزمائشیں آتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ وہ جب اللہ تعالیٰ سے

۱۔[بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔۔ الخ: ۷، ۲۸۰۴]

۲۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (أم حسبتم أن تدخلوا الجنۃ): ۴۵۲۴، ۴۵۲۵]

ملتے ہیں (ان کو موت آتی ہے) تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔" [1]

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴾ ٢١٥

لوگ پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں؟ جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو اور جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ اس سے باخبر ہے۔

شان نزول

ابن جریرؒ نے ابن جریجؒ سے روایت کیا ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا کہ ہم اپنا مال کہاں کرچ کریں، اس پر یہ آیت مبارکہ اتری اور ابن منذرؒ نے ابو حبانؒ سے روایت کیا ہے کہ عمرو بن جموعؓ نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا کہ ہم اپنا مال کس طرح خرچ کریں اس پر یہ آیت اتری۔

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے دنیا کی زندگی مزین کیے جانے کا ذکر فرمایا۔ بنی اسرائیل کے باہمی اختلاف کا باعث بھی حسد، ضد اور سرکشی بیان فرمایا، جو عموماً مال سے پیدا ہوتے ہیں، اس پر

۱۔[ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الصبر علی البلاء: ۲۳۹۹

صحابہ کرام کے سوال کا ذکر فرمایا کہ وہ اس فتنے سے بچنے کے لیے کیا خرچ کریں؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بھی دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ کہاں خرچ کریں۔ ان کے سوال کا جواب یہ ہے کہ ”تم خیر میں سے جو بھی خرچ کرو“ یعنی جو چاہو خرچ کرو، مگر وہ حلال طریقے سے حاصل ہوا ہو، کیونکہ حرام کو خیر نہیں کہہ سکتے۔

خرچ کرنے کی جگہوں میں سب سے پہلے والدین کا ذکر کیا تاکہ ان کے پرورش کرنے کا کچھ حق ادا ہو جائے، پھر زیادہ قرابت والے تاکہ قرابت اور رشتہ داری کا حق ادا ہو، پھر یتامیٰ کیونکہ وہ مہربان باپ کے سائے سے محروم ہو چکے ہیں، پھر مسکین ان کے فقر و احتیاج کی وجہ سے، پھر مسافر کیونکہ وہ اپنے شہر سے دور ہونے کی وجہ سے ایک طرح سے محتاج ہیں۔ ارشاد فرمایا: (وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا) [بنی إسرائیل: ۲۳] ”اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔“ اور فرمایا: (وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا) [بنی إسرائیل: ۲۶] ”اور رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو اور مت بے جا خرچ کر، بے جا خرچ کرنا۔“ اور فرمایا: (وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ) [البقرۃ: ۱۷۷] ”اور مال دے اس کی محبت کے باوجود قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔“ اور فرمایا: (لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ) [البقرۃ:

۲۷۳] ”(یہ صدقات) ان محتاجوں کے لیے ہیں جو اللہ کے راستے میں روکے گئے ہیں، زمین میں سفر نہیں کر سکتے، ناواقف انھیں سوال سے بچنے کی وجہ سے مال دار سمجھتا ہے، تو انھیں ان کی علامت سے پہچان لے گا، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے، اور تم خیر میں سے جو خرچ کرو گے سو یقیناً اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔“

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا اور اس نے سوال کیا، اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ فرمایا: ”تمھاری ماں۔“ اس نے کہا، پھر کون ہے؟ فرمایا: ”تمھاری ماں۔“ اس نے کہا، پھر کون ہے؟ فرمایا: ”تمھاری ماں۔“ اس نے کہا: پھر کون؟ فرمایا: ”تمھارا باپ۔“ اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ”پھر جو تمھارے قریبی رشتہ دار ہوں، پھر جو تمھارے قریبی رشتہ دار ہوں۔“ [۱]

سیدنا ثوبان ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”افضل دینار جسے کوئی آدمی خرچ کرتا ہے وہ ہے جو وہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جو اللہ کے راستہ میں اپنی سواری پر خرچ کرتا ہے اور وہ جو اللہ کے راستہ میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے۔“ [۲]

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ایک دینار تو وہ ہے جو تم اللہ کے راستہ میں خرچ کرو، ایک دینار وہ ہے جو تم غلام آزاد کرانے میں خرچ کرو، ایک دینار وہ ہے جو تم مسکین کو صدقہ دو اور ایک دینار وہ ہے جو تم اپنے اہل پر خرچ کرو، ان میں اجر کے لحاظ سے سب سے

۱۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب من أحق بحسن الصحبة: ۵۹۷۱۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب بر الوالدین وأیهما أحق به: ۲۵۴۸]

۲۔ [مسلم، کتاب الزکوة، باب فضل الصدقة علی العیال والمملوک... الخ: ۹۹۴]

افضل وہ دینار ہے جسے تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو۔“ ①

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اپنے نفس سے ابتدا کرو، پہلے اپنے نفس پر خرچ کرو، پھر اگر کچھ بچ جائے تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرو، اگر کچھ بچ رہے تو اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرو، پھر اگر کچھ بچ جائے تو اس اس طرح خرچ کرو۔“ راویٔ حدیث کہتے ہیں یعنی اپنے سامنے بھی خرچ کرو اور اپنے دائیں بھی خرچ کرو اور اپنے بائیں بھی خرچ کرو۔ ②

سیدہ زینب زوجہ عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے بلالؓ سے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خبر دو کہ دو عورتیں پوچھ رہی ہیں کہ اگر وہ اپنے شوہروں اور یتیم بچوں کو، جو ان کی گود میں پرورش پا رہے ہیں، صدقہ دیں تو یہ ان کے لیے کافی ہوگا؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ہاں! ان کے لیے دو اجر ہوں گے، ایک اجر قرابت کا اور ایک اجر صدقہ کا۔“ ③

سیدہ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! اگر میں (اپنے پہلے شوہر) ابوسلمہؓ کے بچوں پر خرچ کروں تو مجھے اجر ملے گا؟ میں انھیں چھوڑ تو نہیں سکتی، آخر وہ میرے بھی بچے ہیں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ہاں! جو کچھ تم ان پر خرچ کرو گی تمھیں اس کا اجر ملے گا۔“ ④

سیدنا سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے۔“ آپ نے شہادت کی انگلی اور بیچ

۱۔[مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فضل النفقۃ علی العیال۔۔الخ:۹۹۵]

۲۔[مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الابتداء فی النفقۃ بالنفس ثم أہلہ ثم القرابۃ:۹۹۷]

۳۔[مسلم کتاب الزکوۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الأ قربین۔۔الخ:۱۰۰۰]

۴۔[بخاری، کتاب النفقات، باب (علی الوارث مثل ذلک)۔۔الخ:۵۳۶۹۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فضل النفقۃ۔۔الخ:۱۰۰۱]

کی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ (۱)

سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بیوہ اور مسکین کی خدمت کرنے والا ایسے ہے جیسے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، یا جیسے دن کو روزہ رکھنے والا اور رات کو نماز پڑھنے والا۔" (۲)

سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مسکین وہ ہے جس کی اتنی آمدنی نہ ہو جو اسے کفایت کرے، نہ اسے مسکین سمجھا جاتا ہو کہ اسے صدقہ دے دیا جائے اور نہ وہ خود کھڑا ہو کر لوگوں سے کسی چیز کا سوال کرے۔" (۳)

وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ : یعنی اے مسلمانو! "تم خیر میں سے جو عمل بھی کرو گے تو بیشک اللہ تعالیٰ اسے خوب جاننے والا ہے۔" اس میں وہ کام اور وہ جگہیں بھی آ گئیں جن کا یہاں ذکر نہیں ہوا، مثلاً سائلین اور غارمین وغیرہ، بشرطیکہ وہ کام اور وہ جگہیں خیر ہو، کیونکہ غلط جگہ پر خرچ کرنا فعل خیر نہیں۔

﴿ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ وَهُوَ كُرۡهٌ لَّكُمۡ ۚ وَعَسٰٓى اَنۡ

۱۔[بخاری، کتاب الأدب، باب فضل من یعول یتیمًا: ۶۰۰۵۔ مسلم، کتاب الزھد، باب فضل الإحسان إلی الأرملة ۔۔۔ الخ: ۲۹۸۳ عن أبی ہریرہ (رض)]

۲۔[بخاری، کتاب الأدب، باب الساعی علی الأرملة: ۶۰۰۶۔ مسلم، کتاب الزھد، باب فضل الإحسان إلی الأرملة ۔۔۔ الخ: ۲۹۸۲]

۳۔[مسلم، کتاب الزکوة، باب المسکین الذی لا یجد غنًی ۔۔۔ الخ: ۱۰۳۹۔ بخاری، کتاب الزکوة، باب قول اللہ عز و جل (لا یسئلون الناس إلحافا): ۱۴۷۶]

تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا
وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢١٦﴾

تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناپسند ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لیے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

شانِ نزول

تم پر رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ عام کوچ کرنے میں جہاد فرض کیا گیا ہے اور یہ تم پر بہت گراں تھا اور تم اسے گراں سمجھتے ہو، مگر درحقیقت یہ تمہارے لیے بہتر ہے، تمہیں اس کی وجہ سے شہادت اور مالِ غنیمت ملے گا اور جہاد نہ کرنے سے شہادت حاصل ہوتی ہے اور نہ مالِ غنیمت، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ جہاد کرنا تمہارے لیے بہتر اور جہاد نہ کرنا تمہارے لیے برا ہے یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور مقداد بن اسودؓ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق اتری ہے۔

حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور ان کے ساتھیوں نے عمرو بن حضرمی کو جمادی الثانی کو شام کو رجب کا چاند نظر آنے سے پہلے قتل کر دیا تھا کفار نے انھیں اس پر برا بھلا کہا، انہیں شہر حرام میں قتال کرنے کے بارے میں دریافت کیا، اس پر یہ آیت کریمہ اتری۔

جہاد کی تعریف اور اس کی اقسام

اس سے پہلے آیت: ۲۱۴ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جنت میں داخل ہونے کے لیے سختیاں اور مشقتیں برداشت کرنی پڑیں گی پھر آیت: ۲۱۵ میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی ایک مشقت ہے، اور اب اس آیت میں جہاد کی مزید مشقت برداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔ جہاد کا لغوی معنی ہے: اللہ کے دشمنوں سے جہاد جنگ کرنے میں اپنی پوری وسعت اور طاقت کو خرچ کرنا، اور جہاد کا شرعی معنی ہے: اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کفار سے جنگ میں اپنی پوری طاقت اور وسعت کو خرچ کرنا۔

جہاد کی دو قسمیں ہیں: فرض عین اور فرض کفایہ، اسلام کی تبلیغ کے لیے کافروں کو اسلام کی دعوت دینا اور اگر وہ اسلام کو قبول نہ کریں تو پھر ان کو جزیہ ادا کرنے کے لیے کہنا اور اگر وہ اس کو بھی قبول نہ کریں تو پھر ان سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی اسلامی شہر پر کافر حملہ کریں تو اس شہر کے مسلمان پر اپنے شہر کے دفاع کے لیے جہاد کرنا فرض عین ہے اور اگر اس شہر کے مسلمان اپنا دفاع نہ کرسکیں تو اس کے قریب کے شہر والوں پر جہاد کرنا فرض عین ہوجائے گا۔ علی ھذا القیاس اگر ایک اسلامی ملک اپنے دفاع کی استطاعت نہ رکھے تو اس کے قریب کے ملک پر جہاد کرنا فرض عین ہوگا۔

علامہ کاسانی حنفیؒ نے لکھا ہے: اگر جہاد کے لیے روانہ ہونے کا مسلمانوں کو عام حکم دیا جائے تو جہاد فرض عین ہے اور اگر عام حکم نہ ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے اور بعض مسلمانوں کے جہاد کرنے سے باقی مسلمانوں سے جہاد کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے۔ (۱)

جہاد کرنے میں عزت اور جہاد ترک کرنے میں ذلت کا بیان

۱۔(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۸، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمانوں کو مکہ میں توحید کا حکم دیا اور نماز پڑھنے کا' زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے سے منع کیا اور جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو باقی فرائض نازل ہوئے اور مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی' تب یہ آیت نازل ہوئی کہ تم پر قتال (جہاد) فرض کر دیا گیا ہے' اور قتال سے ممانعت کے بعد تم کو قتال کی اجازت دے دی گئی ہے اور اگرچہ یہ طبعاً تم پر گراں اور بھاری ہے لیکن انجام کار تمہارے لیے خیر ہے کیونکہ کافروں کو مغلوب کر کے تم ایک اسلامی ریاست قائم کر سکو گے اور آزادی کے ساتھ باعزت طریقہ سے زندگی گزار سکو گے اور اسلام کے تمام احکام پر بے خوف وخطر عمل کر سکو گے' اور جنگ کے ذریعہ تم کو دشمنوں کا جو مال غنیمت حاصل ہوگا اس سے تم پر خوش حالی آئے گی اور اگر تم راہ حق میں شہید ہو گئے' تو تمہارے لیے بے پناہ اجر ہے اور اگر تم کافروں سے جہاد نہیں کرو گے تو وقتی طور پر تمہیں آرام ملے گا لیکن مآل کار تمہارے ملک پر کافر قبضہ کر کے تمہیں آزادی سے محروم کر دیں گے۔ تمہیں اپنا غلام بنا لیں گے اور پھر تم کو ذلت اور خواری کی زندگی گزارنی ہوگی۔

جہاد کے درجات اور اجر وثواب کے متعلق احادیث

حافظ سیوطیؒ بیان کرتے ہیں:

امام احمدؒ 'امام بخاریؒ 'امام مسلمؒ 'امام نسائیؒ' امام ابن ماجہؒ 'اور امام بیہقیؒ نے (شعب الایمان میں) حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا گیا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا' آپ سے کہا گیا کہ پھر کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا' آپ سے عرض کیا گیا: پھر کونسا عمل افضل

ہے؟ آپ نے فرمایا: حج مبرور۔ امام بیہقیؒ نے "شعب الایمان" میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: سب سے افضل عمل نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

امام ترمذیؒ، امام بزارؒ، امام حاکمؒ اور امام بیہقیؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب میں سے ایک شخص کا جنگل میں میٹھے پانی کے ایک چشمہ سے گزر ہوا' اس نے سوچا: کاش میں لوگوں کو چھوڑ کر یہیں رہ جاؤں' میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اجازت لے کر یہیں آ جاؤں گا' جب اس نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو' ساٹھ سال اپنے گھر میں نماز پڑھنے سے تمہارا ایک وقت اللہ کی راہ میں گزارنا افضل ہے' کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے اور تم کو جنت میں داخل کر دے! اللہ کی راہ میں جہاد کرو' جو شخص اونٹنی کا دودھ دوہے جانے کے وقت برابر بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

امام طبرانیؒ نے فضالہ بن عبیدؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اسلام کے تین درجے ہیں: ادنیٰ' اوسط' اور اعلیٰ' ادنیٰ درجہ کا اسلام یہ ہے کہ جس میں عام مسلمان ہیں' تم جس سے بھی سوال کرو گے وہ کہے گا: میں مسلمان ہوں' اور اوسط درجہ میں بعض مسلمانوں کے عمل بعض سے افضل ہوتے ہیں اور سب سے اعلیٰ درجہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

امام بزارؒ نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اسلام کے آٹھ حصے ہیں' اسلام (قبول کرنا) ایک حصہ ہے' نماز ایک حصہ ہے' زکوۃ ایک حصہ ہے' روزہ ایک حصہ

ہے، حج بیت اللہ کا حصہ ہے۔ نیکی کا حکم دینا ایک حصہ ہے، برائی سے روکنا ایک حصہ ہے اور جہاد فی سبیل اللہ ایک حصہ ہے، اور وہ شخص نامراد ہے جس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ، امام حاکمؒ اور امام بیہقیؒ نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص جہاد کرنے کی تمنا کیے بغیر مرگیا وہ نفاق کے ایک حصہ کے ساتھ مرا ہے۔

امام احمدؒ، امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ نے عبدالرحمن بن جبرانؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص کے پیر اللہ کی راہ میں غبار آلودہ ہوئے اللہ ان پیروں پر جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے۔

امام حاکمؒ، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ تین آنکھیں ایسی ہیں جن کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی: ایک وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں نکال دی گئی، دوسری وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں جاگتی رہی اور تیسری وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روتی رہی۔

امام عبدالرزاقؒ، امام احمدؒ، امام ابوداؤدؒ، امام ترمذیؒ امام نسائیؒ، امام ابن ماجہؒ، امام ابن حبانؒ، امام حاکمؒ اور امام بیہقیؒ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص نے اونٹنی کا دودھ دوہنے کے برابر وقت میں جہاد کیا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جس شخص نے صدق دل سے شہادت کے حصول کی دعا کی وہ مرجائے یا قتل کر دیا جائے اس کو شہادت کا اجر ملے گا، اور جو اللہ کی راہ میں زخمی ہو، وہ قیامت کے دن اسی طرح زخمی اٹھے گا، اس کے خون کا رنگ زعفران کی طرح ہوگا اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی ہوگی۔

امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ اور امام حاکمؒ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جنت کے دروازے تلواروں کے سایوں کے نیچے ہیں۔

امام طبرانیؒ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت کیا ہے کہ جو قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے اللہ اس پر عام عذاب بھیجتا ہے۔ امام بیہقیؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب لوگ دنیاداری، روپے پیسے اور کھیتی باڑی میں منہمک ہو جائیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کو ترک کر دیں اور بیع عینہ کریں، تو اللہ تعالیٰ ان پر مصیبتیں نازل فرماتا ہے اور جب تک وہ اپنے دین کی طرف رجوع نہ کریں وہ مصیبتیں ان سے دور نہیں کرتا۔ (۱)

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اس نے جہاد نہ کیا اور نہ اس کے دل میں کبھی جہاد کا خیال آیا تو وہ نفاق کی ایک حالت پر مرا۔" (۲)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فتح مکہ کے روز فرمایا: "فتح مکہ کے بعد اب ہجرت تو نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت باقی ہے اور جب تم سے جہاد کے لیے نکلنے کا مطالبہ کیا جائے تو جہاد کے لیے نکل پڑو۔" (۳)

جہاد یعنی اللہ کا دین غالب کرنے کے لیے اپنی آخری کوشش کرتے رہنا تو ہر مسلمان پر فرض ہے، لیکن 'نفیر' یعنی لڑائی کے لیے نکلنا ہر وقت ہر مسلمان پر فرض نہیں۔ البتہ تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ تین

۱۔(الدر المنثور ج۱ ص ۲۴۹۔۲۴۴، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ النجفی ایران)

۲۔[مسلم، کتاب الامارۃ، باب ذم من مات ولم یغز: ۱۹۱۰]

۳۔[بخاری، کتاب الجھاد والسیر، باب فضل الجھاد والسیر: ۲۷۸۳]

موقعوں پر قتال آدمی پر فرض عین ہو جاتا ہے۔

1۔ جب امام کسی خاص شخص کو یا تمام مسلمانوں کو نکلنے کا حکم دے دے، الا یہ کہ امام کسی کو مستثنیٰ کر دے، جیسا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تبوک میں سب کو نکلنے کا حکم دیا مگر سیدنا علیؓ کو پیچھے رہنے کا حکم دیا۔

2۔ جب کفار مسلمانوں کی کسی آبادی پر حملہ کر دیں تو اس کے رہنے والوں پر اس کا دفاع واجب ہے، اس حد تک کہ اگر ان کے پاس کافی اسلحہ نہ بھی ہو تو پتھروں، اینٹوں، لکڑیوں غرض جو کچھ ملے اس کے ساتھ لڑنا فرض ہے۔ اگر دانتوں سے کاٹ کھانے کے سوا کچھ نہ ملے تو دانتوں سے کاٹ کر اپنا دفاع واجب ہے، اگر اس آبادی والے دفاع نہ کر سکیں یا سستی کریں تو قریب والی آبادی پھر اس کے بعد والی پر، حتیٰ کہ تمام اہل اسلام پر لڑنا فرض ہو جاتا ہے، کیونکہ تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔

3۔ جب دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت مقابلہ ہو رہا ہو تو ثابت قدم رہنا واجب ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری، باب الجہاد بإذن الابوین" میں فرمایا کہ جب کسی شخص پر لڑائی فرض عین ہو جائے تو والدین یا کسی اور سے پھر اجازت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس بات پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ اپنے دفاع کی خاطر لڑنے کے لیے کوئی بھی شرط لازم نہیں، نہ امیر کا حکم، نہ والدین کی اجازت اور نہ کوئی اور شرط۔ جیسا کہ ابو بصیرؓ کا واقعہ اس کی واضح دلیل ہے۔

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ

كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ
وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ
الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ
اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ
وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ
وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

(تم سے پوچھتے ہیں کہ حرمت والے مہینہ میں لڑنا کیسا ہے؟ کہہ دیجئے کہ اس میں لڑائی بڑا گناہ ہے۔ اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے۔ یہاں تک کہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں اگر وہ ایسا کر سکیں، اور پھر جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے (مرتد ہو جائے) اور پھر وہ حالت کفر میں ہی مر جائے تو ایسے لوگوں کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں دنیا اور آخرت میں یہی

لوگ ہیں آگ والے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

شانِ نزول

ابن جریرؒ ابن ابی حاتمؒ اور طبرانیؒ نے کبیر میں اور حضرت امام بیہقیؒ نے اپنی سنن میں جندب بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک لشکر بھیجا اور اس پر عبداللہ بن جحشؓ کو امیر بنایا۔

ان حضرات کو ابن حضرمی ملا، انھوں نے اس کو قتل کر دیا اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ دن مبارک رجب کا ہے یا جمادی الآخر کا، تو مشرکین نے مسلمانوں سے کہا کہ ان لوگوں نے حرمت کے مہینے میں قتل کیا ہے، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاری کہ آپ سے حرمت کے مہینے میں قتال کرنے کے بارے میں پوچھتے ہیں، پھر بعد میں بعض حضرات کہنے لگے کہ اگر ان لوگوں کا اس میں گناہ نہیں ہوگا تو ثواب بھی نہیں ملے گا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (آیت) "ان الذین امنوا والذین ھاجرو (الخ)

اور ابن مندہؒ نے اس روایت کو عثمان بن عطاؒ سے اور عطا کے ذریعہ سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، فرمان خداوندی (آیت) "یسئلونک عن الخمر" الخ۔ اس کی تفسیر سورہ مائدہ میں آئے گی۔ [۱]

ربطِ آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر قتال اور جہاد کو فرض کر دینے کے متعلق آیات نازل کی تھیں اس لیے یہاں اس سوال کی گنجائش تھی کہ آیا حرمت والے مہینے میں بھی قتال جائز ہے یا نہیں؟ ادھر دو ہجری

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مشرکین کے احوال پر نظر رکھنے کے لیے حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا تھا۔ اس لشکر میں سے ایک شخص نے عمرو بن حضرمی نام کے ایک مشرک کو قتل کر دیا' مورخین کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے یہ لشکر جمادی الاخری میں بھیجا تھا یا رجب میں' بہرحال عمرو بن حضرمی کا قتل رجب میں ہوا (اور وہ حرمت والا مہینہ ہے) اس پر مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض' کیا کہ ایک طرف تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے دین پر عمل کی دعوت دیتے ہیں' ادھر ان کے پیروکاروں کا یہ حال ہے کہ انھوں نے ماہ حرام میں ایک شخص کو قتل کر دیا' حالانکہ حرمت والے مہینہ میں قتال کرنا ملت ابراہیم کے مطابق حرام ہے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ یہ لوگ آپ سے ماہ حرام میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں' آپ کہیے کہ اس ماہ میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے' لیکن لوگوں کو اسلام کے قبول کرنے سے منع کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور لوگوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکنا اور ساکنین حرم کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے' تو جو لوگ ان بڑے گناہوں میں ملوث ہیں وہ کس منہ سے ماہ حرام میں قتال کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کے لشکر کی تفصیل امام ابن جریر طبری ؒ نے اس طرح بیان کی ہے:

حضرمی کے قتل کی تاریخ کی تحقیق

ابن اسحاق ؒ نے بیان کیا ہے کہ رجب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ روانہ کیا' اور واقدی کا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے ساتھ بارہ مہاجرین کو روانہ کیا تھا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کو ایک خط دیا اور فرمایا: دو دن سفر کرنے کے بعد اس خط کو کھول کر پڑھنا اور اس میں درج ہدایات

پر عمل کرنا اور کسی کو مجبور نہ کرنا' اس خط میں لکھا تھا کہ تم نخلہ (مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام) پہنچ جاؤ' قریش کا ایک قافلہ وہاں سے گزرے گا' تم اس کی گھات لگا کر بیٹھو اور اس کے احوال کی خبر ہمیں پہنچاؤ' حضرت عبداللہ بن جحش ؓ نے خط پڑھ کر اپنے اصحاب کو سنایا' وہ سب بہ خوشی ان کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئے۔ جب وہ معدن میں پہنچے تو حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ اور حضرت عتبہ بن غزوان ؓ کے اونٹ گم ہو گئے' وہ دونوں اپنے اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکل گئے اور حضرت عبداللہ بن جحش ؓ اپنے بقیہ اصحاب کے ساتھ نخلہ میں پہنچ گئے' وہاں سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ گزرا جس میں خوراک اور دیگر تجارتی سامان تھا' اس قافلہ میں عمرو بن الحضرمی' عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اس کا بھائی نوفل وغیرہ تھے۔ مسلمانوں نے ان کو دیکھ کر انھیں دھمکایا اور اس قافلہ کو روک لیا اور ان کے متعلق غور کیا' اس دن رجب کی آخر تاریخ تھی' بعض نے کہا: اگر تم نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ حرم میں پہنچ جائیں گے اور تم سے محفوظ ہو جائیں گے اور اگر تم نے ان سے جنگ کی تو تم ماہ حرام میں جنگ کرنے کا ارتکاب کرو گے۔ وہ بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ ان سے جنگ کی جائے اور جس کو قتل کر سکیں اس کو قتل کر دیں' باقی کو گرفتار کر لیں اور ان کا مال لوٹ لیں' پھر حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی ؓ نے تیر مار کر عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا' اور نوفل بن عبداللہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا' حضرت عبداللہ بن جحش ؓ اس قافلہ کے سامان اور دو قیدیوں کو لے کر اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے' ان لوگوں نے اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے الگ کر لیا تھا اور باقی آپس میں تقسیم کر لیا تھا' یہ اسلام میں پہلا مال غنیمت اور پہلا خمس تھا' جب یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا: میں نے تم کو ماہ حرام میں قتال کرنے کا حکم نہیں دیا تھا' ان کا

قافلہ اور دو قیدی وہاں ٹھہرے رہے آپ نے اس میں سے کسی چیز کو بھی لینے سے انکار کر دیا' اس وقت ان مسلمانوں کو بہت پشیمانی ہوئی اور دیگر مسلمانوں نے بھی ان کو ملامت کی اور کہا: تم نے وہ کام کیا ہے جس کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا تھا' تم نے ماہ حرام میں قتال کیا حالانکہ تم کو لڑنے کا حکم دیا گیا تھا' ادھر قریش نے طعنہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اوران کے اصحاب نے ماہ حرام کو حلال کرلیا ہے اور اس ماہ میں خون ریزی کی ہے اور لوٹ مار کی ہے ادھر یہودیوں نے اس واقعہ کو خوب اچھالا اور کہا: واقد بن عبداللہ نے جنگ کی آگ بھڑکا دی ہے اور حضرمی کے قتل سے جنگ کی نوبت آگئی ہے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ تم سے ماہ حرام قتال کے متعلق دریافت کرتے ہیں' ان سے کہیں کہ یہ گناہ ہے اور اس سے بھی بڑا گناہ وہ ہے جو تم کر رہے ہو' لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے ہو' اللہ کا کفر کرتے ہو' مسلمانوں کو مسجد حرام جانے نہیں دیتے اور ساکنین حرم کو وہاں سے نکالتے ہو' اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں کا غم دور ہوا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس قافلہ اور قیدیوں پر قبضہ کرلیا' قریش نے ان دو قیدیوں کا فدیہ بھیجا' آپ نے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا' ان میں سے حکم بن کیسان مسلمان ہو گئے تھے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس مدینہ منورہ ہی میں رہے حتیٰ کہ بیر معونہ کے واقعہ میں شہید ہو گئے۔ (١)

علامہ ابن اثیر جزریؒ نے بھی اسی طرح اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے' اس کے بعد لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ جس دن حضرمی کو قتل کیا گیا وہ جمادی کا آخری دن تھا اور رجب کی پہلی شب تھا۔ (٢)

حافظ ابن کثیرؒ نے ابن اسحاقؒ کے حوالے سے پہلی اور امام احمدؒ اور امام بیہقیؒ کے حوالے سے دوسری

١۔(رض) (تاریخ الامم والملوک ج ٢ ص ١٢٦۔١٢٤ مطبوعہ دار القلم' بیروت)

٢۔(الکامل فی التاریخ ج ٢ ص ٨٠ مطبوعہ دار الکتب العربیہ' بیروت' ١٤٠٠ھ)

لکھی ہے اور لکھا ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے کون سی روایت صحیح ہے۔[1]

اکثر و بیشتر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کو مغالطہ ہو گیا تھا' انھوں نے سمجھا کہ یہ جمادی کی آخری تاریخ ہے لیکن درحقیقت وہ رجب کی پہلی تاریخ تھی اور انھوں نے دانستہ ماہ حرام میں قتال نہیں کیا تھا' انھوں نے سمجھا کہ یہ جمادی کی آخری تاریخ ہے لیکن درحقیقت وہ رجب کی پہلی تاریخ تھی' اور انھوں نے دانستہ ماہ حرام میں قتال نہیں کیا تھا' لیکن قرآن مجید کی اس آیت سے ابن اسحاق کی روایت کی تائید ہوتی ہے کہ انھوں نے دانستہ ماہ حرام میں قتال کیا تھا' تب ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے یہ فعل گناہ ہے لیکن جو تم کر رہے ہو وہ اس سے بڑھ کر گناہ ہے اور امام ابن جریر طبریؒ اور علامہ جزریؒ وغیرہم نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔

حرمت والے مہینوں میں ممانعت قتال کے منسوخ ہونے کی تحقیق

چار مہینوں میں جنگ کرنا حرام ہے: ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور رجب' اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تین مہینوں میں لوگ حج کے لیے اور حج سے واپسی کا سفر کرتے ہیں اور رجب میں عمرہ کا سفر کرتے ہیں' ان مہینوں کو اشہر حرام (حرامت والے مہینے) کہتے ہیں' حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے زمانہ ہی سے ان مہینوں میں جنگ نہ کرنے کا دستور چلا آرہا تھا تاکہ لوگ زمانہ امن میں حج اور عمرہ کا سفر کریں' اس میں اختلاف ہے کہ یہ حرمت اب بھی قائم ہے یہ منسوخ ہوگئی' جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ حرمت منسوخ ہوگئی اور ان کی دلیل یہ آیت ہے:

(آیت) "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم"۔ (التوبہ:۵)

۱۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۵۲۔۲۴۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ)

ترجمہ: تم مشرکین کو جہاں پاؤ انھیں قتل کر دو۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں ہر جگہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور ہر جگہ ان کو قتل کرنے کا عموم اس بات کو مستلزم ہے کہ ہر زمانہ اور ہر وقت میں ان کو قتل کیا جائے اور ہر زمانہ میں حرمت والے مہینے بھی داخل ہیں' لہٰذا ان مہینوں میں بھی مشرکین کو قتل کیا جائے گا' اس سے ظاہر ہوا کہ ان مہینوں میں قتال کرنے کی حرمت اب منسوخ ہوگئی۔

علامہ ابوالحیان اندلسیؒ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ان مہینوں میں قتال کی حرمت اس سے منسوخ ہوگئی کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ثقیف سے ماہ حرام میں قتال کیا تھا اور آپ نے ماہ حرام میں قتال کے لیے ابو عامر کو اوطاس روانہ کیا تھا۔

عطاءؒ نے کہا ہے کہ یہ حرمت منسوخ نہیں ہوئی' وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ لوگوں کے لیے حرم میں اور حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا جائز نہیں' الا یہ کہ ان کو مدافعانہ جنگ کرنی پڑے' اور حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے الا یہ کہ آپ سے جنگ کی جائے اور آپ کو مدافعانہ جنگ کرنی پڑے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان مہینوں میں جنگ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اس آیت کا غیر منسوخ ہونا اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ابن وہبؒ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرمی کے قتل کی دیت ادا کی اور مال غنیمت اور دونوں قیدیوں کو واپس کر دیا' نیز اس کے بعد جو قتال کی آیات نازل ہوئیں وہ زمانہ کے اعتبار سے عام ہیں اور یہ آیت خاص

ہے اور عام خاص کو بالاتفاق منسوخ نہیں کرتا۔ (۱)

علامہ آلوسی حنفیؒ لکھتے ہیں:

احناف کے نزدیک خاص کو عام سے منسوخ کرنا جائز ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: یہ آیت منسوخ ہے اور ماہ حرام میں قتال کرنا جائز ہے، البتہ عطاءؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ (۲)

علامہ قرطبی مالکیؒ لکھتے ہیں

جمہور کے نزدیک اس آیت کا حکم منسوخ ہے، البتہ عطاءؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ (۳)

علامہ ماوردی شافعیؒ لکھتے ہیں:

زہریؒ نے کہا: حرمت والے مہینوں میں قتال کی ممانعت کا حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(آیت) "وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ"۔ (التوبہ:۱٤٦)

ترجمہ: اور تم تمام مشرکوں سے جنگ کرو جس طرح وہ تم سب سے جنگ کرتے ہیں:

اور عطاءؒ نے کہا: یہ حکم منسوخ نہیں ہوا اور پہلا قول صحیح ہے کیونکہ بہ کثرت احادیث میں ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ھوازن سے حنین میں اور ثقیف سے طائف میں ان مہینوں میں جنگ کی اور آپ نے ابوالعاصؓ (یا ابوعامر) کو اوطاس میں ان مہینوں میں جنگ کے لیے بھیجا اور قریش سے

۱۔(البحر المحیط ج ۲ ص ۲۸۵۔۲۸٤ مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱٤۱۱ھ)

۲۔(روح المعانی ج ۲ ص ۱۰۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

۳۔(الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ٤۳ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

قتال کے لیے بیعت رضوان بھی ذوالقعدہ میں ہوئی تھی۔ [۱]

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

عطاءؒ قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی' اور سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسارؒ یہ کہتے تھے کہ ماہ حرام میں قتال کرنا جائز ہے وہ سورہ توبہ: ۱۹ اور توبہ: ۵، سے استدلال کرتے ہیں' جن میں مشرکین سے بالعموم قتال کرنے کا حکم دیا ہے اور تمام شہروں کے فقہاء کا یہی قول ہے۔ [۲]

قاضی ثناء اللہ مظہریؒ کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے' ان کے نزدیک ان مہینوں میں ابتداء قتال کرنا جائز نہیں ہے' البتہ مدافعانہ جنگ جائز ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(آیت) "ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتب اللہ یوم خلق السموت والارض منھا اربعۃ حرم ذلک الدین القیم' فلا تظلموا فیھن انفسکم"۔ (التوبہ: ۳۶)

ترجمہ: بیشک اللہ کے نزدیک اس کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے' جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں' یہی صحیح دین ہے تو ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

لیکن قاضی مظہری نے اس آیت کے دوسرے حصے پر غور نہیں کیا جس سے جمہور ان مہینوں کی حرمت کے منسوخ ہونے پر استدلال کرتے ہیں' وہ یہ ہے:

(آیت) "وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ"۔ (التوبہ: ۳۶)

ترجمہ: اور تم تمام مشرکوں سے قتال کرو جس طرح وہ تم سے قتال کرتے ہیں:

۱۔ (النکت والعیون ج۱ ص ۲۷۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

۲۔ (زاد المسیر ج۱ ص ۲۷۳' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

قاضی مظہری نے لکھا ہے کہ خاص کا عام ہے منسوخ ہونا قطعی نہیں ہے' شوافع کا اس میں اختلاف ہے۔ ہے۔ [۱]

لیکن انھوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ شوافع کے نزدیک بھی یہ آیت منسوخ ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حرمت والے مہینوں میں قتال کیا ہے' اس کے معارض انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے طائف کا محاصرہ شوال میں کیا تھا' لیکن یہ جمہور کے خلاف نہیں ہے کیونکہ جمہور نے یہ کہا ہے کہ طائف اور حنین کی جنگیں شوال سے لے کر ذوالقعدہ کے بعض ایام تک جاری رہیں اور ذوالقعدہ ماہ حرام ہے۔

امام ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں:

ہم نے جو کہا ہے کہ سورہ توبہ: ۳۶ سے یہ آیت منسوخ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بہ کثرت احادیث مشہورہ میں ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ھوازن سے حنین میں اور ثقیف سے طائف میں جنگ کی اور ابو عامر کو مشرکین سے جنگ کے لیے طائف میں بھیجا اور یہ جنگیں شوال اور ذوالقعدہ کے بعض ایام میں ہوئیں' اور ذوالقعدہ ماہ حرام ہے' اگر ان مہینوں میں قتال اور جہاد حرام اور گناہ ہوتا تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان مہینوں میں قتال نہ کرتے کیونکہ آپ سب سے زیادہ حرام اور معصیت سے اجتناب کرنے والے تھے' دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیرت کے تمام جامعین اس پر متفق ہیں کہ قریش کے خلاف جنگ کرنے کی بیعت رضوان ذوالقعدہ میں منعقدہ ہوئی تھی' اگر بالفرض حضرت عثمانؓ کو کفار قریش نے قتل کر دیا ہوتا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کا

۱۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۲۶۳۔۲۶۱' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ)

قصاص لینے کے لیے ان سے ذوالقعدہ میں جنگ کرتے اور وہ ماہ حرام ہے' اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ان مہینوں میں قتال کرنا ان مہینوں میں جنگ کو حرام قرار دینے سے پہلے ہے تو وہ جاہل ہوگا کیونکہ زیر بحث آیت جس میں ان مہینوں میں قتال کو بڑا گناہ فرمایا ہے اس وقت نازل ہوئی جب حضرت عبداللہ بن جحش ؓ کے لشکر کے ایک مسلمان نے عمرو بن الحضرمی کو قتل کردیا تھا' اور یہ واقعہ دو ہجری جمادی الاخرۃ کا ہے اور حنین اور طائف کا واقعہ شوال و ذوالقعدہ آٹھ ہجری کو پیش آیا۔ (١)

ہمارے نزدیک اس بحث میں جمہور کا قول صحیح ہے جن کے نزدیک ان مہینوں میں جنگ کی حرمت منسوخ ہے اور علامہ قاضی مظہری ؒ کی رائے صحیح نہیں ہے۔

جب کہ کفار کا مسلمانوں سے قتال کرنا صرف اس لیے تھا کہ ان کو دین حق سے پھیر کردیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ کافر تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے' حتی کہ اگر ان کے بس میں ہو تو وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں' اور جب وہ دین باطل پر ہونے کے باوجود تم کو دین سے پھیرنے کی سعی کرتے ہیں تو تم دین حق پر ہونے کی وجہ سے اس بات کے زیادہ حق دار ہو کہ تم ہمیشہ دین حق پر قائم رہو' اور ان کو کامیاب نہ ہونے دو' کیونکہ تمہارا اعتماد اللہ پر ہے اور ان کا اعتماد اپنی قوت پر ہے اور جو اپنے آپ پر اعتماد کرے وہ ضائع ہوجاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جو شخص کفار کے ڈالے ہوئے شبہات کا شکار ہوگیا اور دین حق سے مرتد ہوگیا اس کا کیا حکم ہے۔

وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ: یعنی اے مومنو! اس بات سے آگاہ رہو کہ تم میں سے جو شخص اپنا دین چھوڑ کر مرتد ہوجائے اور کفر کی حالت میں مرجائے تو ایسے لوگوں کے اعمال

١۔ (جامع البیان ج٢ ص٢٠٦' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ١٤٠٩ھ)

بالکل ضائع کر دیے جائیں گے۔

اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے اور توبہ نہ کرے تو اس کی سزا قتل ہے، جو دنیا میں اس کے اعمال ضائع ہونے کا نتیجہ ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جو شخص اپنا دین بدل دے اسے قتل کر دو۔“ [۱]

اسلام کی وجہ سے زندگی میں حاصل جان و مال اور عزت کی حرمت، مرنے کے بعد جنازہ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن، مسلمان میاں بیوی کی زوجیت، وراثت غرض مسلمانوں والے تمام حقوق ارتداد کی وجہ سے ختم ہو جائیں گے۔

فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ: سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”بیشک اللہ مومن پر کسی ایک نیکی کے معاملہ میں بھی ظلم نہیں کرے گا، اس کو اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جائے گا اور آخرت میں بھی، لیکن کافر کو اس کی تمام نیکیوں کا بدلہ جو اس نے اللہ کے لیے کی ہوں گی، دنیا ہی میں دے دیا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ میدان محشر میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہو گی کہ اس کا بدلہ اسے دیا جائے۔“ [۲]

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ جنتیوں کو جنت میں داخل کرے گا اور دوزخیوں کو دوزخ میں داخل کر دے گا، پھر ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان کھڑا ہو کر اعلان کرے گا، اے اہل جنت! اب موت نہیں آئے گی اور اے

۱۔[بخاری، کتاب الجهاد، باب لا یعذب بعذاب اللہ: ۳۰۱۷]

۲۔[مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب جزاء المؤمن بحسناته فی الدنیا والآخرة۔۔۔ الخ: ۲۸۰۸]

اہل دوزخ! اب موت نہیں آئے گی، ہر ایک جس جگہ ہے ہمیشہ وہیں رہے گا۔" [۱]

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ ﴾

بیشک جو لوگ ایمان پر جمے رہے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن جحش ؓ اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں لوگوں نے کہا کہ حرمت والے مہینوں میں لڑنے کے باعث اگر ان کو کوئی گناہ نہیں ہوا تو اس جہاد کا ان کو کوئی ثواب بھی نہیں ملے گا، حضرت عبداللہ ؓ کے ساتھیوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا ہمیں اس سفر کا اجر ملے گا اور کیا یہ جہاد شمار ہو گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ [۲]

پہلے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا بیان فرمایا تھا جن کے لیے قطعی طور پر جہنم ہے، اب ان لوگوں کا بیان فرمایا رہا ہے جو جنت کی امید رکھنے کے حق دار ہیں۔ مسلمانوں پر پہلے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا اور فتح مکہ کے بعد ہجرت منسوخ ہو گئی کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: فتح مکہ

۱۔[مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب النار یدخلھا الجبارون: ۲۸۵۰۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب یدخل الجنۃ سبعون الفا بغیر حساب: ٦٥٤٤]

۲۔(ابن کثیر ۱۔٥٤)

کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے۔' (۱)

اہل ارتداد اور ان کے انجام کا ذکر کرنے کے بعد اہل ایمان کا ذکر کیا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائیں گے اور اسلام کی خاطر اگر وطن، مال و دولت، خاندان اور دوست احباب چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی تو کریں گے اور اللہ کے دین کی نصرت اور دشمنان دین کا قلع قمع کرنے کے لیے جہاد کریں گے، وہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہوں گے۔ ارشاد فرمایا: (اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ) [التوبۃ: ۲۰] "جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا، اللہ کے ہاں درجے میں زیادہ بڑے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔" اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ: یعنی ایمان، ہجرت اور جہاد ایسے اعمال ہیں جن کی بدولت دل میں اللہ کی رحمت کی امید پیدا ہوتی ہے۔ جن لوگوں کا دامن اس سے خالی ہے وہ لاکھ اللہ کی رحمت کا دعویٰ کریں حقیقت میں ان کے دل میں رحمت کی امید پیدا نہیں ہوتی، لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھنی چاہیے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۔ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ) [فاطر: ۲۹، ۳۰] "بیشک جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور انھوں نے نماز قائم کی اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا اس میں سے انھوں نے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کیا، وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو کبھی برباد نہ ہوگی۔

۱۔ (امام محمد اسماعیل بخاری (رح) متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج۱ ص۴۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

تا کہ وہ انھیں ان کے اجر پورے پورے دے اور اپنے فضل سے انھیں زیادہ بھی دے، بلاشبہ وہ بے حد بخشنے والا، نہایت قدردان ہے۔"

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ؀ ﴾

وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں، اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے، اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، آپ فرما دیجیے کہ جو زائد ہو وہ خرچ کر دیں اللہ ایسے ہی کھول کر بیان فرماتا ہے آیات، تا کہ تم فکر کرو۔

شانِ نزول

ابن ابی حاتم ؒ نے سعید یا عکرمہ ؒ کے ذریعہ سے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ جب فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حکم دیا گیا تو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی ایک جماعت رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم) کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کس قسم کے نفقہ کا ہمارے اموال میں حکم دیا گیا ہے سو ہم کیا خرچ کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (آیت) "یسئلونک ماذا ینفقون"۔ اور ابن ابی حاتمؒ نے یحییٰؒ سے روایت کیا ہے کہ ان تک بات پہنچی ہے کہ حضرت معاذؓ اور ثعلبہؓ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے پاس غلام بھی ہیں اور گھر والے بھی ہیں تو ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاری۔ [۱]

قرآن مجید سے خمر کی تحریم کا بیان

اس سے پہلی آیت میں جہاد کا بیان کیا گیا تھا اور عربی میں شراب پینے کا عام رواج تھا اور شراب اور جہاد دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے کیونکہ شراب کے نشہ میں انسان کو اپنے پرائے کی تمیز نہیں رہتی تو ایسا شخص کافروں سے جہاد کب کرسکتا ہے نیز وہ شراب کے نشہ میں جوا کھیلا کرتے تھے اور جیتی ہوئی رقم غریبوں میں تقسیم کرتے تھے اور یہ ظاہر یہ اچھا کام تھا اس لیے صحابہ نے ان دونوں کا حکم معلوم کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اگرچہ اس میں کچھ لوگوں کا فائدہ ہے' لیکن ان کا نقصان زیادہ ہے کیونکہ شراب کے نشہ سے عقل زائل ہوجاتی ہے اور انسان جھوٹ بولتا ہے اور گالم گلوچ کرتا ہے اور جوئے کے ذریعہ دوسروں کا امام ابن جریر طبریؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زید بن علیؒ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خمر (شراب) کے متعلق تین آیتیں نازل کی ہیں' ایک یہ آیت ہے (شراب پینے سے وقتی جوش اور ہیجان پیدا ہوتا ہے اور جوئے کے ذریعہ آسانی سے جیتی ہوئی رقم

۱۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

حاصل ہو جاتی ہے اور زمانہ جاہلیت میں یہ رقم غرباء پر خیرات کردی جاتی تھی، ان فوائد کی بناء لوگوں نے آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اگرچہ ان میں کچھ فائدہ ہے لیکن ان کا نقصان زیادہ ہے) تب لوگوں نے شراب پینے کے معمول کو جاری رکھا حتیٰ کہ دو آدمیوں نے شراب پی کہ نماز پڑھی اور نماز میں بدکلامی کی، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(آیت) "یایھا الذین امنوا لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکری حتی تعلموا ما تقولون"۔ (النساء: ۴۳۔۴۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں تم نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کہہ رہے ہو۔

پھر جو لوگ شراب پیتے تھے وہ نماز کے اوقات میں شراب سے اجتناب کرتے تھے، حتیٰ کہ ایک دن ابو القموس نے نشہ کی حالت میں مقتولین بدر کے نوحہ اور مرثیہ میں چند اشعار پڑھے جن میں مقتولین بدر کی تعظیم اور تکریم کی، جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک یہ خبر پہنچی تو آپ غضب میں گھبرائے ہوئے چادر کو گھسیٹتے ہوئے آئے جب اس نے آپ کو دیکھا تو آپ نے اس کو مارنے کے کوئی چیز اٹھائی، اس نے کہا: میں اللہ اور اس کے غضب سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، بہ خدا! میں اب کبھی شراب نہیں پیوں گا تب یہ آیت نازل ہوئی:

(آیت) "یایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضآء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ فھل انتم منتھون"۔۔ (المائدہ: ۹۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! خمر (شراب) جوا، بتوں کے چڑھاووں کی جگہ اور بتوں کے پاس فال نکالنے کے تیر محض ناپاک ہیں، ان سے اجتناب کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان کا صرف یہ ارادہ ہے کہ وہ شراب

اور جوئے کے سبب سے تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کردے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے ہو؟۔

حضرت عمر (رض) نے جب یہ آیت سنی تو کہا: ہم باز آئے، ہم باز آئے۔ [۱]

احادیث سے شراب کی تحریم کا بیان

امام بخاری رح روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رض بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس نے دنیا میں خمر (شراب) پی وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رض بیان کرتے ہیں کہ زنا کرتے وقت زانی میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا اور خمر پیتے وقت شرابی میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا اور چوری کرتے وقت چور میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا۔ [۲]

حضرت انس بن مالک رض بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوعبیدہ رض، حضرت ابوطلحہ رض اور حضرت ابی بن کعب رض کو ادھ پکی کھجوروں اور چھواروں کی شراب پلا رہا تھا کہ ایک آنے والے نے کہا: خمر کو حرام کردیا گیا، تو حضرت ابوطلحہ رض نے کہا: اے انس! اٹھو اور اس تمام شراب کو انڈیل دو۔

حضرت ابو مالک رض یا حضرت ابو مالک اشعری رض نے بیان کیا: نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا، ریشم، خمر اور آلات موسیقی کو حلال کہیں گے اور عنقریب کچھ لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے، جب شام کو وہ اپنے جانوروں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے

۱۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۲۱۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

۲۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اوران کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا تو کہیں گے: کل آنا۔ اللہ تعالیٰ پہاڑ گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا' اور دوسرے لوگوں (زنا' شراب اور آلات موسیقی کو حلال کرنے والوں) کو مسخ کر کے قیامت کے دن بندر اور خنزیر بنا دے گا۔ (۱)

امام ابوداؤدؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ عمر نے دعا کی کہ اے اللہ! خمر کے متعلق شافی حکم بیان فرما تو سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی: (آیت) "یسئلونک عن الخمر والمیسر "۔ (البقرہ: ۲۱۹) عمرؓ نے پھر دعا کی تو یہ آیت نازل ہوئی: (آیت) "یایھا الذین امنوا لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکری" (النساء: ۴۳) تب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے منادی نے نداء کی کہ کوئی شخص نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جائے' عمرؓ نے پھر دعا کی: اے اللہ! خمر کے متعلق شافی حکم نازل فرما تو یہ آیت نازل ہوئی: (آیت) "فھل انتم منتھون"۔ (المائدہ: ۹۰) حضرت عمرؓ نے کہا: ہم باز آ گئے۔ (۲)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہر وہ چیز جو عقل کو ڈھانپ لے وہ خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس شخص نے کسی نشہ آور چیز کو پیا اس کی چالیس دن کی نمازیں ناقص ہو جائیں گی' اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لے گا اور اگر اس نے چوتھی بار شراب پی تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کو طینۃ الخبال سے پلائے۔ پوچھا گیا کہ طینۃ الخبال کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا: دوزخیوں کی پیپ۔ (۳)

۱۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۲۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۶۱' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱۴۰۵ھ)

۳۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۶۲' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱۴۰۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے خمر پر لعنت فرمائی ہے اور خمر پینے والے پر' پلانے والے پر' بیچنے والے پر' خریدنے والے پر' خمر کو (انگوروں سے) نچوڑنے والے پر' اس کو بنانے والے پر' خمر کو لادنے والے پر اور جس کے پاس لاد کر لائی جائے۔ (۱)

امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاویہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص خمر پیئے اس کو کوڑے مارو' اگر وہ چوتھی بار پیئے تو اس کو قتل کردو۔ (۲)

امام عبدالرزاقؒ روایت کرتے ہیں:

حسنؒ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خمر پینے کی بناء پر اسی کوڑے مارے۔ (۳)

امام طحاویؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص خمر پیئے اس کو اسی کوڑے مارو۔ (۴)

خمر کی تعریف میں ائمہ مذاہب کا نظریہ

امام مالکؒ ' امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور اس کے پینے پر حد واجب ہے

۱۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۶۱' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱۴۰۵ھ)

۲۔ (جامع ترمذی ص ۲۲۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

۳۔ (المصنف ج ۷ ص ۳۷۹' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

۴۔ (شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۹۱ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۴ھ)

خواہ قلیل مقدار میں پئے یا کثیر مقدار میں۔ [۱]

اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے متعلق شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

قرآن مجید نے خمر کو حرام کیا ہے' اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خمر اس کچے شیرے کا نام ہے جو پڑے پڑے جوش کھانے لگے اور جھاگ چھوڑ دے' اس کو دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: (آیت) "ارنی اعصر خمرا" (یوسف:۳٦) میں نے خمر کو نچوڑ رہا ہوں" یعنی انگوروں کو نچوڑ رہا ہوں جو خمر ہو جائیں گے۔ [۲]

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف خمر حرام قطعی ہے' اس کا پینا' پلانا' بیچنا' خریدنا' رکھنا سب حرام قطعی ہے' خمر کے علاوہ تین مشروب اور حرام ہیں: ایک باذق ہے یعنی انگور کا پکا ہوا شیرہ جو پکنے کے بعد ایک تہائی رہ جائے یا جو پڑے پڑے جوش کھانے لگے اور جھاگ چھوڑ دے' دوسرا سکر ہے یعنی تازہ کھجوروں کا کچا شیرہ جب جھاگ چھوڑ دے' تیسرا نقیع الزبیب ہے یعنی کشمش کا کچا شیرہ جو پڑے پڑے جھاگ چھوڑ دے۔ [۳]

ان تینوں مشروبات کی حرمت ظنی ہے اور ان کی نجاست حفیفہ ہے جب کہ نشہ آور مقدار میں پیا جائے اور اس سے کم مقدار میں یہ حرام ہیں نہ نجس۔

امام ابو حنیفہؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: خمر (مطلقا) حرام کی گئی ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ

۱۔(الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۵۲ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

۲۔(المبسوط ج ۲ ص ۲٤ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

۳۔(رد المختار ج ۵ ص ۲۹۰۔۲۸۸ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱٤۰۷ھ)

آور (مقدار) کو حرام کیا گیا ہے۔ (۱)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: شراب کو بعینہ حرام کیا گیا ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور مقدار کو۔ (۲)

جوئے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان

عربی میں جوئے کے لیے میسر اور قمار دونوں لفظ استعمال کیے جاتے ہیں میسر کا لفظ یسر سے بنا ہے جس کا معنی آسانی ہے، چونکہ جوئے میں جتنے والا آسانی سے رقم حاصل کر لیتا ہے اس لیے اس کو میسر کہتے ہیں،

علامہ ابن عابدین شامی حنفیؒ لکھتے ہیں:

قمار قمر سے ماخوذ ہے جو کبھی کم ہوتا ہے کبھی زیادہ اور جوئے کو قمار اس لیے کہتے ہیں کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر ایک اپنا مال اپنے ساتھی کو دینے اور اپنے ساتھی کا مال لینے کو (شرط کے ساتھ) جائز سمجھتا ہے اور یہ نص قرآن سے حرام ہے اور اگر صرف ایک جانب سے شرط لگائی جائے تو جائز ہے۔ (۳)

علامہ ابوبکر جصاص حنفیؒ لکھتے ہیں:

۱۔ (مسند امام اعظم ص ۳۰٤، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی) امام ابو یوسف نے بھی اس حدیث کو امام ابوحنیفہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ (کتاب الآثار ص ۲۲۸) امام ابن ابی شیبہ۔ ۱ (امام ابوبکر احمد بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۰ھ، المصنف ج ٥ ص ۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی) اور امام دارقطنی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن دارقطنی ج ٤ ص ۲٥٦، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان) امام طبرانی تین مختلف اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

۲۔ (معجم کبیر ج ۱۰ ص ۳۳۹-۳۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت) حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ بعض سندوں کے ساتھ یہ حدیث صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ٥ ص ٥۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱٤۰۲ھ) امام نسائی نے اس حدیث کو چار مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۲۸۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن کبری ج ۸ ص ۲۹۷، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان)

۳۔ (رد المحتار ج ٥ ص ۲٥۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱٤۰۷ھ)

اہل علم کا قمار کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور باہم شرط لگانا بھی قمار ہے' حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: آپس میں شرط لگانا قمار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مال اور بیوی کی شرط لگاتے تھے' پہلے یہ مباح تھا' بعد میں اس کی تحریم نازل ہوگئی' جب سورہ روم نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر ؓ نے رومیوں کے ایرانیوں سے غالب ہونے پر مشرکین سے شرط لگائی تھی۔ نبی کریم ﷺ فرمایا: شرط میں زیادتی کرو اور مدت بڑھا دو' پھر بعد میں اس سے منع فرمایا اور قمار کی حرمت نازل ہوگئی اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے' البتہ شتر سواری' گھوڑے سواری اور نیزے بازی کی سابقیت کی شرط لگانے کی رخصت ہے بلکہ سب سے آگے نکلنے والے کو انعام دیا جائے اور پیچھے رہ جانے والے کو نہ دیا جائے اور اگر یہ شرط لگائی جائے کہ دونوں میں سے جو آگے نکل جائے گا وہ لے گا جو پیچھے رہ جائے گا وہ دے گا تو یہ ناجائز ہے اور اگر وہ کسی تیسرے شخص کو داخل کر دیں کہ اگر وہ آگے نکل گیا تو لے گا اور اگر پیچھے رہ گیا تو کچھ نہیں دے گا یہ جائز ہے' اس دخیل کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے محلل فرمایا ہے۔ [1]

لاٹری اور انعامی بانڈز وغیرہ کا شرعی حکم

لاٹری' معمہ بازی' ریس کورس میں گھڑ دوڑ' تاش' شطرنج' کیرم اور دیگر کھیلوں میں ہار جیت پر رقمیں لگانا' کرکٹ' فٹ بال اور سکوائش وغیرہ کے ملکی اور بین الاقوامی کھیلوں میں سٹہ کھیلنا یہ سب قمار اور میسر (جوا) ہیں' گناہ کبیرہ اور حرام قطعی ہیں' انعامی بانڈز پر جو انعامی رقم ملتی ہے وہ جائز ہے' قمار نہیں کیونکہ اس میں کسی فرد کی رقم ضائع نہیں ہوتی' ہر شخص جب چاہے اپنے بانڈز کو بینک سے کیش کرا سکتا ہے اس میں خریداری کی ترغیب دینے کے لیے بعض نمبروں پر حکومت انعام کی رقم کا اعلان کرتی ہے۔ اس کی مثال

۱۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۲۹' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

ایسے ہے جیسے بعض صابن ساز ادارے یا ٹوتھ پیسٹ بنانے والے کوئی اسکیم جاری کرتے ہیں اور خریداروں کو کوئی اضافی چیز انعام میں دیتے ہیں یا بعض ٹھنڈے مشروبات والے (مثلاً کوکا کولا) بوتل کے بعض ڈھکنوں پر انعامی رقم رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں آپ کہئے کہ جو ضرورت سے زائد ہو۔ (البقرہ:۲۱۹)

اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ شراب اور جوئے میں گناہ زیادہ ہے' اس سے معلوم ہوا کہ شراب اور جوائے سے روحانی اور بدنی بیماری ہوتی ہے اور ان میں پیشہ خرچ کرنا لائق مذمت۔ تب یہ سوال پیدا ہوا کہ کس چیز میں پیسہ خرچ کرنا لائق تحسین ہے؟ اور چونکہ اس کلام کا سیاق جہاد ہے اور جہاد کا عظیم ستون اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس سوال کو پھر دہرایا کہ کیا چیز خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ "عفو" جو ضرورت سے زائد ہو۔

"عفو" (زائد از ضرورت) کے معانی اور محامل:

حافظ جلال الدین سیوطی ؒ لکھتے ہیں:

امام ابن جریرؒ ' امام ابن المنذرؒ اور امام ابن ابی حاتم ؒ نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ ضرورت سے زائد خرچ کرنے کا حکم اس وقت تھا جب زکوۃ فرض نہیں ہوئی تھی۔

امام طبرانی ؒ اور امام بیہقی ؒ نے "عفو" کی تفسیر میں حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ جو چیز اہل و عیال پر خرچ کرنے سے بچ رہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کی جائے۔

امام ابن المنذرؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا ہے کہ "عفو" کے تین معنی ہیں۔

(۱) گناہ سے درگزر کرنا۔

(۲) میانہ روی سے خرچ کرنا اور اس آیت میں یہی مراد ہے یعنی اللہ کی راہ میں میانہ روی سے خرچ کرو

(۳) لوگوں کے ساتھ احسان کرنا' یہ معنی اس آیت میں ہے (آیت) "او یعفوا الذی بیدہ عقدۃ النکاح "۔(البقرہ:۲۳۷) (دخول سے پہلے مطلقہ عورت کو) شوہر بہ طور احسان نصف مہر سے زیادہ دے دے "۔

امام عبد بن حمیدؒ نے عطاءؒ سے روایت کیا ہے کہ "عفو" کا معنی ہے: ضرورت سے زائد۔

امام عبد بن حمیدؒ نے طاؤسؒ سے روایت کیا ہے کہ "عفو" کا معنی ہے: جس کا خرچ کرنا آسان ہو' اور مجاہدؒ نے کہا: اس سے مراد زکوۃ ہے۔

امام ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے "عفو" کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد صدقہ کی کوئی معین مقدار نہیں ہے اس کے بعد فرائض کو معین کر کے نازل کیا گیا ہے' نیز امام ابن جریرؒ نے سدیؒ سے "عفو" کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس حکم کو زکوۃ نے منسوخ کر دیا۔ (۱)

حافظ سیوطیؒ بیان کرتے ہیں:

امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے' اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی سارا مال صدقہ نہ کرو کہ اس کے بعد بھیک مانگتے پھرو) خرچ کی ابتداء اپنے اہل و عیال سے کرو' بیوی کہے گی: یا مجھے نفقہ دو یا مجھے طلاق دو' خادم کہے گا: مجھے کھانا دو اور مجھ سے کام لو' بیٹا کہے گا: مجھے کھلاؤ

۱۔(الدر المنثور ج۱ ص ۲۵۳' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ النجفی ایران)

تم مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟

امام بخاریؒ ' امام مسلمؒ ' امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے اور خرچ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔

امام ابوداؤدؒ ' امام نسائیؒ ' امام ابن جریرؒ ' امام ابن حبانؒ اور امام حاکمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ: میرے پاس ایک دینار ہے' آپ نے فرمایا: میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا: اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو' اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو' اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے' آپ نے فرمایا: تم اس کے خرچ کے متعلق بہتر جانتے ہو۔

امام ابن سعدؒ ' امام ابوداؤدؒ اور امام حاکمؒ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص انڈے کے برابر سونے کا ایک ٹکڑا لے کر آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مجھے ایک معدن (کان) سے یہ سونا ملا ہے' میں اس کو صدقہ کرتا ہوں' آپ اس کو لے لیجئے میرے پاس اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے اعراض کیا: اس نے دوبارہ پیچھے سے آ کر عرض کیا' آپ نے اس سے وہ سونا لے کر اس کی طرف اتنے زور سے پھینکا کہ اگر اس کو لگ جاتا تو اس کو بہت چوٹ لگتی یا اس کی آنکھ پھوٹ جاتی' آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنا (کل) مال لے کر میرے پاس آ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے'

پھر وہ بیٹھ کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے گا' بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی رہے اور خرچ کی ابتداء اپنے عیال سے کرو۔ [1]

﴿ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٠﴾ ﴾

اور وہ تم سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو جس میں ان کی بہبود ہو وہی بہتر ہے۔ اور اگر تم ان کو اپنے ساتھ شامل کر لو تو وہ تمہارے بھائی ہی ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کون بگاڑ چاہنے والا ہے اور کون اصلاح چاہنے والا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا۔ بیشک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

شانِ نزول

امام ابوداؤدؒ ونسائیؒ اور امام حاکمؒ وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جس وقت (آیت) "ولا تقربو مال الیتیم"۔ اور (آیت) "ان الذین یاکلون اموال الیتمی"۔ یہ آیتیں نازل

۱۔(الدر المنثور ج۱ ص۲۰۴۔۲۰۳، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

ہوئیں۔ چنانچہ جس کے زیر پرورش کوئی یتیم تھا اس نے یتیم کا کھانا اپنے کھانے سے اور اس کا پینا اپنے پینے سے الگ کر دیا اور اپنے کھانے سے زیادہ یتیم کے لیے کھانے کی چیز رکھنا شروع کر دی، جب تک کہ وہ اس کو کھا لیتا یا ضائع کر دیتا، مگر یہ چیز صحابہ کرامؓ کے لیے مشقت کا باعث ہوئی، انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس چیز کو بیان کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاری۔

زیر کفالت یتیم کے ساتھ طرز معاشرت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے متعلق سوال کا ذکر کیا گیا تھا' اس آیت میں مال خرچ کرنے کا ایک مصرف اور محل بتایا ہے کہ جو چیزیں تمہاری ضرورت سے زائد ہوں ان کو یتیموں پر خرچ کرو۔

اس آیت کے شان نزول کے متعلق حافظ سیوطیؒ بیان کرتے ہیں:

امام ابوداؤدؒ' امام نسائیؒ' امام ابن جریرؒ' امام ابن المنذرؒ' امام ابن ابی حاتمؒ' امام حاکمؒ اور امام بیہقیؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں۔

(آیت) "ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہ: (الانعام:۱۵۲)

ترجمہ: اور اچھے طریقہ کے سوا مال یتیم کے قریب نہ جاؤ حتی کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔

(آیت) "ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطوھم نارا وسیصلون سعیرا"۔ (النساء:۱۰)

ترجمہ: بیشک جو لوگ ناجائز طور پر یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں' اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچیں گے"۔۔

تو ہر وہ شخص جس کی زیر کفالت کوئی یتیم تھا' اس نے اپنا اور یتیم کا کھانا الگ الگ کر لیا' بعض اوقات یتیم

کا کھانا بچ جاتا اور بعد میں سڑ کر خراب ہو جاتا' نیز الگ الگ دو سالن پکانے میں مشقت اور دشواری مستزاد تھی' انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یتیم کے مال کے ضیاع اور اپنی دشواری کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر تم خیر خواہی کی نیت سے اپنا اور ان کا کھانا مشترک رکھو تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر اللہ چاہتا تو (یہ آسانی مہیا نہ کر کے) تم کو مشقت میں ڈال دیتا' لیکن اللہ تعالیٰ غالب ہونے کے ساتھ ساتھ حکمت والا بھی ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ اللہ پر دلوں کا حال روشن ہے' وہ خیر خواہ اور بدخواہ کو جانتا ہے اس کو علم ہے کہ یتیم کے مال کو ضیاع سے بچانے کے لیے کون مشترک کھانا پکایا کرتا ہے اور یتیم کے مال سے (بطور خیانت) فائدہ اٹھانے کے لیے کون ایسا کرتا ہے' یتیم کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے نقد مال اور باقی رہنے والی چیزوں کو الگ اس کے حساب میں رکھو اور جو چیزیں جلد خراب ہونے والی ہیں ان میں اپنا اور یتیم کا کھانا بہ قدر حساب مشترک رکھو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک نیتی اور خیر خواہی کے ساتھ یتیم کا ولی یتیم کے مال میں تصرف کر سکتا ہے' یتیم کے مال کی خرید و فروخت اور اس میں تجارت اور مضاربت کر سکتا ہے اور اگر یتیم کا فائدہ ہو تو یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر تجارت بھی کر سکتا ہے اور مضاربت بھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کے ساتھ اختلاط کی اجازت دی ہے تو ان کے مال کے ساتھ بھی اختلاط کر سکتا ہے اور ان کے نسب کے ساتھ بھی' یتیم لڑکے کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر سکتا ہے اور یتیم لڑکی کے ساتھ اپنے بیٹے کا نکاح کر سکتا ہے اور خود بھی اس سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ ان تمام مالی اور جسمانی تصرفات سے یتیم کی خیر خواہی

۱۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۵' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

مقصود ہو اس کے مال اور نفس سے اپنے خود غرضانہ فوائد مطلوب نہ ہوں۔

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ: اس کا تعلق (لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ) کے ساتھ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لیے شراب اور جوئے میں دنیا کے تھوڑے فائدے اور دنیا و آخرت کے نقصان اور گناہ کبیرہ کی بجائے اللہ کے راستے میں اپنی بہترین چیزیں خرچ کرنا کھول کر بیان کر رہا ہے، تا کہ تم چند روزہ دنیا اور ہمیشہ رہنے والی آخرت دونوں میں خود ہی غور و فکر کر لو کہ عقل سے کام لے کر تم کس کو ترجیح دیتے ہو

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ : سیدنا عبداللہ بن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت: (وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ)[الانعام:۱۵۲]

”اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو“ اور یہ آیت: (اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا)[النساء:۱۰] ”بیشک جو لوگ یتیموں کے اموال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھاتے اور وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے“ نازل ہوئیں تو جن لوگوں کے پاس یتیم تھے انھوں نے اپنا کھانا پینا ان کے کھانے پینے سے الگ کر لیا اور اگر یتیم کے کھانے پینے کی کوئی چیز بچ جاتی تو اسے اسی طرح سنبھال کر رکھ دیتے، حتیٰ کہ اسے خود یتیم ہی کھاتا، یا پھر وہ چیز خراب ہو جاتی، تو یہ صورت حال انھیں بہت گراں محسوس ہوئی اور اس کا ذکر انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ)

”وہ تجھ سے یتیموں کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے ان کے لیے کچھ نہ کچھ سنوارتے رہنا بہتر ہے اور اگر تم انھیں ساتھ ملا لو تو تمھارے بھائی ہیں۔“ تو اس کے بعد انھوں نے اپنا کھانا پینا اکٹھا کر لیا۔ [1]

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ: ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا﴾ [النساء: ۲]

”اور نہ ان کے اموال اپنے مالوں سے ملا کر کھاؤ، یقیناً یہ ہمیشہ سے بہت بڑا گناہ ہے۔“ اور فرمایا: ﴿وَلَا تَأْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا﴾ [النساء: ٦] ”اور فضول خرچی کرتے ہوئے اور اس سے جلدی کرتے ہوئے، انھیں مت کھاؤ کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔“ اور فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ [النساء: ۱۰]

”بیشک جو لوگ یتیموں کے اموال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھاتے اور وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔“ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ: ”اعنت“ کا معنی ہے کہ آدمی کو ایسی مشقت میں ڈالنا جس میں ہلاکت کا خطرہ ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر مشقت نہیں ڈالی بلکہ آسانی اور وسعت پیدا فرمائی۔ چنانچہ اصلاح کی نیت سے انھیں اپنے ساتھ ملا سکتے ہو اور اگر تم محتاج ہو تو بقدر خدمت وضرورت ان کے مال سے فائدہ بھی اٹھا سکتے ہو۔ ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [النساء: ٦]

”اور جو غنی ہو تو وہ بہت بچے اور جو محتاج ہو تو وہ جانے پہچانے طریقے سے کھا لے۔“

۱۔ [أبو داوٗد، کتاب الوصایا، باب مخالطۃ الیتیم فی الطعام: ۲۸۷۱۔ نسائی، کتاب الوصایا، باب ما للوصی من مال الیتیم إذا قام علیہ: ۳۶۹۹]

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۲۲۱﴾

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں اور ایک مومنہ لونڈی بہتر ہے ایک آزاد مشرکہ عورت سے اگرچہ وہ تمہیں اچھی بھی لگتی ہو اور اپنی عورتیں مشرکوں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں اور ایک مومن غلام بہتر ہے ایک آزاد مشرک مرد سے اگرچہ وہ تمہیں پسند بھی ہو یہ لوگ آگ کی طرف بلا رہے ہیں اور اللہ تمہیں بلا رہا ہے جنت کی طرف اور مغفرت کی طرف اپنے حکم سے اور وہ اپنی آیات واضح کر رہا ہے لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

شانِ نزول

حافظ جلال الدین سیوطیؒ اس آیت کے شان نزول متعلق لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتمؒ اور امام ابن المنذرؒ نے مقاتل بن حیانؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو مرثد غنویؓ کے متعلق نازل ہوئی ہے' انھوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اجازت طلب کی کہ وہ عناق نامی ایک مشرکہ عورت سے نکاح کر لیں جو نہایت حسین و جمیل عورت تھی اور حضرت ابو مرثدؓ مسلمان ہو چکے تھے' انھوں نے کہا: یارسول اللہ! وہ عورت مجھے بہت اچھی لگتی ہے' تب یہ آیت نازل ہوئی: اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ [1]

مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کے باوجود اہل کتاب سے نکاح کے جواز کی توجیہ:

اسلام میں یہ جائز ہے کہ اہل کتاب عورتوں کے ساتھ مسلمان مرد نکاح کر لیں لیکن اہل کتاب مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے' قرآن مجید نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کے باوجود کتابیہ یعنی یہودی یا عیسائی عورت کے ساتھ نکاح کی اجازت دی ہے۔

(آیت) "وطعام الذین اوتوا الکتب حل لکم وطعامکم حل لہم والمحصنت من المؤمنت والمحصنت من الذین اوتوا الکتب من قبلکم اذا اتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسفحین ولا متخذی اخدان"۔ (المائدہ:۵)

ترجمہ: اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے' اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور (تمہاری) آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (تمہارے لیے حلال ہیں) جب کہ تم ان سے نکاح کر کے ان کا مہر ادا کرو' نہ ان سے ظاہراً بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔

۱۔(الدر المنثور ج۱ ص۲۵۶' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

اب یہ سوال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی تھی تو پھر کتابیہ سے نکاح کی اجازت کیوں دی جب کہ اہل کتاب یہودی اور عیسائی بھی مشرک ہیں۔قرآن مجید میں ہے:

(آیت)"وقالت الیھود عزیر ابن اللہ وقالت النصری المسیح ابن اللہ"۔(التوبہ:۳۰)

ترجمہ:اور یہود نے کہا:عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاری نے کہا:مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ یہود و نصاری دونوں مشرک ہیں لیکن قرآن مجید کی اصطلاح ہے کہ اس نے بت پرستوں پر مشرکین کا اطلاق کیا ہے اور یہود و نصاری پر اہل کتاب کا' قرآن مجید میں ہے؛

(آیت)"مایود الذین کفروا من اھل الکتب ولا المشرکین"۔(البقرہ:۱۰۵)

ترجمہ:کافروں میں سے اہل کتاب اور مشرکین یہ پسند نہیں کرتے کہ۔۔۔

(آیت)"لم یکن الذین کفروا من اھل الکتب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینۃ"۔(البینۃ:۱)

ترجمہ:کافر اہل کتاب اور مشرکین بغیر واضح دلیل کے اپنے دین کو چھوڑنے والے نہ تھے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ مشرک عورتوں میں اہل کتاب عورتیں بھی داخل تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں میں اہل کتاب عورتیں بھی داخل تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مشرکات کے عموم سے اہل کتاب عورتوں کو مستثنی کر لیا' اور یہ اصطلاح میں عام مخصوص عنہ البعض ہے' حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

امام ابن جریر' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس سے (آیت)"ولا تنکحوا المشرکت"۔(البقرہ:۲۲۱) کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنی کر لیا ہے اور دلیل استثناء یہ آیت ہے:

(آیت)"والمحصنت من الذین اوتوا الکتب"۔(المائدہ:۵)

ترجمہ: اور اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (تمہارے لیے حلال ہیں)۔ [۱]

باقی رہی یہ بحث کہ خالص مشرک عورتوں اور اہل کتاب میں نکاح کے جواز کا فرق کرنے کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشرک نہ خدا کو مانتا ہے نہ کتاب کو نہ رسول اللہ کو نہ قیامت اور جزاء اور سزاء کو' نہ حلال اور حرام کا قائل ہوتا ہے' اس کے برعکس اہل کتاب ان تمام امور کو مانتے ہیں ان کے کفر کی صرف یہ وجہ ہے کہ انھوں نے غلو محبت میں اپنے اپنے رسول کو خدا اور خدا کا بیٹا کہہ دیا۔

دوسری بحث یہ ہے کہ مسلمان مردوں کا اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح جائز قرار دیا ہے اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب مردوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں کیا' اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عائلی اور گھریلو زندگی میں مرد حاکم ہوتا ہے اور اس کا گھر میں قبضہ اور اقتدار ہوتا ہے اور عورت فطرۃ منفعل مزاج اور گھر میں محکوم ہوتی ہے۔ اگر کسی یہودی یا عیسائی مرد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح جائز ہوتا تو عین ممکن تھا کہ وہ مسلمان عورت اپنے کافر شوہر کے معتقدات اور خیالات سے متاثر ہو جاتی اور اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جاتی۔ اس کے برعکس جب شوہر مسلمان ہو اور بیوی یہودی یا عیسائی ہو تو چونکہ گھر میں حاکم اور مقتدر شوہر ہوتا ہے اس لیے گھر میں اسلامی ماحول اور لٹریچر فراہم ہوگا اور اس اہل کتاب عورت کو اسلام کو قریب سے دیکھنے پڑھنے اور سمجھنے کا موقع ملے گا' اسلامی معاشرہ' اسلام کی تہذیب اور مسلمان خاندان سے میل جول اور ربط وضبط کی وجہ سے اس کے اسلام قبول کرنے کے بہت ذرائع میسر ہوں گے اور وہ جلد یا بہ دیر مسلمان ہو جائے گی اور اگر بالفرض وہ مسلمان نہ بھی ہو تو بچے بہر حال باپ کے دین کے تابع رہیں گے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام مواقع دار السلام میں ہی میسر ہوتے ہیں'

۱۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۶' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

اس لیے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ دارالکفر میں اہل کتاب عورت کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہاں کفر کا غلبہ ہوتا ہے اور جس حکمت کی وجہ سے اہل کتاب عورت کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے اس کے پورے ہونے کے مواقع وہاں میسر نہیں ہیں۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ: شروع اسلام میں مسلمان اور کافر میں رشتہ ناتا جاری تھا، اس آیت سے حرام ٹھہرا۔ اگر مرد نے یا عورت نے شرک کیا، اس کا نکاح ٹوٹ گیا۔ شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے، مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے یا وہ جو چاہے سو کر سکتا ہے، یا ہمارا بھلا یا برا کرنا اس کے اختیار میں ہے اور یہ کہ اللہ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے، مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اور اس سے حاجت طلب کرے، اس کو مختار جان کر۔ بعض صحابہ اہل کتاب میں سے شرک کرنے والی عورتوں سے نکاح کو درست نہیں سمجھتے، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر اور شرک کیا ہو سکتا ہے کہ کوئی (عیسائی) عورت یہ کہے کہ میرا رب عیسیٰ ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہے۔ [۱]

امام بخاریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں صرف یہی قول ذکر کیا ہے، اس کے مطابق اہل کتاب کی صرف موحد عورتوں سے نکاح درست ہوگا۔ مگر اللہ نے اہل کتاب کا شرک خود ذکر کرنے کے باوجود ان کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، تو اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں۔ چنانچہ فرمایا: (وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ) [المائدۃ: ۵] "اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی۔" خلاصہ یہ کہ مسلمان کو کسی ہندو، بت پرست، کمیونسٹ یا

۱۔ [بخاری، کتاب الطلاق، باب قول اللہ تعالیٰ (ولا تنکحوا المشرکت حتی یؤمن): ۵۲۸۵]

آتش پرست عورت سے نکاح کرنا حرام ہے۔البتہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح میں اگرچہ ایمان کا خطرہ ہے،اس لیے کراہت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے۔

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مومن لونڈی آزاد مشرک عورت سے بہتر ہے اور مومن غلام آزاد مشرک مرد سے بہتر ہے، اگرچہ مال و دولت، حسب نسب، حسن و جمال کے لحاظ سے مشرک مرد یا عورت اچھے ہی کیوں نہ ہوں۔

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”عورت سے شادی چار چیزوں کی وجہ سے کی جاتی ہے: 1 اس کے مال کی وجہ سے۔ 2 اس کے خاندان کی وجہ سے۔ 3 اس کے حسن و جمال کی وجہ سے۔ 4 اور اس کے دین کی وجہ سے،تو تم دین دار عورت سے شادی کرنے میں کامیابی حاصل کرو،تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔“ [۱]

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”دنیا سامان زندگی ہے اور دنیا کا بہترین سامان زندگی نیک عورت ہے۔“ [۲]

سیدنا سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے سے گزرا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اس شخص کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟“ لوگوں نے کہا، یہ اس قابل ہے کہ کہیں منگنی کا پیغام بھیجے تو اس کا نکاح کر دیا جائے، اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے اور اگر بات کرے تو اس کی بات سنی جائے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد فقراء مسلمانوں میں سے ایک شخص آپ کے سامنے سے گزرا، آپ نے

۱۔[بخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین: ۵۰۹۰۔ مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین: ۱٤٦٦]

۲۔[مسلم، کتاب الرضاع، باب خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ: ۱٤٦٩]

فرمایا: "اس شخص کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟" لوگوں نے کہا کہ یہ ایسا ہے کہ اگر منگنی کا پیغام بھیجے تو اس سے نکاح نہ کیا جائے، اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ کی جائے اور اگر بات کرے تو کوئی اس کی بات نہ سنے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس (پہلے) آدمی جیسے اتنے ہوں کہ ان سے زمین بھر جائے تو یہ شخص ان سب سے بہتر ہے۔"[1]

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا: اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان عورت آزاد ہو یا غلام، اسے مشرک کے نکاح میں دینا جائز نہیں، پھر مشرک خواہ بت پرست ہو یا یہودی یا عیسائی یا مجوسی یا دہریہ، کسی بھی غیر مسلم سے مسلم عورت کا نکاح جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں سے نکاح حرام کرنے کے بعد سورہ مائدہ میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی، مگر مشرک مردوں کو اپنی عورتوں کا نکاح دینے سے منع کرنے کے بعد کسی غیر مسلم سے نکاح کی اجازت نہیں دی۔ جس طرح کسی بھی مشرک سے مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں، خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی، اسی طرح اگر کوئی کلمہ گو مسلمان بھی شرک کا مرتکب ہو تو اس سے کسی مسلم موحد عورت کا نکاح جائز نہیں، کیونکہ مرد کے غالب ہونے کی وجہ سے اس موحد عورت کو شرک پر مجبور ہونے کا خطرہ ہے۔" اور (اپنی عورتیں) مشرکوں کے نکاح میں نہ دو۔" یہ جملہ واضح دلیل ہے کہ عورت اپنا نکاح خود نہیں کرسکتی، بلکہ اس کا ولی اس کا نکاح کروائے گا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے واضح الفاظ میں ولی کے بغیر نکاح سے منع فرمایا ہے۔

أُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ: یعنی یہ مشرک مرد و عورت دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور بلائیں گے۔ ان کی صحبت سے نقصان پہنچے گا۔ صحبت اچھی ہو یا بری ضرور اثر انداز ہوتی ہے، سیدنا ابو موسیٰؓ بیان کرتے

۱۔ [بخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین: ۵۰۹۱]

ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اچھے اور برے ہم نشیں کی مثال عطر فروش اور بھٹی دھونکنے والے جیسی ہے۔ عطر فروش یا تو خود تمہیں کچھ خوشبو پیش کرے گا، یا تم اس سے خوشبو خریدو گے، یا تمہیں خوشبو آئے گی (غرض یہ کہ ہر حال میں کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوگا) اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلائے گا، یا تمہیں بدبو آئے گی (یعنی ہر حال میں تمہیں کچھ نہ کچھ نقصان پہنچے گا)۔“ [۱]

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ ﴾

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں حیض کا کیا حکم ہے کہو وہ ایک گندگی کی حالت ہے اس میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ وہ پاک صاف نہ ہو جائیں پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ۔ اس طرح جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو توبہ کریں اور پاکیزگی اختیار کریں۔

۱۔ [بخاری، کتاب الذبائح، باب المسک: ٥٥٣٤۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب استحباب مجالسۃ الصالحین۔۔ الخ: ٢٦٢٨]

حیض کا حکم بیان کرنے کا شان نزول

اس سے پہلی آیت میں نکاح کا ذکر کیا گیا تھا اور نکاح کے لوازم سے بیوی کے ساتھ جماع کرنا ہے' سو ان آیتوں میں بتایا ہے کہ کس حالت میں عورت کے ساتھ جماع کرنا ہے اور کس حالت میں نہیں کرنا اور چونکہ جماع کا مقصد حصول اولاد ہے' محض قضاء شہوت نہیں ہے' اس لیے فرمایا کہ جس جگہ سے حصول اولاد ہو وہاں تخم ریزی کرو' یعنی عمل معکوس نہ کرو' خواہ اس عمل (تخم ریزی) کے لیے کوئی طریقہ اختیار کرو

شان نزول

حافظ جلال الدین سیوطیؒ اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں

امام احمدؒ 'امام دارمیؒ 'امام مسلمؒ ' امام ابوداؤدؒ 'امام ترمذیؒ 'امام ابن ماجہؒ 'امام ابو یعلیؒ 'امام ابن المنذرؒ 'امام ابن ابی حاتمؒ 'امام ابن حبانؒ اور امام بیہقیؒ 'حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ یہود کے ہاں جب کسی عورت کو حیض آ جاتا تو وہ اس کو گھر سے نکال دیتے' اس کے ساتھ کھاتے نہ پیتے نہ اس کے ساتھ گھروں میں رہتے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ تب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ان عورتوں کو گھروں میں رکھو اور عمل زوجیت کے سوا ان کے ساتھ سب کچھ کرو' جب یہود کو یہ خبر پہنچی تو انھوں نے کہا: یہ شخص ہر بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے' پھر حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت عباس بن بشرؓ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہود اس اس طرح کہہ رہے ہیں تو کیوں نہ ہم اپنی عورتوں سے جماع بھی کر لیں یہ سن کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا چہرہ متغیر ہو گیا حتیٰ کہ ہم

نے یہ گمان کیا کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے ہیں اس کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ہدیہ میں دودھ آیا تو آپ نے وہ دودھ ان دونوں کے لیے بھیجا اس سے ان دونوں نے یہ جانا کہ آپ ان سے ناراض نہیں ہوئے۔ [۱]

اس سے معلوم ہوا کہ استاد یا ماں باپ' شاگرد یا اولاد کو اگر کسی بات پر ڈانٹیں تو بعد میں کسی طرح ان کی دل جوئی کر کے اس کی تلافی بھی کریں۔

حائضہ سے مباشرت کرنے کی دینی اور دنیاوی خرابی

امام ابوداؤدؒ روایت کرتے ہیں: حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: حائضہ عورت سے جماع کے سوا باقی سب کچھ کر سکتے ہو۔ [۲]

اس حدیث کی بناء پر ہمارے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ شوہر ایام حیض میں اپنی بیوی سے جسمانی قرب اور جسمانی لذت حاصل کر سکتا ہے' البتہ ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک احتراز کرے' کیونکہ اگر اس میں بھی دست درازی کرے گا تو خطرہ ہے کہ وہ عمل زوجیت میں مبتلا ہو جائے گا۔ امام ابن ماجہؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص نے حائضہ عورت سے جماع کیا یا کسی عورت کی سرین میں دخول کیا یا کسی شخص نے کاہن کے قول، کی تصدیق کی تو اس نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل شدہ دین کے ساتھ کفر کیا۔ [۳]

۱۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۸' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

۲۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹٤' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱٤۰۵ھ)

۳۔ (سنن ابن ماجہ ص ٤۷' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

ایام حیض کے تعین میں مذاہب ائمہ

علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں حیض کی کم از کم مدت ایک دن اور رات ہے' اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے' اور عموماً حیض چھ یا سات دن ہوتا ہے' اور دو حیضوں کے درمیان کم از کم طہر (پاکیزگی کے ایام) کی مدت پندرہ دن ہے۔ [۱]

علامہ دردمالکیؒ لکھتے ہیں: حیض کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے۔ [۲]

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: حیض کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے۔ [۳]

علامہ علاء الدین حصکفی حنفیؒ لکھتے ہیں: حیض کی کم از کم تین دن اور تین راتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔ [۴]

بلوغت کے بعد عورت کو ایام ماہواری میں جو خون آتا ہے، اسے حیض کہا جاتا ہے۔ حیض کے ایام میں عورت کے لیے نماز معاف ہے اور روزے رکھنا ممنوع ہے، تاہم روزوں کی قضا بعد میں ضروری ہے اور اس حالت میں مرد کے لیے عورت سے ہم بستری منع ہے، البتہ بوس و کنار جائز ہے۔ عورت ان دنوں میں کھانا پکانا اور دیگر گھر کا ہر کام کرسکتی ہے لیکن یہودیوں میں ان دنوں میں عورت کو بالکل نجس سمجھا جاتا

۱۔ (الدر المختار علی رد المختار ج۱ ص۱۸۹۔۱۸۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱٤۰۷ھ)

۲۔ (روضۃ الطالبین ج۱ ص۲٤۸۔۲٤۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱٤۰۵ھ)

۳۔ (المغنی ج۱ ص۱۸۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱٤۰۵ھ)

٤۔ (درمختار علی ھامش رد المختار ج۱ ص۱۸٦ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱٤۰۷ھ)

تھا، وہ اس کے ساتھ کھانا پینا اور اختلاط جائز نہیں سمجھتے تھے۔ صحابہ نے اس کے متعلق دریافت کیا تو یہ آیت اتری کہ آپ انھیں بتا دیجیے کہ ماہواری کا خون گندا اور نقصان دہ ہے، اس لیے مدت حیض میں ان کے ساتھ مجامعت نہ کرو اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب بھی نہ جاؤ یعنی ان کے ساتھ جماع نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ گناہوں سے توبہ کرنے والوں اور نجاستوں کی گندگیوں سے پاکی حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ قُلۡ هُوَ اَذًی: سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یہ ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی (تمام) بیٹیوں کے لیے مقدر کر دی ہے۔"[1]

فَاعۡتَزِلُوا النِّسَاءَ فِی الۡمَحِیۡضِ وَلَا تَقۡرَبُوۡهُنَّ: سیدنا انسؓ سے روایت ہے کہ جب عورت کے ایام حیض شروع ہو جاتے تو یہودی نہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے اور نہ گھروں میں ان سے میل جول رکھتے۔ صحابہ کرامؓ نے اس کے بارے میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت کیا تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (وَیَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡمَحِیۡضِ قُلۡ هُوَ اَذًی فَاعۡتَزِلُوا النِّسَاءَ فِی الۡمَحِیۡضِ وَلَا تَقۡرَبُوۡهُنَّ حَتّٰی یَطۡهُرۡنَ) "وہ تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔" اس طرح یہ پوری آیت اس سوال کے جواب میں نازل ہوئی، پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ایام حیض میں تم عورتوں سے مقاربت (یعنی ہم بستری) کے علاوہ باقی سب کچھ کر سکتے ہو۔" یہودیوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ شخص تو اب ہر کام میں ہماری مخالفت کا ارادہ کرنے لگا ہے۔ اسید بن حضیرؓ اور عباد بن بشرؓ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول!

۱۔ [بخاری، کتاب الحیض، باب تقضی الحائض المناسک۔۔۔ الخ: ۳۰۵]

یہودیوں نے یہ باتیں کی ہیں، تو کیا ہم ان سے اس حالت میں بھی مقاربت نہ کرلیا کریں؟ یہ سن کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہرہ اقدس کا رنگ بدل گیا، جس کی وجہ سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ آپ ان سے ناراض ہیں۔ یہ دونوں چلے گئے، ادھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں دودھ کا تحفہ پیش ہوا تو آپ نے انھیں واپس بلایا اور دودھ پلایا، جس سے انھیں معلوم ہوگیا کہ آپ ان سے ناراض نہیں ہیں۔ [۱]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سر مبارک کو کنگھی کر دیتی تھی، حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی، اسی طرح آپ میری گود میں سر رکھ کر قرآن مجید کی تلاوت فرما لیا کرتے تھے اور میں حائضہ ہوتی تھی۔ [۲]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں کوئی مشروب پیتی اور میں خاص ایام میں ہوتی، پھر میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو برتن دے دیتی تو آپ بھی وہیں سے نوش فرماتے جہاں سے میں نے پیا ہوتا تھا اور میں ہڈی سے گوشت کھاتی اور میں خاص ایام میں ہوتی تھی، پھر میں یہ ہڈی نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دے دیتی تو آپ بھی وہیں سے گوشت کھاتے جہاں سے میں نے کھایا ہوتا تھا۔ [۳]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا: ”یہ چیز تو اللہ تعالیٰ نے بنات آدم کے لیے مقدر کردی ہے، لہٰذا تم وہ تمام کام کرو جو حاجی کرتا ہے، سوائے اس

۱۔[مسند أحمد: ۳/ ۱۳۲، ۱۳۳، ح: ۱۲۳۶۲۔ مسلم، کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجھا۔۔ الخ: ۳۰۲]

۲۔[بخاری، کتاب الحیض، باب غسل الحائض رأس زوجھا وترجیلہ۔۔ الخ: ۲۹۵، ۲۹۷]

۳۔[مسلم، کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجھا۔۔ الخ: ۳۰۰]

کے کہ جب تک پاک نہ ہو جاؤ کعبہ کا طواف نہ کرو۔“ (۱)

سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کی، اے اللہ کے رسول! صفیہ بنت حیی تو حائضہ ہوگئی ہیں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”شاید وہ ہمیں روکیں گی (یعنی جب تک وہ طواف افاضہ نہ کرلیں ہم نہیں جا سکتے)۔“ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”کیا انھوں نے تمھارے ساتھ طواف (افاضہ) نہیں کیا؟“ لوگوں نے کہا، ہاں کرلیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”تو پھر چلو۔“ (۲)

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ہم حیض میں ہوتی تھیں تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں روزوں کی قضا کا حکم دیتے تھے، نماز کی قضا کا حکم نہیں دیتے تھے۔ (۳)

سیدہ میمونہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں حالت حیض میں ہوتی اور اس حالت میں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی جائے نماز پر نماز پڑھتے ہوتے اور میں آپ کے سامنے لیٹی رہتی۔ جب آپ سجدہ کرتے تو آپ کے کپڑے کا کچھ حصہ مجھ پر آ پڑتا تھا۔ (۴)

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ: ”فَاْتُوْهُنَّ“ کا مطلب یہ نہیں کہ ضرور ہی ان سے صحبت کرو، بلکہ منع کرنے کے بعد امر آئے تو اجازت مراد ہوتی ہے۔ ”جہاں سے اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ سے (

۱۔ [بخاری، کتاب الحیض، باب تقضی الحائض المناسک کلھا إلا الطواف: ۳۰۵]

۲۔ [بخاری، کتاب الحیض، باب المرأۃ تحیض بعد الإفاضۃ: ۳۲۸]

۳۔ [مسلم، کتاب الحیض، باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلوۃ: ۳۳۵/۶۹]

۴۔ بخاری، کتاب الحیض، بابٌ: ۳۳۳]

یعنی شرمگاہ میں جماع سے) تمہیں منع کیا تھا، اب اس جگہ سے عورت کے پاس جانے کی اجازت ہے۔ دبر کی اجازت نہ پہلے تھی نہ اب ہے، یہ تو سراسر گندگی ہے اور (الْمُتَطَهِّرِينَ) بہت پاک رہنے والوں سے اس کی کوئی نسبت ہی نہیں۔ اسی طرح حیض کی حالت میں جانا بھی (الْمُتَطَهِّرِينَ) کے لائق نہیں، اگر کوئی اس حالت میں چلا گیا تو بہت توبہ کرنے سے اللہ کی محبت کا پھر سے حق دار بن سکتا ہے۔

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٣﴾﴾

تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں، تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ، اور اپنے لیے آگے بھیجو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب جان لو کہ تمہیں اس سے لازماً ملنا ہے، اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دو۔

شان نزول

امام بخاریؒ و مسلمؒ، ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ جب آدمی پشت کی جانب سے ہو کر شرمگاہ میں صحبت کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاری کی تمہاری بیویاں تمہارے لیے کھیت کی مانند ہیں، جس طرح سے چاہو ان سے صحبت اور ہمبستری کرو۔

اور امام احمدؒ اور ترمذیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں ہلاک ہو گیا، آپ نے فرمایا کس چیز نے تمہیں ہلاک کر دیا، عرض کیا رات پشت کی طرف سے ہو کر میں نے اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کر لی ہے۔ آپ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، اتنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (آیت) "نساؤکم حرث لکم"۔ یعنی خواہ تم اپنی کھیتیوں میں سامنے کی طرف سے آؤ یا پشت کی طرف سے، پیچھے کے راستہ میں اور حیض کے زمانہ میں صحبت کرنے سے بچو، ابن جریرؒ، ابو یعلیٰؒ اور ابن مردویہؒ نے بواسطہ زید بن اسلمؒ، عطا بن یسارؒ، حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے پشت کی طرف سے ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کی، لوگوں نے اس چیز کو بری نظر سے دیکھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی کہ (آیت) "نساؤکم حرث لکم"۔ (الخ)

اور امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عورتوں سے ان کی پشتوں کی جانب سے صحبت کرنے کے بارے میں اتری ہے۔

اور امام طبرانیؒ نے اوسط میں سند جید کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ (آیت) "نساؤکم حرث لکم"۔ (الخ) یہ آیت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر پشت کی طرف سے بیٹھ کر صحبت کرنے کی اجازت کے متعلق اتری ہے اور امام طبرانیؒ ہی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ میں اپنی بیوی سے پشت کی طرف سے آکر صحبت کر لی تھی، لوگوں نے اس پر اسے ٹوکا اور ناپسند کیا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی، یعنی تمہاری بیویاں کھیتوں کی مانند ہیں جس طریقہ سے چاہو آؤ (اور اپنے کھیت میں آؤ جو اگلا حصہ ہے پچھلا حصہ

کھیت نہیں کیونکہ اس میں کھیتی نہیں اگتی یعنی بچہ کی پیداوار نہیں۔ مترجم)

امام ابوداؤدؒ اور حاکمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابن عمرؓ کی بخشش فرمائے، ان کو وہم ہو گیا ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ انصار کے یہ قبیلہ والے یہودیوں کے اس قبیلے کے ساتھ بت پرستی میں شریک تھے اور یہ لوگ اہل کتاب کو اپنے سے علم میں زیادہ عالم سمجھتے تھے، لہٰذا بہت سی باتوں میں انصار ان کی پیروی کرتے تھے، چنانچہ اہل کتاب اپنی بیویوں سے صرف ایک ہی طرف سے صحبت کرتے تھے اور یہ چیز عورت کے حق میں زیادہ پردہ کا باعث ہوتی تھی اور انصار کے قبیلہ نے بھی یہودیوں سے بھی بات لے لی تھی، اور قریش کا قبیلہ عورتوں کے ساتھ مختلف طریقوں سے صحبت کرتا تھا اور ان سے سامنے سے اور پشت سے ہو کر اور ایسے ان کے ساتھ چت لیٹ کر لذت حاصل کیا کرتا تھا، جب مہاجرین مدینہ منورہ آئے تو مہاجرین میں سے ایک شخص نے ایک انصاری عورت کے ساتھ شادی کی، جب مہاجر نے اس عورت کے ساتھ ہمبستری کرنا چاہی تو اس نے اس طریقہ کے ساتھ کرنے سے انکار کیا اور ناپسند کیا اور کہا کہ ہمارے یہاں تو صرف ایک ہی جانب سے صحبت کی جاتی ہے غرض کہ ان دونوں کی یہ بات پھیل گئی حتی کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی اس کی اطلاع ہوئی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کر دی کہ سامنے کی جانب یا پشت کی طرف سے ہو کر یا پہلو کے بل لیٹ کر جس طرح چاہو اولاد پیدا ہونے کی جگہ میں جو اگلا حصہ ہے صحبت اور ہمبستری کرو۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے جو اس آیت کے نزول کا سبب بیان کیا ہے وہ مشہور ہے اور ابن عباسؓ کو ابوسعید خدریؓ کی روایت نہیں پہنچی، صرف ابن عمرؓ کی پہنچی ہے

جس پر انھوں نے یہ گفتگو کی ہے۔ ١

فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ : یہودیوں کا خیال تھا کہ اگر عورت کو پیٹ کے بل لٹا کر مباشرت کی جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ اس کی تردید میں کہا جا رہا ہے کہ مباشرت آگے سے کرو (چت لٹا کر) یا پیچھے سے (پیٹ کے بل) یا کروٹ پر، جس طرح چاہو، جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر صورت عورت کی فرج ہی استعمال ہو، کیونکہ قرآن نے عورت کو کھیتی قرار دیا ہے اور یہ کھیتی صرف فرج ہے نہ کہ دبر۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہودی کہتے تھے، اگر عورت سے پیچھے کی طرف سے مقاربت کی جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، تب اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: (نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ) ”تمھاری عورتیں تمھارے لیے کھیتی ہیں، سو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔“ ٢

علی بن طلق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عورتوں کی دبروں میں مباشرت سے منع فرمایا ہے اور فرمایا: ”بیشک اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے عار نہیں کرتا۔“ ٣

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے صحبت کا ارادہ کرے اور یہ دعا پڑھ لے: (بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا) ”اللہ کے نام سے، اے اللہ! تو ہمیں شیطان سے بچا اور جو اولاد تو

١۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

٢۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (نساءکم حرث لکم): ٤٥٢٨۔ مسلم، کتاب النکاح، باب جواز جماعہ امرأتہ فی قبلھا۔۔الخ: ١٤٣٥۔ أبوداؤد، کتاب النکاح، باب فی جامع النکاح: ٢١٦٣]

٣۔ [ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی کراھیۃ إتیان النساء فی أدبارھن: ١١٦٤]

ہم کو عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچا۔“ چنانچہ اس صحبت کے نتیجے میں اگر ان کے ہاں اولاد پیدا ہوئی تو شیطان اسے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔“ (۱)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے، پھر (اسی وقت) دوبارہ جماع کرے تو ان دونوں کے درمیان وضو کرے۔“ (۲)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین مرتبے والا وہ شخص ہے جو اپنی بیوی سے تنہائی میں ملے اور پھر وہ اس کے راز کو ظاہر کرے۔“ (۳)

وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ: یعنی اپنے لیے نیک اعمال آگے بھیجو۔ نیک اولاد انسان کا بہترین سرمایہ ہے اور بیوی سے صحبت کے وقت نیک اولاد کے حصول کی نیت بھی اس میں شامل ہے (وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ) میاں بیوی کے باہمی معاملات میں اگر کوئی زیادتی ہو تو نہ کوئی گواہ ہوتا ہے نہ دخیل۔ مگر اللہ سے ملاقات تو یقینی ہے، اس لیے اس سے ڈرتے رہو۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت رکھنے والی ہو اور اس سے اولاد زیادہ پیدا ہونے والی ہو (جس کا اندازہ خاندانی عورتوں کے احوال سے ہو جاتا ہے) کیونکہ میں (قیامت کے دن) تمہاری کثرت پر فخر کروں

۱۔[بخاری، کتاب التوحید، باب السؤال بأسماء اللہ تعالیٰ۔۔الخ:۷۳۹۶]
۲۔[مسلم، کتاب الحیض، باب جواز نوم الجنب۔۔الخ:۳۰۸]
۳۔[مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم إفشاء سر المرأۃ:۱۴۳۷]

گا۔ (۱)

﴿ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۲۴﴾ ﴾

اور اپنی قسموں کے ذریعہ نیکی کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کے لیے اللہ کو آڑ نہ بناؤ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

شان نزول

ابن جریرؒ نے ابن جریجؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ جب انھوں نے مسطح کے بارے میں حسن سلوک نہ کرنے کی قسم کھالی تھی۔ (۲)

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِكُمْ ، عرب جاہلیت کے جاہلانہ دستوروں میں سے ایک دستور یہ بھی تھا کہ قسم کھا کر یہ کہہ دیتے تھے کہ ہم فلاں کام نیکی، تقویٰ، اصلاح ذات البین کا نہیں کریں گے اور جب کوئی ان سے کہتا تو یہ کہہ دیتے کہ ہم اس کام کے نہ کرنے کی قسم کھا چکے ہیں، ان اعمال خیر کا ترک یوں بھی صورتاً مذموم تھا چہ جائیکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے باعظمت نام کو قرب حق کے بجائے کار خیر سے دوری کا ذریعہ بنایا جائے۔ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے کسی بات کی قسم کھائی ہو اور بعد میں اس پر واضح ہو جائے کہ اس قسم کو توڑ دینے ہی میں خیر ہے تو اس کو قسم توڑ دینی چاہیے اور کفارہ ادا کرنا

۱۔ (سنن ابوداود ص ۲۸۰ ج ۱)

۲۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

چاہیے، قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انھیں کپڑے پہنانا، یا ایک غلام آزاد کرنا یا تین دن کے روزے رکھنا ہے، البتہ جو قسمیں بطور تکیہ کلام کے بلا ارادہ زبان سے نکل جاتی ہیں ایسی قسموں پر نہ مواخذہ ہے اور نہ کفارہ۔ عُرضة، کے عام اور متداول معنی ہدف یا نشانہ کے ہیں اور بعض نے یہی معنی مراد لیے ہیں لیکن ایک دوسرے معنی حجاب اور مانع کے بھی ہیں اور یہاں یہی معنی زیادہ چسپاں ہیں۔ فقہاء نے بلا ضرورت اور کثرت سے قسم کھانے کو یوں بھی ناپسند کیا ہے اس میں اللہ کے نام کی بے توقیری ہے، چہ جائیکہ قصداً جھوٹی قسمیں کھانا۔ [۱]

اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ مسلمان جب قسم کھائے تو اسے پورا کرے، لیکن اگر قسم ایسی ہو جو کسی عمل صالح کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہو تو ایسی قسم توڑ دی جائے گی اور اس نیک کام کو پورا کیا جائے گا اور قسم کا کفارہ ادا کر دیا جائے گا۔ بعض لوگ اپنے رشتہ داروں سے کسی وقتی اختلاف اور ناراضگی کی وجہ سے قسم کھا لیتے تھے کہ آئندہ اس کے ساتھ وہ بھلائی جاری نہیں رکھیں گے جو پہلے سے کرتے چلے آ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ اپنی قسموں کو نیکی، تقویٰ اور بھلائی کی راہ میں رکاوٹ نہ بناؤ۔ ارشاد فرمایا: (وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ) [النور: ۲۲] ”اور تم میں سے فضیلت اور وسعت والے اس بات سے قسم نہ کھا لیں کہ قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دیں اور لازم ہے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخشے۔“ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے

۱۔ تفسیر جلالین

ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہم گو آخر میں آنے والے ہیں لیکن روز قیامت سب سے سبقت کرنے والے ہوں گے۔" پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ کی قسم! (بعض اوقات) اپنے گھر والوں کے معاملہ میں تمہارا اپنی قسموں پر اصرار کرتے رہنا یہ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ گناہ کی بات ہوتی ہے کہ (قسم توڑ کر) اس کا وہ کفارہ ادا کردیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض کیا ہے۔"[1]

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں اگر کسی بات پر قسم کھاؤں اور پھر یہ دیکھوں کہ کوئی دوسری بات اس سے زیادہ بہتر ہے تو میں انشاء اللہ زیادہ بہتر بات کو اختیار کرلوں گا اور اپنی قسم کا کفارہ دے دوں گا۔"[2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص کسی کام کے بارے میں قسم کھالے، پھر دیکھے کہ دوسرا کام اس سے زیادہ بہتر ہے تو وہ اپنی قسم کا کفارہ دے دے اور اس سے بہتر کام کو سرانجام دے۔"[3]

عبد بن حمید رحمہ اللہ، ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے رشتہ دار سے بات نہ کرنے کی قسم کھالے یا صدقہ نہ کرنے کی (قسم کھالے)

۱۔[بخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب قول اللہ تعالیٰ: (لایؤاخذکم اللہ باللغو فی أیمانکم):٦٦٢٤،٦٦٢٥۔ مسلم، کتاب الأیمان، باب النھی عن ال إصرار علی الیمین۔۔الخ:١٦٥٥]

۲۔[بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب لحم الدجاج:٥٥١٨۔ مسلم، کتاب الأیمان، باب ندب من حلف یمیناً فرأی غیرھا خیرً امنھا۔۔الخ:١٦٤٩]

۳۔[مسلم، کتاب الأیمان، باب ندب من حلف یمیناً فرأی غیرھا خیراً منھا۔۔الخ:١٦٥٠]

یا اگر دو آدمیوں کے درمیان کوئی غصہ ہو تو ان کے درمیان صلح نہ کرانے کی قسم کھا لے۔ اور یہ کہے کہ میں نے قسم کھا لی ہے تو فرمایا اپنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے۔

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٢٥﴾﴾

اللہ تعالیٰ تمہارا مواخذہ نہیں فرمائے گا تمہاری لغو قسموں کے بارے میں لیکن مواخذہ اس بات پر فرمائے گا جس کا تمہارے دلوں نے ارادہ کیا اور اللہ غفور ہے حلیم ہے۔

بعض اوقات انسان کی زبان پر قسم کے الفاظ آ جاتے ہیں، ان سے اس کی کوئی نیت نہیں ہوتی۔ ایسی قسم کا کوئی اعتبار نہیں۔ اللہ نے اپنا فضل و کرم کرتے ہوئے بندوں کو خبر دی ہے کہ ایسی قسم پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کریں گے۔ مواخذہ اس قسم پر ہو گا جس میں دل کے قصد کا دخل ہو تو ان پر کفارہ یا سزا ہے، مگر کوئی شخص جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے کہ میں نے یا فلاں نے یہ کام کیا ہے یا نہیں کیا تو یہ کبیرہ گناہ ہے، اس کا کفارہ نہیں، صرف ندامت، آئندہ ایسا نہ کرنے کا عہد، اور استغفار ہی اس کا علاج ہے، اسے یمین غموس کہتے ہیں۔ سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ یہ آیت: (لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ) "اللہ تمہیں تمہاری قسموں میں لغو پر نہیں پکڑتا" یہ ان قسموں کے بارے میں نازل ہوئی (جو عادتاً اور بے ساختہ ہیں، جیسے) نہیں اللہ کی قسم اور کیوں نہیں اللہ کی قسم۔"[1]

۱۔ [بخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب (لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم): ٦٦٦٣]

جو شخص کسی بت اور طاغوت کی قسم کھالے تو اس کے بارے میں سیدنا ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص قسم اٹھائے اور کہہ بیٹھے کہ لات وعزیٰ کی قسم! تو اسے چاہیے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھے۔" [1]

سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "لغو قسم یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر میں اس طرح کہتا رہتا ہے، ہرگز نہیں اللہ کی قسم! کیوں نہیں اللہ کی قسم!"۔ [2]

قسموں کی قسموں کا بیان اوران کے احکام

جو قسم کھائی جائے اس کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ گزشتہ کسی فعل پر جھوٹی قسم کھائی جائے، جو کام نہیں کیا تھا اس کے بارے میں قسم کھالے کہ میں نے کیا، یا جو کام کیا تھا اس کے بارے میں قسم کھالی کہ یہ میں نے نہیں کیا۔ اس کو یمین غموس کہا جاتا ہے اس کا بہت بڑا گناہ ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ بڑے گناہ یہ ہیں، اللہ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو قتل کرنا اور یمین غموس۔ [3]

یہ لفظ غمس سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو پوری طرح کسی دوسری چیز میں داخل کر دیا جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جھوٹی قسم کو یمین غموس اس لیے کہا گیا کہ یہ اولاً گناہ میں پھر دوزخ میں داخل کر دیتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آئندہ کسی کام کے بارے میں قسم کھائے، مثلاً یوں کہے کہ اللہ کی قسم یہ کام

۱۔[بخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب لا یحلف باللات والعزی ولا بالطواغیت: ٦٦٥٠۔ مسلم، کتاب الأیمان، باب من حلف باللات والعزیٰ فلیقل لا إلٰہ إلا اللہ: ١٦٤٧]

۲۔[أبوداؤد، کتاب الأیمان والنذور، باب لغو الیمین: ٣٢٥٤، ٣٣٢٤]

۳۔(مشکوٰۃ المصابیح ص ١٧)

ضرور کروں گا، یا اللہ کی قسم فلاں کام نہیں کروں گا، اس کو یمین منعقدہ کہا جاتا ہے، اس کی خلاف ورزی کرنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ جو سورہ مائدہ کے رکوع نمبر ۱۲ میں مذکور ہے کفارہ قسم کی تفصیلات انشاء اللہ تعالیٰ وہیں بیان ہونگی۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کسی گزشتہ کام پر قسم کھالی اور یہ سمجھ کر قسم کھالی کہ میں سچ بول رہا ہوں سچی قسم کھا رہا ہوں، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ تھا جیسا اس نے سمجھا تھا اپنے خیال میں اس نے سچی قسم کھائی لیکن اصل واقعہ اس کے خلاف تھا۔ اس قسم کا نام یمین لغو ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر مواخذہ نہیں فرمائے گا، یمین لغو کی دوسری تفسیر حضرت عائشہؓ سے یوں منقول ہے کہ باتوں باتوں میں قسم کی نیت کے بغیر جو زبان سے لا واللہ اور بلیٰ واللہ نکل جاتا ہے یہ یمین لغو ہے۔ [۱]

یمین لغو میں کیونکہ ارادہ نہیں ہوتا اس لیے اس پر مواخذہ نہیں ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا (وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ) کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے جو یمین لغو پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ اور بردبار بھی ہے سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتا۔

﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ ﴾

جو لوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے، اگر وہ رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

۱۔ (رواہ البخاری ص ۹۸۶ ج ۲)

ایلا کا معنی اور ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں فقہاء ائمہ

ایلاء کا لغوی معنی ہے: قسم کھانا' اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے: مدت مخصوصہ تک اپنی منکوحہ سے جماع نہ کرنے کی قسم کھانا' اور زیادہ صحیح تعریف یہ ہے کہ اپنی منکوحہ سے چار مہینے تک جماع نہ کرنے کی قسم کھانا۔

علامہ مرغینانی حنفی ؒ لکھتے ہیں: جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ اللہ کی قسم! میں تم سے مقاربت نہیں کروں گا' یا کہے: اللہ کی قسم! میں تم سے چار مہینے مقاربت نہیں کروں گا تو وہ ایلاء کرنے والا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے: جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے' اگر انھوں نے (اس مدت میں) رجوع کر لیا تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا بڑا بردبار ہے' اور اگر انھوں نے طلاق ہی کا ارادہ کر لیا ہے تو بیشک اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ (البقرہ: ۲۲۷۔۲۲۶) اگر اس نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے مباشرت کر لی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا' اور اگر اس نے چار مہینے اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی پر از خود طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔

امام شافعی ؒ نے کہا: کہ قاضی کے تفریق کرنے سے طلاق بائنہ واقع ہوگی جیسا کہ مقطوع الالہ اور نامرد کے مسئلہ میں قاضی کی تفریق سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے عورت کے حق کو اس سے سلب کر کے اس پر ظلم کیا ہے اس لیے شریعت نے اس کو یہ سزا دی ہے کہ اس مدت کے پوری ہونے پر نکاح کی نعمت اس سے زائل ہو جائے گی۔ حضرت عثمان ؓ' حضرت علی ؓ' حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ' حضرت عبداللہ بن عمر ؓ' حضرت عبداللہ بن عباس ؓ' اور حضرت زید بن ثابت ؓ سے اسی طرح

منقول ہے اوران کی اقتداء کرنی ہمارے لیے کافی ہے اوراس لیے کہ زمانہ جاہلیت میں قسم کھاتے ہی فوراطلاق واقع ہوجاتی تھی اورشریعت اسلامیہ نے وقوع طلاق کے لیے مدت پوری ہونے کی حد مقرر کردی۔اگراس نے چاہ ماہ تک مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائی تھی تو چار ماہ کے بعد قسم ساقط ہوجائے گی اوراگراس نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں کبھی بھی اس سے مقاربت نہیں کروں گا تو چار ماہ بعداس کی بیوی کو طلاق بائنہ ہوجائے گی اورقسم باقی رہے گی' پھر اگراس نے اس سے دوبارہ نکاح کرلیا اوراس کے بعد مقاربت کرلی تو فبہا اوراسے اس قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا' اوراگراس نے پھر چار ماہ تک مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی پر دوبارہ طلاق بائنہ پڑجائے گی اوراگراس نے اس سے پھر تیسری بارنکاح کرلیا تو پھراسی طرح ہوگا یعنی اگراس نے مقاربت کرلی تو فبہا ورنہ چار ماہ بعد پھراس کی بیوی پر طلاق بائنہ پڑجائے گی اوراس کے بعد حلالہ شرعیہ کے بغیر وہ اس سے چوتھی بار نکاح نہیں کرسکتا اور چوتھی بار نکاح کرنے کے بعد پھراسی طرح ہوگا۔اگراس نے چار ماہ سے کم کی قسم کھائی ہے تو یہ ایلاء نہیں ہے' کیونکہ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں ہے' کیونکہ جس شخص نے ایک ماہ مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائی اور پھر چار ماہ تک مقاربت نہیں کی تو بقیہ تین ماہ کے عرصہ میں اس نے بغیر قسم کے مقاربت نہیں کی اور جو بغیر قسم کے تین ماہ بلکہ اس سے زائد عرصہ تک بھی مقاربت نہ کرے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ [1]

علامہ المرغینانی ؒ نے امام شافعی ؒ کا جو یہ مذہب نقل کیا ہے کہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد قاضی کی تفریق سے طلاق بائن ہوگی' یہ نقل صحیح نہیں ہے' بلکہ امام شافعی ؒ کا مذہب یہ ہے کہ مدت گزرنے کے بعد

۱۔(ہدایہ اولین ص ۴۰۲۔۴۰۱' مطبوعہ شرکتہ علمیہ' ملتان)

شوہر کو اختیار ہے چاہے تو رجوع کرلے اور چاہے تو طلاق دے دے۔ ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں ائمہ ثلاثہ ؒ کا مذہب اور دلائل اور فقہاء احناف کی طرف سے جوابات: علامہ ماوردی شافعی ؒ لکھتے ہیں: چار ماہ گزرنے کے بعد وقوع طلاق کے متعلق دو قول ہیں، حضرت عثمان ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت ابن زید ؓ، حضرت زید بن ثابت ؓ، حضرت ابن مسعود ؓ، حضرت ابن عمر ؓ اور حضرت ابن عباس ؓ کا قول ہے کہ اس مدت کے گزرنے کے بعد طلاق بائنہ واقع ہوجاتی ہے اور حضرت عمر ؓ اور حضرت علی ؓ کا دوسرا قول، اور ایک روایت میں حضرت عثمان ؓ کا دوسرا قول یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد شوہر کو اختیار ہے خواہ رجوع کرے خواہ طلاق دے دے، امام شافعی ؒ اور اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے۔ (۱)

علامہ ابن جوزی حنبلی ؒ نے بھی موخر الذکر قول نقل کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: ابوصالح ؒ نے بیان کیا کہ بارہ صحابہ سے یہی (مؤخر الذکر) قول منقول ہے اور امام مالک ؒ، امام احمد ؒ اور امام شافعی ؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد از خود طلاق واقع ہوجائے گی، اور یہ طلاق بائن ہوگی، حضرت عثمان ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت ابن عمر ؓ، حضرت زید بن ثابت، ؓ اور حضرت قبیصہ بن ذویب، ؓ سے یہی منقول ہے۔ (۲)

سعید بن مسیب ؒ، مکحول ؒ، زہری ؒ یہاں تک تو متفق ہیں کہ چار مہینے کی مدت گزرنے کے بعد خود بخود طلاق واقع ہوجائے گی مگر ان کے نزدیک وہ ایک طلاق رجعی ہوگی، یعنی دوران عدت میں شوہر کو رجوع کرلینے کا حق ہوگا اگر رجوع نہ کرے تو مدت گزر جانے کے بعد اگر دونوں چاہیں تو نکاح کرسکتے ہیں۔ بخلاف اس کے حضرت عائشہ ؓ ابوالدرداء ؓ اور اکثر فقہاء مدینہ کی رائے یہ ہے کہ چار ماہ کی مدت گزرنے

۱۔ (النکت والعیون ج ۱ ص ۲۹۰، ۲۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)
۲۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۵۷، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

کے بعد معاملہ عدالت میں پیش ہوگا، اور حاکم عدالت شوہر کو حکم دے گا کہ یا تو اس عورت سے رجوع کرے یا اسے طلاق دے، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور ابن عمرؓ کا ایک قول اس کی تائید میں بھی ہے اور امام مالکؒ، وشافعیؒ نے اسی کو قبول کیا ہے۔

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ (ازواج مطہرات نے دنیا کے ساز و سامان کا مطالبہ کیا تو) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (ناراض ہو کر ایک مہینا کے لیے) ان کے پاس نہ جانے کی قسم کھالی، آپ کے پاؤں میں موچ آ گئی تھی، لہٰذا آپ اپنے ایک بالا خانے میں فروکش ہو گئے اور وہاں ۲۹ دن رہے۔ پھر آپ (اپنی بیویوں کے پاس جانے کے لیے) اترے، لوگوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! آپ نے تو ایک مہینا کی قسم کھائی تھی (ابھی تو ۲۹ دن ہوئے ہیں) تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مہینا ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔"[1]

سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ازواج مطہرات سے خفگی کی وجہ سے فرمایا تھا کہ میں ان کے پاس ایک مہینے تک نہیں جاؤں گا، پھر آپ انتیسویں دن تشریف لے آئے تو آپ نے فرمایا: "مہینا انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔"[2]

عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ یہ (آیت) "للذین یؤلون من نساءھم تربص اربعۃ اشھر" اس آدمی کے بارے میں ہے کہ جو اپنی عورت سے ایلاء کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ کی قسم میرا سر اور تیرا سر جمع نہیں ہوگا اور میں تیرے قریب نہیں آؤں گا اور میں تجھ سے جماع نہیں کروں گا پھر زمانہ جاہلیت والے اس کو طلاق شمار کرتے تھے پس اس کے لیے چار مہینے حد مقرر تھی۔ اگر اس مدت میں اس نے

۱۔[بخاری، کتاب الطلاق، باب قول اللہ تعالیٰ (للذین یؤلون من نساءھم۔۔الخ): ۵۲۸۹]

۲۔[بخاری، کتاب المظالم، باب الغرفۃ والعلیۃ المشرفۃ۔۔الخ: ۲۴۶۸۔ مسلم، کتاب الصیام، باب الشھر یکون تسعا وعشرین: ۱۰۸۳]

رجوع کرلیا تو اپنی قسم کا کفارہ دے اور عورت اس کی بیوی رہے گی۔ اور وہ اپنی ذات کی خود حق دار ہوگی اور اس کا پہلا خاوند بھی نکاح کا پیغام بھیج سکتا ہے۔ اور اس کا پہلا خاوند اس کی عدت میں بھی نکاح کا پیغام دے سکتا ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی اور آدمی عدت میں نکاح کا پیغام نہیں دے سکتا۔ اگر دوبارہ اس سے نکاح کرلے گا تو اسے دو طلاقوں کا اختیار ہوگا۔

﴿ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾ ﴾

اور اگر طلاق کا فیصلہ کرلیں تو اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

پھر فرمان ہے کہ اگر چار مہینے گزر جانے کے بعد وہ طلاق دینے کا قصد کرے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چار مہینے گزرتے ہیں طلاق نہیں ہوگی۔ جمہور متاخرین کا یہی مذہب ہے، گو ایک دوسری جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ بلا جماع چار ماہ گزرنے کے بعد طلاق ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور بعض تابعین سے بھی یہی مروی ہے پھر بعض تو یہ کہتے ہیں بائن ہوگی، جو لوگ طلاق پڑنے کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اسے عدت بھی گزارنی پڑے گی۔ ہاں ابن عباسؓ اور ابوالشعثاءؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان چار مہینوں میں اس عورت کو تین حیض آ گئے ہیں تو اس پر عدت بھی نہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی قول یہی ہے لیکن جمہور متاخرین علماء کا فرمان یہی ہے کہ اس مدت کے گزرتے ہیں طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اب ایلاء کرنے والے کو مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی قسم کو توڑے یا طلاق دے۔ موطا مالک میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہی مروی ہے۔ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے، امام شافعیؒ اپنی سند سے حضرت سلیمان بن یسارؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دس سے اوپر صحابیوں سے سنا کہ وہ کہتے

تھے چار ماہ کے بعد ایلاء کرنے والے کو کھڑا کیا گیا تو کم سے کم یہ تیرہ صحابی ہو گئے۔ حضرت علیؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے اور یہی حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت عثمان بن زید بن ثابتؓ اور دس سے اوپر او پر دوسرے صحابہ کرام سے مروی ہے، دار قطنی میں ہے حضرت ابو صالحؒ فرماتے ہیں میں نے بارہ صحابیوں سے اس مسئلہ کو پوچھا، سب نے یہی جواب عنایت فرمایا، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو درداءؓ، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں اور تابعین میں سے حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت طاؤسؒ، حضرت محمد بن کعبؒ، حضرت قاسمؒ اجمعین کا بھی یہی قول ہے اور حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمدؒ اور ان کے ساتھیوں کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام بن جریرؒ بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں۔ لیثؒ، اسحاق بن راھویہؒ، ابوعبیدؒ، ابوثورؒ، داؤدؒ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ کے بعد رجوع نہ کرے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر طلاق نہ دے تو حاکم خود اس کی طرف سے طلاق دے دے گا مگر یہ طلاق رجعی ہو گی، عدت کے اندر رجعت کا حق خاوند کو حاصل ہے، ہاں صرف امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اسے رجعت جائز نہیں یہاں تک کہ عدت میں جماع کرے۔ یہاں جو چار مہینے کی تاخیر کی اجازت دی ہے اس کی مناسبت میں موطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن دینارؒ کی روایت سے حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ عموماً فقہاء کرام ذکر کرتے ہیں، جو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ راتوں کو مدینہ شریف کی گلیوں میں گشت لگاتے رہتے۔ ایک رات کو نکلے تو آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنے سفر میں گئے ہوئے خاوند کی یاد میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے" افسوس ان کالی کالی اور لمبی راتوں

میں میرا خاوند نہیں ہے جس سے میں ہنسوں، بولوں۔ قسم اللہ کی اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس وقت اس پلنگ کے پائے حرکت میں ہوتے۔'' آپ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ ؓ کے پاس آئے اور فرمایا بتاؤ زیادہ سے زیادہ عورت اپنے خاوند کی جدائی پر کتنی مدت صبر کرسکتی ہے؟ فرمایا چھ مہینے یا چار مہینے۔ آپ نے فرمایا اب میں حکم جاری کردوں گا کہ مسلمان مجاہد سفر میں اس سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ بعض روایتوں میں کچھ زیادتی بھی ہے اور اس کی بہت سی سندیں ہیں اور یہ واقعہ مشہور ہے۔ ①

اگر شوہر مدت گزرنے کے بعد طلاق کا ارادہ کرلیتا ہے اور ایسا کر گزرتا ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ حاکم وقت اسے مجبور کرے گا کہ یا تو وہ میل ملاپ کرلے یا طلاق دے دے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ چار مہینے گزر جائیں تو اسے قاضی کے سامنے پیش کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ طلاق دے دے اور طلاق اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک طلاق دی نہ جائے۔ ②

﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪

۱۔ تفسیر ابن کثیر

۲۔ [بخاری، کتاب الطلاق، باب قول اللہ تعالیٰ (للذین یؤلون من نساءھم ۔۔) : ۵۲۹۱]

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٨﴾

اور وہ عورتیں کہ جن کو طلاق دی گئی ہو روکے رکھیں اپنے آپ کو تین حیض! اور ان کو جائز نہیں کہ چھپا رکھیں اس کو جو اللہ نے پیدا کیا ان کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ اور روز آخرت پر! اور ان کے شوہر زیادہ حق دار ہیں ان کے لوٹا لینے کے اس مدت میں اگر چاہیں اچھی طرح رکھنا! عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ (مردوں کا) حق ہے دستور کے مطابق اور مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے اور اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

شان نزول

ابوداؤدؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہؓ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ میں عورت کو طلاق دی جاتی تھی مگر مطلقہ (طلاق شدہ عورت) کے لیے عدت نہیں تھی، اس پر اللہ تعالیٰ نے طلاق کے لیے عدت نازل فرمائی، یعنی طلاق دی ہوئی عورتیں تین حیض تک عدت گزاریں۔

ثعلبیؒ اور ہبۃ اللہ بن سلامہؒ نے "ناسخ" میں کلبیؒ اور مقاتلؒ سے روایت کیا ہے کہ اسماعیل بن عبداللہ غفاریؓ نے اپنی بیوی فتیلہ کو رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد میں طلاق دی اور ان کو اس کا حاملہ ہونا معلوم نہیں تھا، بعد میں اس کا علم ہوا تو انھوں نے رجوع کر لیا، اس کے بعد ان کی بیوی نے بچے

کو جنم دیا، جس میں وہ خود مرگئیں اور ان کا بچہ بھی مرگیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاری، (آیت) "والمطلقت"۔ (الخ) یعنی جو عورتیں حاملہ نہ ہوں، وہ تین حیض تک عدت گزاریں۔ (۱)

قرء کے معانی کے متعلق ائمہ لغت کی تصریحات

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت تین قروء بیان فرمائی ہے لیکن قروء کی تفسیر میں مجتہدین کا اختلاف ہے' امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک قروء کا معنی حیض ہے' اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک قروء کا معنی طہر ہے۔ لغت میں قرء کا معنی حیض اور طہر ہے اور یہ لغت اضداد سے ہے۔ علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں:

قرء کا معنی حیض' طہر اور وقت ہے۔ (۲)

علامہ جوہریؒ لکھتے ہیں:

قرء کا معنی حیض ہے' اس کی جمع قروء اور اقراء ہے' حدیث میں ہے: اپنے ایام اقراء میں نماز کو ترک کردو' اس حدیث میں قروء کا اطلاق حیض پر ہے اور قرء کا معنی طہر بھی ہے' یہ لغت اضداد سے ہے۔ (۳)

علامہ ابن منظور افریقیؒ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (۴)

علامہ راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

قرء حقیقت میں طہر سے حیض میں داخل ہونے کا نام ہے' اور جب کہ یہ لفظ حیض اور طہر دونوں کا جامع ہے تو اس کا ہر ایک پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو (نکاح

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

۲۔ (قاموس ج ۱ ص ٦ ۱۳ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ھ)

۳۔ (الصحاح ج ۱ ص ٦٤ ' مطبوعہ دار العلم' بیروت' ۱٤۰٤ ھ)

۴۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۱۳۰ ' مطبوعہ نشر ادب الحوذۃ' قم' ایران ۱٤۰۵ ھ)

ثانی سے) تین قروء تک روکے رکھیں، یعنی تین حیض تک روکے رکھیں، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم اپنے ایام اقراء میں نماز پڑھنے سے بیٹھی رہو، یعنی اپنے ایام حیض میں۔ اہل لغت نے کہا ہے کہ قرء کا معنی ہے: جمع ہونا اور ایام حیض میں رحم میں خون جمع ہوتا ہے۔ [۱]

قرء بہ معنی حیض کی تائید میں احادیث اور فقہاء احناف کے دلائل

امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

عدی بن ثابتؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مستحاضہ کے متعلق فرمایا: تم اپنے ان ایام اقراء میں نماز چھوڑ دو جن میں تم کو حیض آتا ہے، پھر تم غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کرو، نماز پڑھو اور روزہ رکھو۔ [۲]

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قرء کا اطلاق حیض پر کیا ہے اور یہ دلیل بھی ہے کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے کیونکہ اقراء عربی قواعد کے اعتبار سے جمع قلت ہے اور اس کا اطلاق کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس پر ہوتا ہے اور آپ نے حیض کے لیے اقراء کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ ۔۱ (امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۷ مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان، لاہور ۱۴۰۵ ھ)

امام نسائیؒ ۔۲۔ (امام ابوعبدالرحمن نسائی متوفی ۳۰۳ ھ، سنن نسائی ج ۱ ص ۶۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ

۱۔ (المفردات ص ۴۰۲، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ، ایران، ۱۳۴۲ ھ)

۲۔ (جامع ترمذی ص ۴۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

تجارت کتب' کراچی)

اورامام دارقطنیؒ۔ ۳ (امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۲۸۵ھ سنن دارقطنی ج۱ ص ۲۱۲' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان) نے بھی روایت کیا ہے۔

نیز امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: باندی کی طلاق (مغلظہ) دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔ ①

اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ۔۱ (امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۵ھ' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام ابن ماجہؒ۔ ۲ (امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۵۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

امام مالکؒ۔ ۳ (امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ' موطا امام مالک ص ۵۲۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور)

امام دارمیؒ۔ ٤ (امام ابوعبدالرحمن نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج ۲ ص ۲۹۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اور امام احمدؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ ۵ (امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ٦ ص ۱۱۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ)

ا۔ (جامع ترمذی ص ۱۹۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ آزاد اور باندی کی عدت کے عدد میں فرق ہے جنس میں فرق نہیں ہے اور جب باندی کی عدت دو حیض ہے تو آزاد عورت کی عدت تین حیض ہوئی اور حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قرء سے مراد حیض ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی ؒ لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق ؒ، امام ابن جریرؒ اور امام بیہقی ؒ نے عمرو بن دینارؒ سے روایت کیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب نے کہا: الاقراء سے مراد حیض ہے۔

امام ابن جریرؒ اور امام بیہقی ؒ نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ "ثلاثۃ قروء" سے مراد تین حیض ہیں۔

امام عبد بن حمیدؒ نے مجاہدؒ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حیض ہے۔

وکیع ؒ نے حسنؒ سے روایت کیا ہے کہ عورت حیض کے ساتھ عدت گزارے خواہ اس کو ایک سال کے بعد حیض آئے۔

امام عبداالرزاق ؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا ہے کہ الاقراء حیض ہیں، طہر نہیں ہیں۔

امام عبدالرزاق ؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا ہے کہ الاقراء حیض ہیں طہر نہیں ہیں۔

امام عبدالرزاق ؒ اور امام بیہقی ؒ نے حضرت زید بن ثابت ؓ سے روایت کیا ہے کہ طلاق دینا مردوں پر موقوف ہے اور عدت عورتوں پر موقوف ہے۔[۱]

فقہاء احناف نے "ثلاثۃ قروء" میں لفظ "ثلثۃ" سے بھی استدلال کیا ہے کیونکہ اگر قرء کا معنی طہر لیا جائے تو

۱۔(الدرالمنثور ج۱ ص۲۷۵، ۲۷۴ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

جس طہر میں طلاق دی جائے گی اس طہر کیا جائے گا یا نہیں' اگر اس طہر کو شمار کیا جائے تو دو طہر اور ایک طہر کا کچھ حصہ یعنی اڑھائی طہر عدت قرار پائے گی اور اگر اس طہر کو شمار نہ کیا جائے تو ساڑھے تین طہر عدت قرار پائے گی اور تین قروء صرف اسی صورت میں عدت ہو سکتی ہے جب قرء کا معنی حیض کیا جائے۔

فقہاء احناف نے قرء بہ معنی حیض لینے پر یہ عقلی استدلال کیا ہے کہ عدت مشروع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ استبراء رحم ہو جائے یعنی یہ معلوم ہو جائے کہ عورت کے رحم میں شوہر کا نطفہ استقرار پا گیا ہے اور بچہ بننے کا عمل شروع ہو گیا ہے یا اس کا رحم خالی اور صاف ہے' سو اگر عورت کو حیض آ گیا تو معلوم ہوا کہ اس کا رحم خالی ہے اور اگر حیض نہیں آیا تو معلوم ہوا کہ اس میں نطفہ ٹھہر گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدت کی حکمت حیض سے پوری ہوتی ہے نہ کہ طہر سے' اس لیے صحیح یہی ہے کہ قرء کا معنی حیض کیا جائے۔

فقہاء شافعیہ اور مالکیہؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: (آیت) "فطلقوھن لعدتھن"۔ (الطلاق: ١) انھوں نے کہا: اس آیت میں لام توقیت کے لیے ہے اور آیت کا معنی ہے: ان کی عدت کے وقت میں طلاق دو' اور چونکہ حیض میں طلاق دینا مشروع نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ عدت کا وقت طہر ہے اس لیے "ثلثہ قروء" میں قروء بہ معنی طہر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لام توقیت کیلیے نہیں بلکہ اختصاص کے لیے ہے یعنی طلاق عدت کے ساتھ مختص ہے اور عدت حیض سے شروع ہوتی ہے' اس لیے طلاق حیض سے پہلے دینی چاہیے نہ کہ دوران حیض' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ایک قراءت میں ہے: نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آیت کو یوں بھی پڑھا ہے: "فی قبل عدتھن" (روح المعانی ج ١ ص ١٣٢) یعنی ان کو عدت سے پہلے طلاق دو' نیز قرء بہ معنی حیض پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "ثلثة قروء" کے بعد فرمایا ہے: "عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے

رحموں میں پیدا کیا ہے“اور یہ واضح ہے کہ اس کا تعلق حیض سے ہے نہ کہ طہر سے۔

قرء کے معنی کی تعیین میں دیگر ائمہ مذاہب کی آراء

علامہ ماوردی شافعیؒ لکھتے ہیں:

قروء کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حیض ہے‘ یہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ‘ حضرت ابن مسعودؓ‘ حضرت ابو موسیٰؓ‘ مجاہدؒ‘ قتادہ ضحاکؒ‘ عکرمہؒ‘ سدیؒ‘ امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ کا قول ہے (علامہ ماوردی کو نقل میں تسامح ہوا ہے‘ امام مالکؒ کے نزدیک اس کا معنی حیض نہیں‘ طہر ہے‘ البتہ امام احمدؒ کے نزدیک اس کا معنی حیض ہے) دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی طہر ہے‘ یہ حضرت عائشہؓ حضرت ابن عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ‘ زہریؒ ابان بن عثمانؒ‘ امام شافعیؒ اور اہل حجازؒ کا قول ہے۔ (۱)

علامہ قرطبی مالکیؒ لکھتے ہیں:

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین ادوار یا تین انتقالات تک (عقد ثانی سے) روکے رکھیں‘ اور مطلقہ کبھی حیض سے طہر کی طرف اور کبھی طہر سے حیض کی طرف منتقل ہوتی ہے‘ اور یہاں طہر سے حیض کی طرف انتقال تو قطعاً مراد نہیں ہے کیونکہ حیض میں طلاق دینا تو اصلاً مشروع نہیں ہے‘ اور جب کہ طلاق دینا طہر میں مشروع ہے تو پھر عدت تین انتقالات ہے اور پہلا انتقال اس طہر سے ہے جس میں طلاق واقع ہے۔ (۲)

علامہ ابن جوزی حنبلیؒ لکھتے ہیں:

۱۔(النکت والعیون ج۱ ص ۲۹۱۔۲۹۰‘ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ‘ بیروت)

۲۔(الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۱۵۔۱۱۴‘ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

اقراء کے متعلق فقہاء کے دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حیض ہے' حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت بوموسیؓ، حضرت عبادہ بن الصامت ؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، عکرمہؒ ضحاکؒ، سدیؒ سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ، حسن بن صالحؒ، امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور امام احمد بن حنبلؒ کا یہی قول ہے' امام احمدؒ نے کہا: میں پہلے یہ کہتا تھا کہ قرء بہ معنی طہر ہے' اور اب میرا مذہب یہ ہے کہ قرء کا معنی حیض ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اقراء سے مراد اطہار ہیں' حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابن عمرؓ، حضرت ام المومنین عائشہؓ، زہریؒ، ابان بن عثمانؒ، امام مالک بن انسؒ اور امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے۔ (۱)

اسلام میں عورتوں کے مردوں پر حقوق

اس آیت کی تفسیر میں ہم پہلے یہ بیان کریں گے کہ اسلام نے عورتوں کو کیا حقوق دیئے ہیں' اس کے بعد مردوں کے حقوق اور ان کی فضیلت بیان کریں گے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔:

(آیت) "یایھا الذین امنوا لا یحل لکم ان ترثوا النسآء کرھا ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اتیتموھن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا۔ وان ارتم الستبدال زوج مکان زوج واتیتم احدھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا اتاخذونہ بھتانا واثما مبینا۔ وکیف تاخذونہ وقد افضی بعضکم الی بعض واخذن منکم میثاقا غلیظا"۔ (النساء: ۲۰-۱۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے لیے زبردستی عورتوں کا وارث بنا جانا جائز نہیں ہے اور ان سے اپنے دیئے ہوئے مہر کا بعض حصہ لینے کے لیے ان کو نہ روکو' ماسوا اس کے کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کا کام کریں'

۱۔(زادالمیسر ج۱ ص ۲۶۰-۲۵۹' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اورتم ان کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ زندگی گزارو' پس اگر تم ان کو ناپسند کرو گے تو یہ ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تمہارے لیے اس میں خیر کثیر رکھ دے۔ اور اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی سے نکاح کا ارادہ کرو اور تم ان میں سے کسی ایک کو بہت زیادہ مال دے چکے ہو تو اس سے کوئی چیز واپس نہ لو' کیا تم اس مال کو بہتان باندھ کر واپس لو گے اور کھلے گناہ کا ارتکاب کرو گے۔ اور تم اس مال کو کیسے واپس لو گے حالانکہ تم (خلوت میں) ایک دوسرے سے باہم مل چکے ہو؟ اور وہ تم سے (عقد نکاح کے ساتھ) پختہ عہد لے چکی ہیں۔

ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو اس کے خاوند کا سوتیلا بیٹا یا بھائی یا کوئی اور رشتہ دار اس سے بالجبر نکاح کر لیتا یا کسی دوسرے شخص سے اس کا بالجبر نکاح کر دیتا اور اس کے کل مہر یا آدھے مہر پر قبضہ کر لیتا' اسلام نے عورتوں پر اس ظلم اور بری رسم کو مٹایا اور زبردستی عورتوں کا کسی سے بھی نکاح کرنے سے منع فرمایا' دوسری اہم چیز ہے مہر کا تحفظ کرنا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ مختلف حیلوں بہانوں سے عورتوں کا مہر دبا لیتے تھے اسلام نے اس بری رسم کو مٹایا' واضح رہے کہ دنیا کے کسی مذہب نے بھی عورتوں کے لیے مہر کو لازم نہیں کیا' صرف اسلام ہی عورتوں کو یہ حق دیا ہے، مہر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر خاوند عورت کو طلاق دے دے یا مر جائے تو عورت کے پاس مہر کی صورت میں ایک معقول آمدنی ہو جس کے ذریعہ وہ اپنے نئے مستقبل کا آغاز کر سکے۔

ان آیتوں میں عورتوں کا خاوند پر تیسرا حق یہ بیان کیا ہے کہ مردوں کو ہدایت دی کہ وہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ رہائش میں کھانے پینے بات چیت کرنے میں اور دیگر عائلی اور خانگی معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ رہیں۔

چوتھا حق یہ بیان کیا ہے کہ اگر عورت کی صورت یا سیرت تم کو ناپسند ہو پھر بھی اس کے ساتھ ازدواج کے ناطے نہ توڑو اور صبر و شکر کے ساتھ اس کے ہمراہ زندگی گزارو' ہوسکتا ہے کہ اس سے ایسی صالح اولاد پیدا ہو کہ اسے دیکھ کر تم بیوی کی بدصورتی یا اس کی بری عادتوں کو بھول جاؤ یا کسی اور وجہ یا کسی اور وجہ سے اللہ تمہارے لیے اس نکاح میں ڈھیروں برکتیں نازل فرمائے۔

پانچواں حق یہ بیان کیا ہے کہ اگر عورت کو تم سونے چاندی کے پل کے برابر ڈھیروں مال بھی دے چکے ہو خواہ مہر کی صورت میں یا ویسے ہی بہ طور ہبہ تو اس مال کو اب اس سے واپس نہ لو' تم نے صرف مال دیا ہے عورت تو اپنا جسم اور بدن تمہارے حوالے کر چکی ہے اور جسم و جان کے مقابلہ میں مال کی کیا حقیقت ہے۔

(آیت) "فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنی الا تعولوا۔ واتو النسآء صدقتھن نحلۃ"۔ (النساء: ٤۔٣)

ترجمہ: پھر اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم ان (متعدد ازواج) میں عدل قائم نہ رکھ سکو گے' تو فقط ایک سے نکاح کرو' یا اپنی مملوکہ باندیوں پر اکتفاء کرو' یہ کسی ایک زوجہ کی طرف بہت مائل ہونے سے زیادہ قریب ہے۔ اور عورتوں کو ان کا مہر خوشی سے ادا کرو۔

اسلام نے ضرورت کی بناء پر تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے لیکن جو ان میں عدل کر سکے' اور جو عدل نہ کر سکے اس کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ صرف ایک نکاح پر اکتفاء کرے۔ ان آیتوں میں عورتوں کا مردوں پر ایک حق یہ بیان کیا ہے کہ ان میں عدل و انصاف کیا جائے اور دوسرا حق یہ بیان کیا ہے کہ ان کا مہر خوشی سے ادا کیا جائے۔ سورہ نساء کی ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مہر کی ادائیگی کے

متعلق بہت تاکید کی ہے اور ہمارے دور میں اس معاملہ میں بہت سستی کی جاتی ہے۔

(آیت) "وعلی المولودلہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف"۔(البقرہ:۲۳۳)ا

ترجمہ: اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق اس شخص کے ذمہ ہے جس کا بچہ ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ عورتوں کا مردوں پر یہ حق ہے کہ وہ ان کو کھانا اور کپڑا مہیا کریں' اگر عورتیں امور خانہ داری انجام دیتی ہیں اور کھانا پکاتی ہیں تو یہ ان کی طرف سے احسان ہے اور ازواج مطہرات اور صحابیات کی سنت ہے۔

(آیت) "فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن واتمروا بینکم بمعروف وان تعاسرتم فسترضع لہ اخری"۔۔ (الطلاق:٦)

ترجمہ: پھر اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو انھیں ان کی اجرت دو' اور آپس میں دستور کے ساتھ مشورہ کرو اور اگر تم باہم دشواری محسوس کرو تو بچہ کو کوئی اور عورت دودھ پلا دے گی۔۔

اس آیت میں بتایا ہے کہ بچہ کو دودھ پلانا عورت کی ذمہ داری نہیں ہے' اور عورت مرد کی غلام نہیں ہے' اور مرد ڈکٹیٹر نہ بنے بلکہ گھریلو معاملات کو باہمی مشاورت سے چلائیں اور اگر عورت بچہ کو دودھ پلائے تو اس کا یہ حق ہے کہ مرد سے اس کی اجرت لے لے اور یہ کہ عورت کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

اگر شوہر اور بیوی کے درمیان کوئی مناقشہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے عورت کے حقوق کی محافظت کرتے ہوئے فرمایا:

(آیت) "والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجر وھن فی المضاجع واضربوھن' فان اطعنکم فلاتبغوا علیھن سبیلا"۔(النساء:٣٤)

ترجمہ:اور جن عورتوں سے تمہیں نافرمانی کا خوف ہو'ان کو(نرمی سے)نصیحت کرواور انھیں ان کی خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو(اگروہ پھر بھی باز نہ آئیں)تو انھیں(تادیبا خفیف سا)مارو' پھر وہ اگر تمہاری فرمان برداری کریں تو انھیں تکلیف پہنچانے کا کوئی بہانہ تلاش نہ کرو۔

تعدداز دواج کی صورت میں عدل وانصاف کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

(آیت)"ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النسآء ولوحرصتم فلاتمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفورا رحیما،وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ"۔(النساء:۱۲۹)

ترجمہ:اور خواہ تم عدل کرنے پر حریص ہو پھر بھی تم متعدداز واج میں عدل نہ کرسکو گے(تو جس کی طرف تم کو رغبت نہ ہو)اس سے مکمل اعراض نہ کرو کہ اسے یوں چھوڑ دو گویا وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہے'اور اگر تم اپنی اصلاح کرلو اور خدا سے ڈرو تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔اور اگر شوہر اور بیوی علیحدگی اختیار کرلیں' تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسعت سے مستغنی کردے گا۔

اگر عورت کو طلاق دے دی جائے تو اللہ تعالیٰ نے دوران عدت عورت کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

(آیت)"اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن"۔(الطلاق:٦)

ترجمہ:ان عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں خود رہتے ہو اور انھیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دیتے رہو۔

یہ تو اس مطلقہ عورت کے حقوق تھے جس کے ساتھ مباشرت ہوچکی ہو اور جس عورت کو مباشرت سے پہلے

طلاق دے دی ہو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(آیت) "وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم"۔ (البقرہ:۲۳۷)

ترجمہ: اگر تم نے عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تم پر آدھا مہر ادا کرنا واجب ہے۔

(آیت) "لا جناح علیکم ان طلقتم النسآء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ"۔ (البقرہ:۲۳۶)

ترجمہ: اگر تم مباشرت سے پہلے عورتوں کو طلاق دے دو تو کوئی حرج نہیں ہے' یا تم نے ان کا کچھ مہر مقرر نہ کیا ہو' اور ان کو استعمال کی کچھ چیزیں دو' خوشحال اپنی وسعت کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق:

(آیت) "ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا"۔ (البقرہ:۲۳۱)

ترجمہ: اور ان کو ضرر پہنچانے کے لیے ان کو (اپنے نکاح میں) نہ روکو تاکہ تم ان پر زیادتی کرو۔

اس آیت سے ائمہ ثلاثہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر خاوند عورت کو خرچ دے نہ طلاق دے تو عدالت اس نکاح کو فسخ کرسکتی ہے اور ضرورت کی بنا پر علماء احناف کو بھی اسی قول پر فتویٰ دینا چاہیے۔ واضح رہے کہ اگر شوہر نامرد ہو تو فقہاء احناف کے نزدیک بھی عدالت نکاح کو فسخ کرسکتی ہے جب کہ نفقہ پر بقاء حیات کا مدار ہے اور شوہر کے مرد ہونے پر صرف خواہش نفسانی کی تکمیل کا مدار ہے۔

عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں قرآن مجید کی آیات ذکر کرنے کے بعد اب ہم اس سے متعلق چند احادیث پیش کررہے ہیں:

حافظ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

امام ترمذیؒ ‘امام نسائیؒ ‘اور امام ابن ماجہؒ ‘نے حضرت عمرو بن الاحوصؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: سنو! تمہاری ازواج پر تمہارا حق ہے اور تمہاری ازواج کا تم پر حق ہے‘ تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر تمہارے ناپسندیدہ لوگوں کو نہ آنے دیں‘ اور نہ تمہارے ناپسندیدہ لوگوں کو تمہارے گھروں میں آنے دیں‘ اور ان کا تم پر حق یہ ہے کہ تم ان کو اچھے کپڑے پہناؤ اور اچھے کھانے کھلاؤ۔

امام احمدؒ ‘ابوداؤدؒ ‘امام ابن ماجہؒ ‘امام ابن جریرؒ ‘امام حاکمؒ اور امام بیہقیؒ نے حضرت معاویہ بن حیدہ قشیریؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا کہ عورت کا اس کے خاوند پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: جب وہ کھانا چاہے تو اس کو کھانا کھلائے اور جب پہننا چاہے تو اس کو پہنائے اس کے چہرے پر نہ مارے‘ اس کو برا نہ کہے اور (تادیبا) صرف گھر میں اس سے علیحدگی اختیار کرے۔ (۱)

حافظ منذریؒ بیان کرتے ہیں۔

میمون اپنے والدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی نے فرمایا: جو شخص کسی عورت سے کوئی مہر مقرر کر کے نکاح کرے خواہ کم ہو یا زیادہ‘ اور اس کا ارادہ مہر ادا کرنے کا نہ ہو اور وہ اسے دھوکے میں رکھے اور تادم مگ اس کا مہر ادا نہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے زانی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔

امام ترمذیؒ اور امام ابن حبانؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ

۱۔(الدر المنثور ج۱ ص۲۷۶ ‘مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

وسلم) فرمایا: مومنوں میں سے اس شخص کا ایمان کامل ہوگا اور اس شخص کے اخلاص سب سے اچھے ہوں گے جس کے اخلاق اپنی ازواج کے ساتھ اچھے ہوں گے۔

امام ابن حبانؒ، حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی اہلیہ کے ساتھ بہتر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل کے ساتھ بہتر ہوں۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو' کیونکہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور سب سے زیادہ ٹیڑھی پسلی سب سے اوپر والی ہوتی ہے' اگر تم اس کو سیدھا کرنے لگو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی' سو عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو۔

امام ابن ماجہؒ اور امام ترمذیؒ، حضرت عمرو بن الاحوصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حجۃ الوداع میں اللہ کی حمد وثنا اور وعظ ونصیحت کے بعد فرمایا: سنو! عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو' وہ صرف تمہاری مددگار ہیں' تم ان پر صرف اس صورت میں حق رکھتے ہو جب وہ کھلی بدکاری کریں' اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ان کی خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو' اور ان کو معمولی سا مارو' پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرلیں تو ان کو مزید مارنے کے لیے کوئی بہانہ نہ بناؤ' سنو! تمہارا تمہاری بیویوں پر حق ہے اور تمہاری بیویوں کا تم پر حق ہے' تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ان کو نہ آنے دیں' جن کو تم ناپسند کرتے ہو' اور نہ ان کو گھروں میں آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو' سنو ان کا تم پر حق یہ ہے

کہ تم ان کے کھانے اور پینے میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ ①

اسلام میں مردوں کے عورتوں پر حقوق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(آیت) ”الرجال قوامون علی النسآء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم، فالصلحت قنتت حفظت للغیب بما حفظ اللہ، والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن، فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا“۔ (النساء:٤:٣٤)

ترجمہ: مرد عورتوں کے (حاکم یا) منتظم ہیں، کیونکہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور اس لیے بھی کہ انھوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے ہیں سو نیک عورتیں فرمان بردار ہوتی ہیں، مردوں کی غیر حاضری میں بھی اللہ کی حفاظت کے ساتھ (شوہر کی عزت اور اس کے مال کی) حفاظت کرتی ہیں اور تمہیں جن عورتوں کی نافرمانی کرنے کا خدشہ ہو ان کو نصیحت کرو اور انھیں ان کی خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو، اور انھیں (تادیبا) مارو، اور اگر وہ تمہاری فرمان برداری کر لیں تو پھر ان کو مارنے کے لیے بہانے تلاش نہ کرو۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اور ان کو جسمانی اور عقلی قوت زیادہ عطا کی ہے، دوسری فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت کے اخراجات کا کفیل بنایا ہے اور اس کے گھر کا منتظم بنایا ہے، تیسری فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت پر حاکم بنایا ہے اور عورت کو مرد کی فرمان برداری کا پابند کیا ہے، چوتھی فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت پر یہ فوقیت دی ہے کہ وہ اس کو اس کی نافرمانی پر

١۔(الترغیب والترہیب ج ٣ ص ٥٠۔٤٨، ملتقطا، مطبوعہ دارالحدیث، قاہرہ)

تا دیبا مار سکتا ہے' اور پانچویں فضیلت یہ دی ہے کہ عورت کو اس کا پابند کیا ہے کہ وہ مرد کی غیر حاضری میں اس کی عزت کی حفاظت کرے اور اپنی پارسائی کو مجروح نہ کرے اور شوہر کی غیر حاضری میں اس کے مال کی بھی حفاظت کرے' غرضیکہ جسمانی قوی' کھانے پینے' رہائش اور لباس کے اخراجات اور شوہر کے احکام کی تعمیل اور اس کے مال اور اپنی عفت کی حفاظت' ہر اعتبار سے عورت کو مرد کا تابع اور محکوم قرار دیا ہے۔

حافظ منذری ؒ بیان کرتے ہیں:

امام ترمذی ؒ' امام ابن ماجہؒ اور امام حاکم ؒ نے حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو عورت اس حال میں مری کہ اس کا خاوند اس سے راضی تھا وہ جنت میں داخل ہوگئی۔

امام ابن حبان ؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو عورت پانچ وقت کی نمازیں پڑھے' اپنی پارسائی کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے وہ جس دروازے سے چاہے گی جنت میں داخل ہو جائے گی۔

امام بزارؒ اور امام حاکم ؒ، حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی' اس نے کہا: میں فلاں بنت فلاں ہوں' آپ نے فرمایا: میں تمہیں پہچانتا ہوں' بتاؤ کیا کام ہے؟ اس نے کہا: فلاں عبادت گزار میرا عم زاد ہے۔ آپ نے فرمایا: میں اس کو جانتا ہوں' اس نے کہا: وہ مجھے نکاح کا پیغام دے رہا ہے' مجھے بتائیں کہ مرد کا بیوی پر کیا حق ہے؟ اگر میں اس کا حق ادا کرنے کی طاقت رکھوں گی تو اس سے نکاح کرلوں گی۔ آپ نے فرمایا: مرد کا

حق یہ ہے کہ اگر بالفرض مرد کے نتھنوں سے خون اور پیپ بہ رہا ہو اور تم اس کو چاٹ لو پھر بھی اس کا حق ادا نہیں ہوا۔

اگر کسی بشر کے لیے سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ جب خاوند آئے تو عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ امام حاکمؒ نے کہا: اس حدیث کو سند صحیح ہے۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ رکھے اور نہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں آنے کی اجازت دے۔

امام حاکمؒ نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کسی مسلمان عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں کسی ایسے شخص کو آنے کی اجازت دے جس کو وہ ناپسند کرتا ہو' اور نہ اس کی مرضی کے بغیر گھر سے نکلے اور نہ اس معاملہ میں کسی اور کی اطاعت کرے' اور نہ اس سے الگ بستر پر سوئے اور نہ اس کو ستائے' اگر اس کا خاوند ظلم کرتا ہو تو وہ اس کے پاس جائے حتی کہ اس کو راضی کرے' اگر وہ اس کی معذرت قبول کر لے تو فبہا اور اللہ بھی اس کے عذر کو قبول کرلے گا' اس کی حجت صحیح ہوگی اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اگر خاوند پھر بھی اس سے راضی نہیں ہوا تو اللہ کے نزدیک اس کی حجت تمام ہوگئی' امام حاکمؒ نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

امام طبرانیؒ نے سند جید کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مجھے بتائیے کہ خاوند کے بیوی پر کیا حقوق ہیں؟ میں بے نکاح عورت ہوں' اگر میں نے ان حقوق

کے ادا کرنے کی طاقت پائی تو نکاح کرلوں گی ورنہ بے نکاح رہوں گی' آپ نے فرمایا: بیوی پر شوہر کے حقوق میں سے یہ ہے کہ اگر وہ اونٹ کے کجاوہ پر بیٹھی ہو اور شوہر اسے مباشرت کے لیے بلائے تو وہ انکار نہ کرے' اور اس کا بیوی پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے' اگر وہ اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلی تو اس کے واپس آنے تک آسمان کے فرشتے' رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ اس عورت نے کہا: یہ حقوق ضروری ہیں اور میں کبھی نکاح نہیں کروں گی۔

امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ ' حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب بھی دنیا میں کوئی عورت اپنے خاوند کو ایذاء پہنچاتی ہے کہ جنت میں اس کی بیوی بڑی آنکھوں والی حور اس سے کہتی ہے: اللہ تجھے ہلاک کرے تو اس کو نہ ستا' یہ تیرے پاس عارضی طور پر ہے اور عنقریب ہمارے پاس آنے والا ہے۔

امام ترمذیؒ' امام نسائیؒ اور امام ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں حضرت طلق بن علیؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب مرد عورت کو اپنے کسی کام سے بلائے تو عورت فورا آجائے خواہ تنور پر بیٹھی ہو۔

امام بخاریؒ' امام مسلمؒ' امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب مرد عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے اور شوہر ناراضگی میں رات گزارے تو صبح تک اس پر فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔

امام ترمذیؒ' امام ابن ماجہؒ اور امام ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تین شخصوں کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی۔ جو شخص کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اس کو (کسی شرعی عیب کی وجہ سے) ناپسند کرتے ہو اور جو عورت اس حال میں رات گزارے کہ اس کا خاوند اس پر ناراض ہو اور دو مسلمان بھائی جو آپس میں لڑے ہوئے ہوں۔

امام طبرانیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو عورت اپنے خاوند کی مرضی کے بغیر گھر سے نکلے اس کے واپس آنے تک آسمان کے سارے فرشتے اور جن انسانوں اور جنوں کے پاس سے وہ گزرتی ہے سب اس پر لعنت کرتے ہیں۔ [1]

آیا عورت پر مرد کی خدمت واجب ہے یا نہیں

فقہاء مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے' بعض علماء مالکیہ نے کہا ہے کہ بیوی پر شوہر کی خدمت کرنا واجب نہیں ہے' کیونکہ عقد نکاح کا تقاضا یہ ہے کہ عورت اس کو مباشرت کا موقع دے نہ کہ خدمت کا' کیونکہ یہ مزدوری کا عقد نہیں ہے اور نہ نکاح کے ذریعے عورت اس کی باندی بن گئی' یہ عقد اجارہ ہے نہ عقد تملیک' یہ صرف عقد مباشرت ہے (نکاح کا معنی مباشرت ہے) لہٰذا عورت سے شوہر مباشرت کے علاوہ اور کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرسکتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر وہ تمہاری فرمان برداری کرلیں تو تم ان کو مارنے کے لیے بہانے نہ ڈھونڈو۔ (النساء: ٣٤)

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ عورت پر خاوند کی خدمت کرنا واجب ہے۔ اگر اس کا تعلق معزز اور خوشحال گھرانے سے ہو تو گھر کی دیکھ بھال اور خانگی امور کی نگرانی اس کے ذمہ ہے اور اگر وہ متوسط گھرانے کی

١۔ (الترغیب والترہیب ج ٣ ص ٥٩۔ ٥٢ 'ملتقطا' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ ١٤٠٧ھ)

ہوتو اس پر لازم ہے کہ وہ خاوند کا بستر وغیرہ بچھائے اور اگر وہ غریب گھرانے کی ہو تو اس پر گھر کی صفائی کرنا' کپڑے دھونا اور کھانا پکانا لازم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: عورتوں کے اتنے ہی حقوق ہیں جتنے دستور کے مطابق ان کے فرائض ہیں۔ (البقرہ: ۲۲۸)

اور یہ معقول رائے ہے اور ہر زمانے میں مسلمانوں کے گھرانوں میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے اصحاب کی ازواج محترمات چکی سے آٹا پیستی تھیں' کھانا پکاتی تھیں' بستر بچھاتی تھیں اور اپنے خاوندوں کے لیے کھانا لا کر رکھتی تھیں اور دیگر انواع کی خدمت کرتی تھیں اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے معاشرت کی ذمہ داریوں کو مرد اور عورت پر تقسیم کر دیا تھا' حضرت سیدنا فاطمہؓ کے ذمہ خانگی ذمہ داریاں تھیں اور حضرت مولی علیؓ کے ذمہ کسب معاش اور کمانے کی ذمہ داریاں تھیں۔

حاصل بحث:

حاصل بحث یہ ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں۔ مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے اخلاق اور حسن سلوک کے ساتھ رہیں' ان کو ضرر نہ پہنچائیں۔ ہر فریق اس معاملہ میں اللہ سے ڈرے' بیوی خاوند کی اطاعت کرے اور ہر ایک دوسرے کے لیے بن سنور کر رہے۔ امام ابن جریر طبریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ میں اپنی بیوی کے لیے بن سنور کر رہتا ہوں جیسے وہ میرے لیے بن ٹھن کر رہتی ہے' ضرورت کے وقت ہر فریق دوسرے کے کام آئے اور بیماری میں ہر فریق دوسرے کا علاج اور خدمت کرے۔

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ
وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ
اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا
تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٢٩﴾

طلاق دو بار ہے۔ پھر یا تو روک لینا ہے معروف طریقے سے اور یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ۔ اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم کچھ بھی لو اس سے جو تم نے بیویوں کو دیا ہے۔ بجز اس کے کہ میاں بیوی دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کی حدود کو تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں کہ عورت کچھ فدیہ دے کر جان چھڑا لے۔ یہ اللہ کی حدود ہیں سو ان سے آگے نہ بڑھو۔ اور جو شخص اللہ کی حدود سے آگے بڑھتا ہے سو وہی لوگ ظالم ہیں۔

شان نزول

امام ترمذیؒ امام حاکمؒ وغیرہ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو جتنی چاہتا طلاقیں دے لیتا تھا اور جس وقت اس سے عدت میں رجوع کر لیتا وہ پھر بھی اسی کی بیوی رہتی، خواہ اسے سو یا اس سے زیادہ طلاقیں دے دے، یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ خدا کی قسم میں تجھے نہ کبھی ایسی طلاق دوں گا کہ تو مجھ سے جدا ہو جائے اور نہ تجھ کو سکون سے رہنے ہی دوں گا، اس کی بیوی نے کہا یہ کس طرح ممکن ہو گا وہ کہنے لگا میں تجھے طلاق دیتا رہوں گا، جب بھی تیری عدت کی مدت ختم ہونے والی ہوگی، پھر تجھ سے رجوع کر لیا کروں گا اس پر اس عورت نے جا کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں سارا واقعہ کہہ سنایا، آپ سن کر خاموش ہو گئے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ آیت اتار دی۔ (آیت) "الطلاق مرتن"۔ (الخ) یعنی وہ طلاق جس میں رجوع کرنا درست ہے وہ دو مرتبہ کی ہے۔

فرمان خداوندی (آیت) "ولا یحل لکم"۔ (الخ) امام ابوداؤدؒ نے ناسخ ومنسوخ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ انسان اپنی بیوی کا تمام مال کھا جاتا تھا، خواہ اس نے اسے دیا ہو، یا نہ دیا ہوتا اور یہ نہیں سمجھتا تھا کہ اس صورت میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ کچھ لو اس مال میں سے جو تم نے اپنی عورتوں کو دیا ہے۔

اور ابن جریرؒ نے ابن جریجؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ثابت بن قیسؓ اور حبیبہؓ کے متعلق نازل ہوئی ہے، حبیبہؓ نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں جا کر شکایت عرض کی تھی، آپ نے اس کو فرمایا، کیا تو چاہتی ہے کہ تیرا باغ تجھے واپس کر دیا جائے، وہ کہنے لگیں جی ہاں! آپ نے ان

کے خاوند کو بلا کر ان سے اس چیز کا ذکر کیا وہ کہنے لگے کیا وہ اس بات پر راضی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں، راضی ہے۔ ان کے خاوند کہنے لگے تو میں نے ایسا ہی کر دیا، تب اس پر یہ آیت اتری۔ (۱)

طلاق کا لغوی معنی

امام اللغت سید زبیدی طلاق کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "عباب" میں ہے کہ عورت کی طلاق کے دو معنی ہیں: (۱) نکاح کی گرہ کو کھول دینا (ب) ترک کر دینا' چھوڑ دینا۔ "لسان العرب" میں ہے کہ عثمان اور زید کی حدیث ہے: طلاق کا تعلق مردوں سے ہے اور عدت کا تعلق عورتوں سے ہے۔ (۲)

طلاق کا اصطلاحی معنی

علامہ ابن نجیم طلاق کا فقہی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الفاظ مخصوصہ کے ساتھ فی الفور یا از روئے مآل نکاح کی قید کو اٹھا دینا' طلاق ہے۔ الفاظ مخصوصہ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو مادہ طلاق پر صراحۃً یا کنایۃً مشتمل ہوں' اس میں خلع بھی شامل ہے اور نامردی اور لعان کی وجہ سے نکاح کی قید از روئے مآل اٹھ جاتی ہے۔ (۳)

طلاق کی اقسام

طلاق کی تین قسمیں ہیں: احسن' حسن' بدعی۔ طلاق احسن: جن ایام ماہواری سے پاک ہو اور ان ایام میں بیوی سے مقاربت بھی نہ کی ہو' ان ایام میں صرف ایک طلاق دی جائے' اس میں دوران عدت مرد کو

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

۲۔ (تاج العروس ج ٦ ص ٤٢٥' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر ١٣٠٦ھ)

۳۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۵' مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

رجوع کا حق رہتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور فریقین کی باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ طلاق حسن: جن ایام میں عورت پاک ہو اور مقاربت بھی نہ کی وہ ان ایام میں ایک طلاق دی جائے اور جب ایک ماہواری گزر جائے تو بغیر مقاربت کیے دوسری طلاق دی جائے اور جب دوسری ماہواری گزر جائے تو بغیر مقاربت کیے تیسری طلاق دی جائے' اس کے بعد جب تیسری ماہواری گزر جائے تو عورت مغلظہ ہو جائے گی اور اب شرعی حلالہ کے بغیر اس سے دوبارہ عقد نہیں ہو سکتا۔ طلاق بدعی: اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) ایک مجلس میں تین طلاقیں دفعۃً دی جائیں خواہ ایک کلمہ سے مثلاً تم کو تین طلاقیں دیں یا کلمات متعددہ سے' مثلاً کہے: تم کو طلاق دی' تم کو طلاق دی' تم کو طلاق دی (ب) عورت کی ماہواری کے ایام میں اس کو ایک طلاق دی جائے اس طلاق سے رجوع کرنا واجب ہے اور یہ طلاق شمار کی جاتی ہے۔ (ج) جن ایام میں عورت سے مقاربت کی ہو' ان ایام میں عورت کو ایک طلاق دی جائے طلاق بدعی کسی صورت میں ہو اس کا دینے والا گناہ گار ہوتا ہے۔ [۱]

صریح لفظ طلاق کے ساتھ ایک یا دو طلاقیں دی جائیں تو یہ طلاق رجعی ہے اور اگر صریح لفظ طلاق نہ ہو' کنایہ سے طلاق دی جائے تو یہ طلاق بائن ہے' مثلاً طلاق کی نیت سے بیوی سے کہا: تو میری ماں کی مثل ہے'' طلاق رجعی میں دوبارہ رجوع کیا جا سکتا ہے' لیکن پچھلی طلاقیں شمار ہوں گی' اگر پہلے دو طلاقیں دی تھیں تو رجوع کے بعد صرف ایک طلاق کا مالک رہ جائے گا۔ طلاق بائن سے فی الفور نکاح منقطع ہو جاتا ہے لیکن اگر تین سے کم طلاقیں بائن ہوں تو باہمی رضامندی سے دوبارہ عقد ہو سکتا ہے لیکن پچھلی طلاقوں کا شمار ہوگا۔ طلاق کیوں مشروع کی گئی: ؟ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ جو لوگ رشتۂ نکاح میں منسلک ہو جائیں

۱۔ (درمختار علی ھامش ردالمختار ج ۲ ص ۵۷۸۔۵۷۳ مطبوعہ استنبول' ۱۳۴۷ھ)

ان کے نکاح کو قائم اور برقرار رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی جائے اور اگر کبھی ان کے درمیان اختلاف یا نزاع پیدا ہو تو رشتہ دار اور مسلم سوسائٹی کے ارباب حل وعقد اس اختلاف کو دور کر کے ان میں صلح کرائیں اور اگر ان کی پوری کوشش کے باوجود زوجین میں صلح نہ ہو سکے تو یہ خطرہ ہو کہ اگر یہ بدستور رشتہ نکاح میں بندھے رہے تو یہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے اور نکاح کے مقاصد فوت ہو جائیں گے تو ان کو عدم موافقت اور باہمی نفرت کے باوجود ان کو نکاح میں رہنے پر مجبور نہ کیا جائے' اس صورت میں ان کی' ان کے رشتہ داروں اور معاشرہ کے دیگر افراد کی بہتری اور مصلحت اسی میں ہے کہ عقد نکاح کو توڑنے کے لیے شوہر کو طلاق دینے سے نہ روکا جائے۔طلاق کے علاوہ عقد نکاح کو فسخ کرنے کے لیے دوسری صورت یہ ہے کہ عورت شوہر کو کچھ دے دلا کر خلع کرالے اور تیسری صورت قاضی کی تفریق ہے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ جن دو مسلمان حکموں کو نزاعی حالت میں معاملہ سپرد کیا گیا ہو اوہ نکاح کو فسخ کرنے کا فیصلہ کردیں۔صرف ناگزیر حالت میں طلاق دیجائے۔قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ اگر شوہر کو بیوی ناپسند ہو پھر بھی وہ اس سے نباہ کرنے کی کوشش کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (آیت) "وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا و یجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا"۔(النساء:۱۹) ترجمہ: اور اپنی بیویوں کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کے ساتھ رہو' اور اگر تم کو وہ ناپسند ہو تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کردے۔اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد گرامی ہے: حضرت محارب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق سب سے زیادہ

ناپسندیدہ ہے۔۔۔۔۔[1]

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے۔[2]

قرآن اور سنت کی ان ہدایات کی روشنی میں شوہر پر یہ لازم ہے کہ اختلاف اور نزاع کی حالت میں حتی الامکان طلاق سے گریز کرے اور اگر طلاق دینا ناگزیر ہو تو صرف ایک طلاق رجعی دے کیونکہ اس کے بعد عدت کے تین ماہ تک اس معاملہ نظر ثانی کا موقع رہے گا ورنہ عدت کے بعد عورت علیحدہ ہوجائے گی' آج کل کے لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تین بار کہے بغیر طلاق نہیں ہوتی' اس لیے یا تو وہ خود تین طلاقیں دیتے ہیں' وکیل اور وثیقہ نویس ان کو تین طلاقیں لکھ دیتے ہیں اور جب طلاق نافذ ہوجاتی ہے تو یہ لوگ پشیمان ہوتے ہیں اور مفتیوں کے پاس جاتے ہیں کہ دوبارہ نکاح یا رجوع کا کوئی حیلہ بتلائیں' حتی کہ یہ لوگ حلالہ کی ناگوار صورت کو قبول کرنے پر تیار ہوجاتے ہیں' حالانکہ اس قسم کے حلالہ پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لعنت کی ہے' لیکن بعد میں بچوں کی دربدری اور دوسرے برے نتائج سے بچنے کیلیے اس وقت فریقین ہر قیمت پر صلح کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔ صرف مرد کو طلاق کا اختیار کیوں دیا گیا:؟ طلاق دینے کا حق مرد کو تفویض کیا گیا ہے حالانکہ عقد نکاح عورت اور مرد دونوں کی باہمی رضامندی سے وجود میں آتا ہے تو پھر عورت کو یہ اختیار کیوں نہیں ہے کہ وہ بھی جب چاہے اس عقد کو ختم کردے؟ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ عورت مغلوب الغضب ہوتی ہے اور اس کو جلد غصہ آتا ہے اگر طلاق دینے کا معاملہ عورت کے اختیار میں ہوتا تو وقوع طلاق کی شرح دوچند سے بھی زیادہ بڑھ جاتی۔ عام طور

۱۔(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱٤۰۵ھ)

۲۔(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱٤۰۵ھ)

پر یہ دیکھا گیا ہے کہ عورت کے مطالبہ اور اس کی ضد پر شوہر طلاق دیتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد کے مقابلہ میں عورت کی قوت فیصلہ کمزور ہوتی ہے، خصوص حیض کے ایام میں عورت ذہنی اضطراب میں مبتلا ہوتی ہے اور ان ایام میں اس کا ذہن منتشر اور مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے، اس لیے اگر طلاق دینے کا معاملہ عورت کے سپرد کیا جاتا تو شرح طلاق زیادہ ہو جاتی اور اکثر ہنستے بستے گھر ویران ہو جاتے، تیسری وجہ یہ ہے کہ عورتیں ناقصلت العقل ہوتی ہیں جیسا صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن ابوداؤد، مسند احمد بن حنبل اور مستدرک۔ (۱)

میں اس کی تصریح ہے اور فسخ نکاح کا معاملہ ناقص العقل کے سپرد کرنے کے لائق نہیں ہے۔ طلاق کا معاملہ مرد کو مفوض کرنے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ چونکہ مرد اپنا مال خرچ کر کے حقوق زوجیت حاصل کرتا ہے اس لیے ان حقوق سے دست کش ہونے کا اختیار بھی اسی کو دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص اپنا روپیہ خرچ کر کے کوئی چیز حاصل کرتا ہے وہ اس چیز کو آخری حد تک رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور صرف اس وقت اس چیز کو چھوڑتا ہے جب اس کو چھوڑنے کے سوا اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔ اس کے برخلاف حقوق زوجیت کو قائم کرنے میں عورت کو کوئی محنت کرنی پڑتی ہے نہ پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے اس لیے اگر طلاق کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں دے دی جاتی تو عورت کو طلاق واقع کرنے میں اس قدر سوچ وبچار اور تامل کی ضرورت نہ ہوتی۔ علاوہ ازیں یہ اقدام عدل وانصاف کے بھی خلاف ہوتا۔ طلاق میں عورت کی رضامندی کا اعتبار کیوں نہیں ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ بعض اوقات عورت طلاق لینا نہیں چاہتی اور اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر وہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہی رہنا چاہتی ہے لیکن مرد

۱۔ ۱ (بخاری ج ۱ ص ۱٤٤ ۔ ج ۱ ص ۹۷ ۔ ج ۱ ص ۱۳۱ ۔ ج ۱ ص ۲٦۱ ۔ ج ۱ ص ۲٦۳ ۔ مسلم ج ۱ ص ٦۰، ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۷، ترمذی ص ۳۷۵، ابن ماجہ ص ۲۸۹، مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ٦۷، مستدرک ج ۲ ص ۱۹۰ ۔)

بدمزاج اور ظالم ہوتا ہے اور عورت کی مرضی کے خلاف وہ اس کو طلاق دیتا ہے ایسی صورت میں بعض عورتیں یہ کہتی ہیں کہ جب نکاح کے عقد میں اس کی مرضی کا دخل ہے تو طلاق میں اس کی رضامندی کا دخل کیوں نہیں ہے؟ اور اس کی مرضی کے بغیر طلاق کیوں موثر قرار دی جاتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی عقد کو بھی قائم کرنے کے لیے فریقین رضامندی ضروری ہے۔ (مثلاً وکالت‘ اجارت‘ مضاربت وغیرہ) لیکن عقد کو فسخ کرنے کے لیے دونوں فریقوں کی رضامندی ضروری نہیں ہوتی‘ کوئی ایک فریق بھی دوسرے کی مرضی کے خلاف عقد توڑ سکتا ہے‘ اس لیے اگر کوئی شخص کسی عورت کو اپنے نکاح میں رکھنے پر آمادہ نہ ہو اور اس کے ساتھ عمل زوجیت پر تیار نہ ہو تو اس سے بہ زور یہ عمل نہیں کرایا جا سکتا‘ نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تم خواہی نخواہی اس عورت کو اپنے نکاح میں رکھو اور اس کو خرچ دیتے رہو اور چونکہ ازدواجی زندگی کا گاڑی میں اہم رول مرد ادا کرتا ہے کیونکہ عمل زوجیت اور نفقہ کی ادائیگی میں مرد فاعل ہوتا ہے اور عورت اس کے فعل کی محل یا منفعل ہوتی ہے۔ اس لیے عقد نکاح کو قائم رکھنے یا اس کو فسخ کرنے کا اختیار بھی صرف مرد کو دیا گیا ہے۔ خلع: طلاق کو مرد کے اختیار میں دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وقوع طلاع میں عورت کا بالکل دخل نہیں ہے‘ عورت کو خلع کا اختیار دیا گیا ہے اگر عورت کو مرد کی شکل وصورت پسند نہ ہو یا کسی اور طبعی نامناسبت کی وجہ سے وہ مرد کو ناپسند کرتی ہو تو وہ اپنا مہر چھوڑ کر یا کچھ اور دے دلا کر شوہر سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ سید محمد قطب شہید لکھتے ہیں: امام بخاریؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس ابن شماسؓ کی بیوی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں ثابت کے خلق اور اس کے دین کے بارے میں کوئی حرف گیری نہیں کرتی‘ لیکن میں اسلام کے بعد کفر (ناشکری یا شوہر کے حقوق کو ادا نہ کرنا) کو ناپسند

کرتی ہوں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کیا تم اس کا باغ واپس کردو گی؟ (ثابت نے ان کو مہر میں باغ واپس کردو گی؟ (ثابت نے ان کو مہر میں باغ دیا تھا) انھوں نے کہا: ہاں! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ثابت سے فرمایا: باغ لے لو اور اس کو طلاق دے دو۔[۱]

اس حدیث کی روشنی میں یہ ہونا چاہیے کہ جب کسی عورت کو کسی طبعی ناہمواری کی وجہ سے شوہر ناپسند ہو اور یہ نفرت اس قدر بڑھ جائے کہ وہ اس نفرت کی وجہ سے شوہر کے حقوق ادا نہ کر سکے تو پھر وہ قاضی اسلام سے رجوع کرے اور قاضی مہر واپس کر کے شوہر سے طلاق دلا دے یاد رہے کہ یہاں قاضی شوہر سے طلاق دلوائے گا از خود نکاح فسخ نہیں کرے گا۔ قاضی اور حکمین کی تفریق: طلاق دینا مرد کے اختیار میں ہے لیکن اگر مرد عورت پر تعدی اور ظلم کرتا ہے اور اس کو طلاق نہیں دیتا تو عورت کو حق ہے کہ وہ عدالت سے نکاح فسخ کرا لے اور مذہب مالکیہ کے مطابق یہ تفریق نافذ ہو جائے گی، اسی طرح اگر خاوند تنگ کرنے کیلیے عورت کو نفقہ دے نہ طلاق دے، تب بھی عورت عدالت سے تفریق کرا سکتی ہے، اگر کسی نوجوان عورت کا خاوند پاگل ہو جائے اور ٹھیک نہ ہو سکے یا کسی اور نا قابل علاج بیماری میں مبتلا ہو جائے اور حقوق زوجیت ادا نہ کر سکے تب بھی عورت عدالت سے تفریق کرا سکتی ہے، اگر کسی نوجوان عورت کا خاوند کسی جرم کی وجہ سے لمبی مدت کے لیے سزایاب ہو یا اس کو عمر قید ہو جائے تب بھی عورت عدالت سے تفریق کرا سکتی ہے، اگر کسی نوجوان عورت کا خاوند لاپتہ ہو جائے اور عورت کے گزر بسر کا ذریعہ نہ ہو تو بھی عورت عدالت تحقیق کے بعد فی الفور تفریق کردے گی۔ اگر عورت اور مرد میں اختلاف ہو اور حکمین کو مقرر کرلیں اور حکمین تفریق کا فیصلہ کر دیں تو تفریق ہو جائے گی۔ یہ تمام صورتیں امام مالکؒ کے

۱۔(فی ظلال القرآن ج ۲ ص ۱۹۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۸۶ھ)

نزدیک جائز ہیں اور فقہاء احناف نے تصریح کی ہے کہ ضرورت کے وقت امام مالکؒ کے مذہب پر عمل درست ہے اور یہ بھی تصریح ہے کہ قاضی اپنے اجتہاد سے مذہب غیر کے مطابق فیصلہ کرسکتا ہے اور اس پر عمل صحیح ہے۔

تین طلاقوں کی تحدید کی وجوہات' مصالح اور حکمتیں

اسلام نے صرف تین طلاقوں کی گنجائش رکھی ہے' پہلی اور دوسری طلاق دینے کے بعد مرد کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا اختیار ہے لیکن تیسری طلاق دینے کے بعد مرد کو رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہے اب اگر وہ مرد اور عورت پھر چاہیں تو اس کے سوال اور کوئی صورت نہیں ہے' عورت عدت گزارنے کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کرے' نکاح کرنے کے بعد وہ شخص اس سے عمل زوجیت (صحبت) کرے اور پھر اپنی مرضی سے جب اس کو طلاق دے دے تو پھر وہ عورت اس کی عدت گزار کر پہلے شوہر کے نکاح میں جاسکتی ہے' ظاہر ہے کہ یہ ناگوار اور مشکل صورت ہے اس لیے مرد کو تیسری طلاق دینے سے پہلے اچھی طرح سوچ و بچار اور غور وفکر کرنا چاہیے تاکہ بعد میں پریشانی اور پچھتاوے کا سامنا نہ کرنا پڑے اور رو دھو کر مفتیوں سے حیلے نہ پوچھے جائیں اور اپنا مذہب چھوڑ کر غیر مقلدیت کے دامن میں پناہ لینے کی ضرورت نہ پڑے' اسلام نے اسی لیے بیک وقت تین طلاقیں دینے سے روکا ہے اور اس فعل کو معصیت اور گناہ قرار دیا ہے۔ سنت کے مطابق اور احسن طریقے سے طلاق دینے کے فوائد: جب کوئی شخص سنت کے مطابق صحیح طریقہ سے عورت کی پاکیزگی کے ان ایام میں جن میں اس نے جماع نہ کیا ہو صرف ایک طلاق دے گا اور دوسری طلاق کے لیے اگلی پاکیزگی کے ایام تک رکا رہے گا جو تقریباً ایک ماہ کے برابر ہیں تو اس عرصہ میں وہ اس معاملہ پر سو دفعہ سے زیادہ غور کرے گا اور گمان غالب ہے کہ اس

کی رائے بدل جائے گی (کیونکہ میں تیس سالہ افتاء کی زندگی میں بارہا دیکھ چکا ہوں کہ کل شوہر نے تین طلاقیں دی ہیں اور آج وہ دوڑا چلا آرہا ہے کہ کوئی حیلہ بتلائیں کہ نکاح قائم رہ سکے۔ جب ایک دن میں رائے بدل جاتی ہے، حالات بدل جاتے ہیں تو ایک ماہ میں تو بہت گنجائش ہے) اگر بیوی یا اس کے غلط طرزِ عمل کی وجہ سے یہ اختلاف کی صورت پیدا ہوئی ہے تو ایک ماہ میں اس کے طرزِ عمل میں تبدیلی یا مطالبہ طلاق ترک کر دینے کا غالب امکان ہے، اس طرح دوسری طلاق پڑنے کا خطرہ ٹل جائے گا اور تیسری طلاق کی نوبت نہیں آئے گی جب کہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احسن طریقہ یہ ہے کہ زمانہ طہر میں بشرط عدم مجامعت صرف ایک طلاق دی جائے اور عدت کے پورے زمانہ میں دوبارہ طلاق نہ دی جائے اور عدت کے اس تین ماہ میں طلاق سے رجوع کرنے کا زیادہ موقع رہے گا اور بالفرض رجوع نہیں کیا اور عدت گزر گئی اور عورت بائنہ ہوگئی اور بعد میں حالات سازگار ہوئے تو اب دوبارہ نکاح کرنے کی گنجائش ہے اور کسی حلالہ کی ضرورت نہیں ہے جب کہ تین طلاقیں دینے کے بعد یہ گنجائش نہیں رہتی۔ طلاق کی تدریج میں مرد کی اور تحدید میں عورت کی رعایت ہے۔ تین طلاق کی تحدید سے دراصل عورت کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے کیونکہ اگر طلاق میں کوئی تحدید نہ ہوتی تو عورت کی گلوخلاصی کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا۔ زمانہ جاہلیت میں مرد عورت کو طلاق دیتا اور عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا پھر طلاق دے دیتا اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا تھا۔ امام رازی نے ''الطلاق مرتان'' کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ کے پاس آکر یہ شکایت کی کہ اس کا شوہر اس کو بار بار طلاق دیتا ہے اور پھر رجوع کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اس کو ضرر ہوتا ہے۔ اس پر موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (آیت) ''الطلاق مرتن فامساک بمعروف اوتسریح باحسان''۔ (البقرہ:۲۲۹)

ترجمہ: دوبارہ طلاق دینے کے بعد دستور کے مطابق عدت میں روکنا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (آیت) "فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ فان طلقھا فلا جناح علیھما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود اللہ"۔ (البقرہ: ۲۳۰) ترجمہ: پھر اگر اسے (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ (وہ عورت) اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے' پھر اگر (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ (دوسرا خاوند کی عدت گزارنے کے بعد) وہ آپس میں رجوع کر لیں اگر وہ سمجھیں کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے نتائج: چونکہ تیسری طلاق آخری حد ہے اور اس کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں ہے اس لیے تیسری طلاق دینے سے پہلے بہت سوچ و بچار اور غور وخوض کرنا چاہیے اور اس آخری قدم اٹھانے سے پہلے دوستوں اور رشتہ داروں سے مشورہ بھی کر لینا چاہیے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اسلام کی ہدایت کے مطابق طلاق وقفہ وقفہ سے دی جائے' اگر ایک مجلس میں بیک وقت تین طلاقیں دے دی گئیں تو پھر بعد میں پریشانی اور پشیمانی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا اس لیے بکثرت احادیث اور آثار میں بیک وقت تین طلاقیں دینے کو معصیت اور گناہ فرمایا ہے لیکن اگر کسی شخص نے بد قسمتی سے معصیت کا ارتکاب کر کے ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو اس کو اب صبر و استقامت اور حوصلہ سے اس اقدام کے نتیجہ اور انجام کا سامنا کرنا چاہیے اور اپنے ہاتھوں کی ہوئی اس علیحدگی کو قبول کر لینا چاہیے۔حلالہ کا مکروہ حیلہ اختیار کرے نہ غیر مقلد مولویوں کے خلاف شرع فتوی پر عمل کرنے کے لے در بدر مارا مارا پھرے' کیونکہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا عقل اور درایت کے بھی خلاف ہے اور قرآن اور حدیث کے بھی خلاف ہے۔عدوی

معاملات میں یہ کہیں نہیں ہوتا کہ کوئی شخص تین یا پانچ یا دس عدد کو ایک عدد قرار دے اور اگر کوئی شخص دس روپوں کو ایک روپیہ قرار دے تو یہ منطق اور قانون دونوں کے خلاف ہے' پھر تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے وقت ان لوگوں کی منطق کہاں رخصت ہوجاتی ہے۔ آئندہ مباحث میں ہم انشاء اللہ ایک مجلس کی تین طلاقوں پر گفتگو کریں گے۔ پہلے ہم ایک مجلس کی تین طلاقوں کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف فقہاء بیان کریں گے' پھر تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر غیر مقلدین کے دلائل پیش کر کے ان کا جائزہ لیں گے' اس کے بعد قرآن مجید' احادیث' آثار صحابہ اور اقوال تابعین کی روشنی میں جمہور فقہاء اسلام کا یہ موقف پیش کریں گے کہ اگر کسی شخص نے بدقسمتی سے معصیت کا ارتکاب کر کے ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو وہ بہرحال نافذ ہوجائیں گی۔ حالانکہ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے' وہ بیک وقت تین طلاقوں کو بدعت اور گناہ نہیں' مباح کہتے ہیں اور امام احمدؒ کا ایک قول بھی یہی ہے۔ (۱)

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے حکم میں میں جمہور کا موقف: جمہور علماء اہل سنت کے نزدیک بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقعی ہوجاتی ہیں۔ علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں: امام شافعیؒ' امام مالکؒ' امام ابوحنیفہؒ اور قدیم وجدید جمہور علماء کے نزدیک یہ تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ (۲)

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: جس شخص نے بیک وقت تین طلاقیں دیں وہ واقع ہوجائیں گی خواہ دخول سے پہلے دی ہوں یا دخول کے بعد۔ حضرت ابن عباسؓ' حضرت ابوہریرہؓ' حضرت ابن عمرؓ' حضرت عبداللہ بن عمروؓ' حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت انسؓ کا یہی نظریہ ہے' اور بعد کے تابعین اور

۱۔ (حقوق الزوجین ص ۱۵۰' مطبوعہ ادارۂ ترجمان' لاہور بائیسویں پارہ' ۱۹۸۶ء)

۲۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

ائمہ کا بھی یہی موقف ہے۔ (۱)

قاضی ابن رشد مالکیؒ لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء کا یہی موقف ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ (۲)

علامہ الحصکفی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ بار بار لفظ طلاق کا تکرار کرنے سے تمام طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور اگر طلاق دینے والا تاکید کی نیت کرے تو اس کا دیانۃً اعتبار ہوگا۔ (۳)

(یعنی قضاءً اعتبار نہیں ہوگا) بیک وقت دی گئی تین طلاقوں میں شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کا موقف : شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے ایک طہر میں ایک لفظ یا متعدد الفاظ کے ساتھ تین طلاقیں دیں، مثلاً کہا کہ تم کو تین طلاقیں یا کہا کہ تم کو طلاق ہے، تم کو طلاق ہے، یا کہا: تم کو تین طلاقیں یا دس طلاقیں یا سو طلاقیں، یا ہزار طلاقیں، اس قسم کی عبارات میں متقدمین اور متاخرین علماء کے تین نظریات ہیں ایک اور چوتھا قول بھی ہے جو محض من گھڑت اور بدعت ہے، پہلا قول یہ ہے کہ یہ طلاق مباح اور لازم ہے، یہ امام شافعیؒ کا قول ہے۔ امام احمدؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ یہ قول متقدمین میں بکثرت صحابہ اور تابعین سے منقول ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ طلاق حرام ہے لیکن اس سے صرف ایک طلاق لازم آتی ہے، یہ قول صحابہ میں حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے منقول ہے۔ حضرت علیؓ، اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کے دو قول ہیں تابعین اور بد کے لوگوں میں سے طاؤس خلاص بن عمرو محمد بن اسحاقؒ سے منقول ہے، داؤدؒ اور ان کے

۱۔ (علامہ ابو محمد عبداللہ بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۷ س ۲۸۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

۲۔ (ہدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۴۶، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

۳۔ ۲ (علامہ علاؤالدین الحصکفی الحنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، درمختار علی ھامش ردالمختار ج ۲ ص ۶۳۲، مطبوعہ استنبول، ۱۳۲۷ھ)

اکثر اصحاب کا یہی قول ہے ابو جعفر محمد بن علی بن الحسینؒ اور ان کے بیٹے جعفر بن محمدؒ کا بھی یہی قول ہے' اسی وجہ سے شیعہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام ابو حنیفہؒ ' امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے بعض اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ چوتھا قول بعض معتزلہ اور بعض شیعہ کا ہے' وہ یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینے سے کوئی طلاق نہیں پڑتی' سلف صالحین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں تھا اور تیسرا قول ہی وہ ہے جس پر کتاب وسنت سے دلائل موجود ہیں۔ [1]

شیخ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقوں کے وقوع کے بارے میں چار مذاہب ہیں' پہلا مذہب یہ ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں' یہ قول ائمہ اربعہ' جمہور تابعین اور بکثرت صحابہ کا ہے (رضی اللہ عنہم) دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ مردود ہے کیونکہ یہ بدعت محرمہ ہے اور بدعت اس حدیث کی وجہ سے مردود ہے: نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:" جس شخص نے ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں نہیں ہے وہ مردود ہے۔ اس مذہب کو ابو محمد بن حزمؒ نے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا: یہ باطن ہے اور رافضیوں کا قول ہے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ اس سے ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے' یہ مذہب حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے' جیسا کہ امام ابوداوٗدؒ نے ذکر کیا ہے امام احمدؒ نے کہا: یہ ابن اسحاقؒ کا مذہب ہے' وہ کہتے ہیں کہ جو شخص سنت کی مخالفت کرے اس کو سنت کی طرف لوٹانا چاہیے۔ (تابعین میں سے) طاؤسؒ اور عکرمہؒ کا بھی یہی قول ہے اور شیخ ابن تیمیہؒ کا بھی یہی نظریہ ہے چوتھا مذہب یہ ہے کہ مدخول بہا اور غیر مدخول بہا میں فرق ہے' مدخول بہا کو تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں اور غیر مدخول بہا کو ایک طلاق واقع ہوتی ہے' یہ قول حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ کا ہے

۱۔ (مجموع الفتاوی ج ۳۳ ص ۹۰۷'مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز آل السعود)

اوراسحاق بن راھویہؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (۱)

بیک وقت دی گئی طلاقوں میں علماء شیعہ کا موقف: جیسا کہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے، بعض شیعہ کا موقف یہ ہے کہ اگر بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (شرائع الاسلام ج ۲ ص ۵۷) اور جمہور شیعہ کا مذہب یہ ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ شیخ ابو جعفر کلینی روایت کرتے ہیں: زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی ایک (علیہ السلام) سے پوچھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس یا متعدد مجالس میں تین طلاقیں دیں درآں حالیکہ وہ عورت حیض سے پاک تھی؟ انھوں نے کہا: یہ ایک طلاق ہوگئی۔ (۲)

عمرو بن براء کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ سے کہا کہ ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص جب اپنی بیوی کو ایک طلاق دے یا سو طلاقیں دے تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور ہمیں آپ سے اور آپ کے آباء (علیہم السلام) سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب کوئی شخص ایک بار طلاق دے یا سو بار طلاق دے تو وہ ایک طلاق ہوتی ہے۔ ابو عبداللہ (علیہ السلام) نے کہا: مسئلہ اسی طرح ہے جس طرح تمہیں پہنچا ہے۔ (۳)

تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل: شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (آیت) "الطلاق مرتان" اس سے معلوم ہوا کہ وہ طلاق رجعی جس میں طلاق کے بعد رجوع کیا جاتا ہے ایک بار دینے کے بعد دوسری مرتبہ دی جاتی ہے، جیسے کسی شخص نے کہا: جاؤ دو بار

۱۔ (زاد المعارج ٤ ص ٥٤، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر)

۲۔ (الفروع من الکافی ج ٦ ص ٧١ ۔ ٧٠، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران)

۳۔ (الفروع من الکافی ج ٦ ص ٧١ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران)

تسبیح کرو یا تین بار تسبیح کرو یا سو بار تسبیح کرو' اس پر عمل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اتنی بار تسبیح کرے کہ یہ عدد پورا ہو جائے' مثلاً کہے: سبحان اللہ' سبحان اللہ تو یہ دو بار ہوگا اور اگر اس نے کہا: دو بار سبحان اللہ (سبحان اللہ مرتان) یا سو بار سبحان اللہ (سبحان اللہ مائۃ مرۃ) کہا تو یہ ایک تسبیح شمار کی جائے گی' علی ہذا القیاس جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تمہیں دو طلاقیں یا تمہیں تین طلاقیں یا تمہیں دس طلاقیں یا تمہیں ہزار طلاقیں تو یہ ایک طلاق شمار کی جائے گی۔ اس کو واضح کرنے کے لیے شیخ ابن تیمیہ نے ایک مثال دی ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مشروع فرمایا ہے کہ نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ' تنتیس بار الحمد للہ اور تینتیس بار اللہ اکبر کہا جائے' اب اگر کوئی شخص کہے: سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر عدد خلقہ (اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر) تو یہ صرف ایک تسبیح شمار کی جائے گی۔ شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ہمارے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ کسی شخص نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد میں ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دی ہوں اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس پر تین طلاقیں لازم کر دی ہوں' اس بارے میں کوئی حدیث صحیح یا احسن مروی نہیں ہے اور نہ کسی مستند کتاب میں کوئی ایسی حدیث نقل کی گئی ہے' اس سلسلے میں جتنی احادیث نقل کی گئی ہیں وہ سب ائمہ حدیث کی تصریح کے مطابق ضعیف ہیں' بلکہ موضوع ہیں' بلکہ "صحیح مسلم" اور دیگر سنن اور مسانید میں حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے: حضرت ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے اور حضرت ابوبکر ؓ کے زمانہ خلافت میں اور حضرت عمر ؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا ہے' حضرت عمر ؓ نے فرمایا: لوگوں نے اس کام میں عجلت کرنی شروع کر دی ہے جس میں انھیں مہلت دی گئی تھی' اگر ہم ان پر یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں تو بہتر ہوگا' پھر آپ نے یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں اس سلسلے

میں دوسری حدیث یہ ہے: حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن عبد یزیدؓ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں' پھر سخت غم گین ہوئے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے سوال کیا: تم نے کس طرح طلاق دی تھی؟ انھوں نے کہا: میں نے تین طلاقیں دی تھیں۔ آپ نے فرمایا: ایک مجلس میں؟ انھوں نے کہا: جی آپ نے فرمایا: یہ ایک طلاق ہوئی ہے' اگر تم چاہو تو اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ پھر حضرت رکانہؓ نے رجوع کر لیا شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو یہ استفسار فرمایا: ایک مجلس میں؟ اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اگر ایک مجلس میں تین طلاقیں نہ دی جائیں تو پھر وہ ایک نہیں قرار دی جاتیں اور جب ایک مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک قرار دی جائے گی' حضرت رکانہ کی یہ حدیث شیخ ابن تیمیہ نے "مسند احمد" کے حوالے سے بیان کی ہے۔ [۱]

شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل کے جوابات: شیخ ابن تیمیہ نے "الطلاق مرتان" سے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر طلاق الگ الگ دی جائے تب وہ متعدد طلاقیں متصور ہوں گی اور اگر کسی نے کہا: تم کو تین طلاقیں" تو چونکہ یہ طلاق ایک بار دی گئی ہے اس لیے یہ ایک طلاق ہی شمار ہوگی۔ شیخ ابن تیمیہ کا یہ استدلال خود انھیں بھی مفید نہیں ہے کیوں کہ اس استدلال کا یہ تقاضا ہے کہ کسی شخص نے ایک بار مجلس میں تین بار کہا: میں نے تم کو طلاق دی' میں نے تم طلاق دی' میں نے تم کو طلاق دی' تو یہ تین طلاقیں واقع ہونی چاہئیں کیونکہ یہ تین بار دی گئی ہیں' حالانکہ شیخ کے نزدیک یہ بھی ایک طلاق ہے جیسا کہ اس سے پہلے باحوالہ گزر چکا ہے۔ زنا کی شہادات اور قسامت کی قسموں پر قیاس کے جوابات: شیخ ابن قیم جوزیہ

۱۔ (مجموع الفتاوی ج ۳۳ ص ۱۴۔۱۱' مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز)

نے زنا کی چار شہادتوں اور قسامت کی پچاس قسموں سے بیک وقت دی گئیں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں چار بار گواہی دیتا ہوں کہ فلاں شخص نے زنا کیا ہے' تو اس کی یہ گواہی مردود ہوگی جب تک چار آدمی الگ الگ گواہی نہ دیں' اسی طرح اگر ایک آدمی یہ کہے کہ میں پچاس قسمیں کھاتا ہوں کہ میں قتل کیا نہ قاتل دیکھا ہے تو اس کی یہ قسم معتبر نہیں ہوگی جب تک کہ پچاس آدمی الگ الگ قسمیں نہ کھائیں' اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تم کو تین طلاقیں دیتا ہوں تو یہ تین طلاقیں بھی معتبر نہیں ہوں گی' جب تک کہ وہ الگ الگ تین طلاقیں نہ دے۔ [1]

اس استدلال کا ایک جواب تو یہی ہے کہ یہ دلیل خود شیخ ابن قیم کو بھی مفید نہیں ہے کیونکہ اس دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مجلس میں اگر تین بار الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ واقع ہو جانی چاہئیں' حالانکہ ان کے نزدیک ایک مجلس میں الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ بھی واقع نہیں ہوتیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ زنا کی شہادت اور قسامت پر طلاق کا قیاس درست نہیں ہے کیونکہ جو شخص یہ کہے کہ میں زنا کی چار گواہیاں دیتا ہوں یا میں قتل نہ کرنے کی پچاس قسمیں کھاتا ہوں اس کی گواہی اور قسم مطلقاً مردود ہے' برخلاف طلاق کے کیونکہ جو شخص کہے: میں تم کو تین طلاقیں دیتا ہوں اس کی طلاق ان کے نزدیک بھی مطلقاً مردود نہیں ہے بلکہ ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ دوسرا جواب علامہ آلوسی کی عبارت سے مستفاد ہے۔ علامہ آلوسی نے اس استدلال کے جواب میں لکھا ہے کہ شہادات لعان اور رمی جمرات پر طلاق کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے' دونوں کے احکام الگ الگ ہیں' اور ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا' علاوہ ازیں طلاق کا معاملہ حلت اور حرمت سے ہے' اور اس میں احتیاط یہی ہے کہ جو تین

۱۔ (زاد المعاد ج ٤ ص ٥٥' مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر ١٣٦٩ھ)

طلاقیں بیک وقت دی گئی ہیں اور واقع مان لی جائیں۔ [۱]

اور یہ مسلم اصول ہے کہ جب اباحت اور تحریم میں تعارض ہو تو تحریم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین ایک طلاق دے کر نکاح کو مباح کہتے ہیں اور جمہور ان تین طلاقوں کو تین ہی شمار کر کے نکاح کو حرام کہتے ہیں اور اس اصول کے مطابق جمہور کے قول کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ اباحت اور تحریم کے تعارض میں تحریم ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ پر عہد رسالت کے معمول کو بدلنے کے الزام کے جوابات: شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کی دوسری دلیل: "صحیح مسلم" کی حدیث ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا ہے اور حضرت عمرؓ نے یہ کہا کہ اگر ان کو تین طلاق ہی قرار دیا جائے تو بہتر ہوگا اور پھر انھوں نے ایسا ہی کر دیا' جس طرح شیخ ابن تیمیہ اور اس کے موافقین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے' اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شریعت کی صریح مخالفت کی اور تمام صحابہ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کو قبول کر لیا' اگر اس بات کو مان لیا جائے تو حضرت ابو بکرؓ اور ان کے دور میں فوت ہونے والے صحابہ کے علاوہ کوئی صحابی اس قابل نہیں رہے گا کہ اس کے دین پر اعتماد کیا جائے اور اس کی روایت کو قبول کیا جائے یہی وجہ ہے کہ جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث کا ظاہر معنی نہیں لیا' اور اس حدیث کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔' لیکن چونکہ غیر مقلد حضرات ان کا رسالہ مسلسل چھاپ رہے ہیں اس لیے ہم نے ان کے دلائل کا جواب ضروری سمجھا تا کہ عوام اہل سنت ان کے حوالے سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

۱۔ (علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۲ھ' روح المعانی ج ۲ ص ۱۳۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ صحیح مسلم کی زیر بحث روایت غیر صحیح اور مردود ہے۔ قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ ہوجاتی ہیں' جیسا کہ انشاء اللہ عنقریب واضح ہوگا اور "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کی متفق علیہ حدیث ہے جس کو صحاح ستہ کے دیگر مولفین نے بھی روایت کیا ہے کہ حضرت عویمرؓ نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان طلاقوں کو نافذ کردیا' نیز دیگر احادیث صحیحہ اور بکثرت آثار صحابہ اور قوال تابعین سے ثابت ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں نافذ ہوجاتی ہیں (جس کا تفصیلی بیان عنقریب آرہا ہے) اور "صحیح مسلم" میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت چونکہ قرآن مجید' احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کی صراحت کے خلاف ہے اس لیے یہ روایت شاذ اور معلل ہے اور استدلال سے خارج ہے۔ صحیح مسلم کی زیر بحث روایت کے غیر صحیح ہونے پر دوسری دلیل: اس روایت کے شاذ معلل اور مردود ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ خود یہ فتوی دیتے تھے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں واقعی ہوجاتی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ متصور نہیں ہے کہ وہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ایک چیز روایت کریں اور فتوی اس کے خلاف دیں' اس لیے یہ روایت شاذ ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی طرف روایت کو منسوب کرنے میں طاؤس کو وہم ہوا ہے۔ ١

"صحیح مسلم" کی اس زیر بحث حدیث کو طاؤسؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی صراحت کے مطابق یہ طاؤسؒ کا وہم ہے' اس کی مزید وضاحت امام بیہقیؒ کے بیان سے ہوتی ہے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن میں امام بخاریؒ اور امام

١۔ (فتح الباری ج ٩ ص ٣٦٣' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ١٤٠١ھ)

مسلم ؒ کا اختلاف ہے‘ امام مسلمؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور امام بخاریؒ نے اس کو ترک کر دیا ہے‘ اور میرا گمان یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو اس لیے ترک کیا ہے کہ یہ روایت حضرت ابن عباسؓ کی باقی روایات کے مخالف ہے‘ پھر امام بیہقیؒ نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عکرمہؓ نے کہا: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: پہلے انسان تین طلاق دینے کے بعد رجوع کر لیتا تھا ”الطلاق مرتان“ نے اس کو منسوخ کر دیا۔ سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا: جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ اس پر حرام ہوگئی‘ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیں ہیں‘ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: تم تین طلاقیں لے لو اور ستانوے طلاقوں کو چھوڑ دو‘ مجاہد سے ہی روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیں‘ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی‘ تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہوگئی‘ تم نے اللہ کا خوف نہیں کیا‘ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کوئی مخرج نہیں رکھا‘ ان کے علاوہ عطاءؒ ‘ عمرو بن دینارؒ اور مالک بن حارثؒ وغیرہ طاؤسؒ کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ کے تمام تلامذہ حضرت ابن عباسؓ سے یہی روایت کرتے ہیں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں‘ اس کے برخلاف صرف طاؤسؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت کیا ہے کہ عہد رسالت اور عہد ابوبکرؓ میں تین طلاقیں ایک قرار دی جاتی تھیں اس لیے یہ روایت طاؤسؒ کے وہم پر محمول کی جائے گی اور صحیح نہیں ہے۔ (۱)

غیر مقلد عالم قاضی شوکانی نے بھی اعتراف کیا ہے: امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباسؓ کے تمام شاگردوں نے حضرت ابن عباسؓ سے طاؤس کے برخلاف روایت کیا ہے۔ سعید بن جبیرؒ ‘ مجاہدؒ

۱۔ سنن کبریٰ ج ۷ ص ۳۳۷‘ مطبوعہ نشر السنۃ‘ ملتان)

اورنافعؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کے برخلاف روایت کی ہے۔ (۱)
اور چونکہ "صحیح مسلم" کی یہ روایت طاؤس کے وہم پر مبنی ہے اس لیے صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ پر عہد رسالت کے معمول کی مخالفت اور تمام صحابہ پر مداہنت کی تہمت لگانے سے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ایک معقول وجہ (طاؤسؒ کے وہم) کی بنیاد پر اس حدیث کو مسترد کر دیا جائے۔
پیر محمد کرم شاہ صاحب نے لکھا ہے: نیز اصول فقہ کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ "اعتبار راوی کی روایت کا ہے نہ کہ اس کی رائے کا" اس کے بارے میں گزارش ہے کہ عام راویوں کے بارے میں بیشک ایسا ہی ہے لیکن جب صحابی رسول کسی حدیث کی روایت کریں اور ان کا عمل یا فتوی اس حدیث کے خلاف ہو تو پھر دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں یا تو یہ روایت صحیح نہیں یا اس صحابی کے نزدیک منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ صحابی رسول سے یہ متصور نہیں کہ وہ ایک حدیث بیان کرے اور عمل اس کے خلاف کرے۔ کتب صحاح میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے، اور امام طحاویؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی، انھوں نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔ اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام طحاویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا، پھر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بعد اس کو ترک کر دیا اور یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ ان کے نزدیک کسی دلیل سے رفع یدین منسوخ ہو چکا ہو۔ (۲)
ضروری ہے اور خود تین مرتبہ دھوتے تھے۔ امام طحاوی لکھتے ہیں کہ ہم حضرت ابوہریرہ (رض) کے ساتھ

۱۔(نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۲، مطبوعہ مکتبہ الکایات الازہریہ قاہرہ، ۱۳۹۸ھ)
۲۔(امام ابوجعفر احمد بن الطحاوی الحنفی متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۳۳، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ)

جب صحابی رسول کا عمل یا فتوی اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس روایت کی نسبت اس صحابی کی طرف صحیح نہیں ہے، یا پھر اس روایت میں کوئی تاویل ہے۔ علامہ پرہاروی لکھتے ہیں:

راوی کا عمل جب حدیث کے خلاف ہو تو یہ اس حدیث کی صحت میں طعن کا موجب ہے، یا اس حدیث کے منسوخ ہونے پر دلیل ہے یا پھر اس حدیث میں تاویل ہے اور اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے۔ [۱]

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث جس کو طاؤسؒ نے بیان کیا ہے ایسی ہی ہے، قوی ترین بات یہ ہے کہ چونکہ یہ طاؤس کا وہم ہے اس لیے صحیح اور ثابت نہیں ہے۔ جمہور فقہاء اسلام نے اس کو منسوخ قرار دے کر بھی جواب دیا ہے اور اس کا ظاہری معنی چھوڑ کر تاویل بھی کی ہے، عنقریب ہم بعض تاویلات کا ذکر کریں گے۔

پیر محمد کرم شاہ صاحب نے اس بحث میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) طواف میں رمل کرتے تھے اور ان کا قول یہ ہے کہ رمل سنت نہیں ہے"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رمل کے معاملہ میں حضرت ابن عباس کی رائے جمہور کے خلاف ہے اور تین طلاقوں کے مسئلہ میں ان کی روایت دیگر احادیث اور جمہور کے موافق ہے، اور ان کی منفرد رائے کو ترک کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی جو روایت جمہور کے موافق ہو اس کو بھی ترک کر دیا جائے۔

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر راوی کا عمل اور فتوی اس کی روایت کے خلاف ہو تو غیر مقلدین اور شوافع کا وہی مسلک ہے جو پیر محمد اکرم شاہ صاحب نے "فتح الباری" کے حوالے سے بیان کیا ہے اور "نیل الاوطار" میں بھی مشہور غیر مقلد عالم قاضی شوکانی نے ایسا ہی لکھا ہے۔ [۲]

۱۔(النبراس ص ۲۳، مطبوعہ شاہ عبدالحق اکیڈمی، بندیال، الطبعۃ الاولی، ۱۳۹۷ھ)

۲۔(قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی: ۱۲۵۰ھ نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۲، مطبوعہ مکتبۃ الکلیات الازھریہ، قاہرہ، ۱۳۹۸ھ)

اورحق اورصواب احناف اور مالکیہ کانظریہ ہے جس کوہم نے امام طحاوی اورعلامہ پرہاروی کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

صحیح مسلم میں درج طاؤس ؒ کی روایت کے غلط اورشاذ ہونے پرمزید دلائل:

طاؤس ؒ کی اس روایت کے وہم اورغلط ہونے پرایک اورواضح قرینہ یہ ہے کہ خودطاؤس کافتوی بھی اس روایت کے خلاف تھا' طاؤس یہ کہتے تھے کہ اگرغیرمدخولہ کوایک مجلس میں تین لفظوں کے ساتھ تین طلاقیں دی جائیں تو یہ ایک طلاق ہوگی (کیونکہ وہ پہلی طلاق کے بعد بائنہ ہوجاتی ہے اوربعد کی طلاقوں کامحل نہیں رہتی) طاؤس مدخولہ کی تین طلاقوں کوایک طلاق نہیں قرار دیتے تھے۔امام ابن ابی شیبہؒ روایت کرتے ہیں: لیثؒ بیان کرتے ہیں کہ طاؤسؒ اورعطاءؒ کہتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو مقاربت سے پہلے تین طلاقیں دے تووہ ایک طلاق ہوگی۔ (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ طاؤسؒ مطلقا تین طلاقوں کوایک نہیں کہتے تھے اس لیے طاؤس کی یہ روایت جس کوامام مسلمؒ نے بیان کیا ہے وہم اورمغالطہ سے خالی نہیں ہے۔

علامہ ماردینیؒ،طاؤسؒ کی اس روایت پرتبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ ابن عبدالبرؒ(صاحب"استذکار") نے کہا ہے کہ طاؤسؒ کی یہ روایت وہم اورغلط ہے۔علماء میں سے کسی نے اس کوقبول نہیں کیا۔حضرت ابن عباسؓ سے طاؤسؒ کی یہ روایت اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ثقہ راویوں نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کے خلاف روایت کیا ہے۔ (۲)

نیزعلامہ ابوجعفربن نحاس"کتاب الناسخ والمنسوخ" میں لکھتے ہیں کہ طاؤسؒ ہرچندکہ نیک شخص ہیں

۱۔(المصنف ج ۵ ص ۲۶ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ۱۴۰۶ھ)

۲۔(الجوہرالنقی علی ھامش البیہقی ج ۷ ص ۳۳۸۔۳۳۷' مطبوعہ نشرالسنۃ' ملتان)

لیکن وہ حضرت ابن عباسؓ سے بہت سی روایات میں متفرد ہیں' اہل علم ان روایات کو قبول نہیں کرتے' ان روایات میں سے ایک روایت وہ بھی ہے جس میں انھوں نے حضرت ابن عباسؓ سے تین طلاقوں کے ایک ہونے کی روایت کی ہے' لیکن حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ سے صحیح روایت یہی ہے کہ تین طلاقیں' تین ہی ہوتی ہیں۔

طاؤسؒ کی روایت کا صحیح محمل:

جمہور فقہاء اسلام نے اولاً تو اس حدیث کے فنی سقم کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کیا' ثانیاً بر سبیل تنزل اس میں تاویل کی اور کہا کہ دور رسالت اور دور صحابہ میں لوگ تاکید کی نیت سے تین بار طلاق دیتے تھے' بعد میں حضرت عمرؓ کے دور میں لوگوں نے تین طلاق دینے کی نیت سے تین بار طلاق کہنا شروع کر دیا اس لیے حضرت عمرؓ نے ان کی نیت کے اعتبار سے ان تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دیا۔ ان جوابات سے واضح ہو گیا کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کسی امر کو نہیں بدلا بلکہ اسی چیز کو نافذ کیا ہے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث سے ثابت ہے' امام ترمذیؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت رکانہؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی ہے۔ آپ نے فرمایا: تم نے طلاق البتہ سے کیا مراد لیا تھا؟ میں نے کہا: ایک طلاق! آپ نے فرمایا: قسم بخدا! میں

نے کہا: قسم بخدا! آپ نے فرمایا: پس یہ وہی طلاق ہے جس کا تم نے ارادہ کیا ہے یعنی ایک۔ [۱]

اس حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقوں کا ارادہ کیا جائے تو یہ جائز ہے کیونکہ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت رکانہؓ سے یہ ایک عبارت سے صرف ایک طلاق ہوتی ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حضرت رکانہؓ سے طلاق کی تعداد کا دریافت کرنا اور ان کی مراد پر قسم لینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقیں موثر ہو جاتی ہیں اور حضرت عمرؓ نے جو فیصلہ نافذ کیا وہ اس حدیث کے مطابق تھا اور جمہور فقہاء اسلام کا نظریہ بھی اسی حدیث کے تابع ہے۔

حضرت رکانہؓ سے متعلق مسند احمد کی روایت کے فنی اسقام:

شیخ ابن تیمیہؒ نے حضرت رکانہؓ سے متعلق ایک دوسری روایت "مسند احمد" کے حوالے سے ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت رکانہؓ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو ایک طلاق قرار دیا اور انھیں رجوع کرنے کا حکم دیا۔ شیخ ابن تیمیہ نے "مسند احمد" کی اس حدیث کو جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن ابوداؤد کی مذکورہ الصدر روایت پر ترجیح دی ہے۔ لیکن شیخ ابن تیمیہ کا جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابوداؤد کی روایت پر مسند احمد کو ترجیح دینا عدل وانصاف سے

۱۔(امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۸۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) اس حدیث کو امام ابوداؤد نے تین اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ۲(امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان، لاہور ۱۴۰۵ھ) امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ۳(امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۴۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

سخت بعید ہے، کیونکہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ "مسند احمد" میں صرف احادیث صحیحہ کو جمع کرنے کا التزام نہیں کیا گیا، اس میں ضعیف، حسن صحیح ہر قسم کی احادیث ہیں برخلاف جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابوداؤد کے، کیونکہ یہ ان کتب احادیث میں سے ہیں جن میں احادیث صحیحہ جمع کرنے کا التزام کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابوداؤد کو صحاح ستہ میں شمار کیا جاتا ہے اور مسند احمد کو صحاح ستہ میں شمار نہیں کیا جاتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ابوداؤد کے علم میں بھی مسند احمد کی یہ روایت تھی جس میں طلاق البتہ کی بجائے تین طلاقوں کا ذکر ہے، لیکن انھوں نے اس روایت کو اپنی کتاب میں درج نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی: "ھذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانۃ طلق امراتہ ثلاثا لانھم اھل بیتہ وھم اعلم بہ۔" [1]

یہ حدیث ابن جریجؒ کی روایت کی بہ نسبت صحیح ہے جس میں ہے کہ حضرت رکانہؓ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں کیونکہ اس حدیث کی روایت حضرت رکانہ کے اہل بیت سے ہے اور وہ اپنے گھر کے واقعات کو دوسروں کی نسبت زیادہ جاننے والے تھے'۔ امام ابوداؤدؒ نے اپنی تینوں احادیث یزید بن رکانہ سے روایت کی ہیں، اسی طرح امام ترمذی نے بھی یزید بن رکانہ کی روایت سے حدیث بیان کی ہے، اس کے برخلاف امام احمد نے "مسند احمد" میں ابن جریج سے حضرت رکانہ کی روایت بیان کی ہے اور یہ بالکل معقول اور انصاف کی بات ہے کہ حضرت رکانہ کے گھر کا واقعہ وہی درست ہوگا جو ان کے بیٹے نے بیان کیا ہے اور ان کے بیٹے کی روایت کے خلاف اگر کسی غیر متعلق شخص نے کوئی واقعہ بیان کیا ہے تو وہ درست قرار نہیں دیا جائے گا۔

۱۔ (امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج۱ ص ۳۰۱ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور ۱۴۰۵ھ)

شیخ ابن تیمیہ نے البتہ والی روایت کو مرجوح قرار دینے کے لیے کسی کتاب کا حوالہ دیئے بغیر لکھا ہے:
امام احمد بن حنبل، امام بخاری، ابوعبید اور ابومحمد بن حزم نے البتہ والی روایت کو ضعیف قرار دیا اور بیان کیا ہے کہ اس کے راوی مجہول ہیں، ان کی عدالت اور ضبط کا حال معلوم نہیں ہے۔ (۱)

امام احمد بن حنبلؒ چونکہ اس روایت کو اپنی کتاب میں درج کرنے والے ہیں اس لیے وہ ایک فریق کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا اگر ان کی تضعیف بالفرض ہو بھی تو خارج از بحث ہے اور ابن حزم کا حوالہ دینا، شیخ ابن تیمیہ کی مغالطہ آفرینی ہے۔ شیخ ابن حزم نے "سنن ابوداؤد" کی ایک اور روایت کو بعض بنی ابی رافع کی وجہ سے مجہول لکھا ہے جس کا ذکر باحوالہ آگے آرہا ہے۔ رہے امام بخاری تو ان کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انھوں نے البتہ والی روایت کی تضعیف کی ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ امام بخاری نے "مسند احمد" والی روایت کو مضطرب اور معلل قرار دیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔ (۲)

اور علامہ ابن عبدالبرؒ نے اس کو "تمہید" میں ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ "مسند احمد" والی حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس کی سند کا ایک راوی ابن اسحاق مجروح ہے اور دوسرا راوی داؤد اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ امام ابن حبان نے کہا ہے کہ اس کی روایات سے اجتناب کرنا واجب ہے اور البتہ والی (صحاح ستہ کی) روایت صحت کے قریب ہے اور "مسند احمد" والی روایت میں راویوں کی غلطی ہے۔ (۳)

علامہ ابوبکر رازی جصاصؒ نے "مسند احمد" کی اس روایت کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث

۱۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۳۳ ص ۱۵، مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز آل السعود)
۲۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۴ھ التلخیص الحبیر ج ۴ ص ۱۲۵۵، نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)
۳۔ (العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیہ ج ۲ ص ۱۵۱، مطبوعہ ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد)

منکر ہے۔ (۱)

علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ رکانہ کی حدیث منکر ہے اور صحیح روایت وہ ہے جو ابوداؤدؒ ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی۔ (۲)

حضرت رکانہ سے متعلق صحاح کی روایت کی تقویت:

شیخ ابن تیمیہ نے حضرت رکانہ کی البتہ والی روایت پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث کے راوی مجہول ہیں اور ان کی عدالت اور ضبط کا حال معلوم نہیں ہے۔ شیخ ابن تیمیہ کی یہ بات بھی عدل و انصاف اور حقیقت اور صداقت سے بہت دور ہے یہ حدیث ترمذی' ابن ماجہ اور داؤد میں ہے' امام ابوداؤد نے اس کو تین مختلف سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اختصار کے پیش نظر ہم صرف امام ترمذی کی سند کے راویوں کی عدالت اور ضبط کا حال بیان کر رہے ہیں۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو از ھناد از قبیصہ از جریر بن حازم از زبیر بن سعید از عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ بیان کیا ہے۔ سند کے پہلے راوی ھناد ہیں' ان کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل نے کہا: تم ھناد کو لازم رکھو' ابوحاتم نے کہا: وہ بہت سچے ہیں' قتیبہؒ نے کہا: میں نے دیکھا کہ وکیعؒ 'ھنادؒ سے زیادہ کسی کی تعظیم نہیں کرتے تھے' امام نسائیؒ نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں' امام ابن حبان نے بھی ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۳)

اس سند کے دوسرے روای قبیصہ ہیں' ان کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ حافظ ابوزرعہؒ سے

۱۔(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

۲۔(فتح القدیر ج ۳ ص ۲۳۱' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

۳۔(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۷۱' مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف' ہند ۱۳۲۵ھ)

قبیصہ اور ابونعیم کے بارے میں پوچھ گیا تو انھوں نے کہا: ان دونوں میں قبیصہ افضل ہیں' ابن حاتم کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے قبیصہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: وہ بہت سچے ہیں' اسحاق بن یسار نے کہا: میں نے شیوخ میں سے قبیصہ سے بڑھ کر کوئی حافظ نہیں دیکھا' امام نسائی نے کہا: ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں اور امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۱)

اس حدیث کے تیسرے راوی ہیں: جریر بن حازم ان کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حماد جتنی تعظیم جریر بن حازم کی کرتے تھے کسی اور کی نہیں کرتے تھے' عثمان دارمی نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ یہ ثقہ ہیں دوری کہتے ہیں: میں نے یحییٰ سے پوچھا کہ جریر بن حازم اور ابوالاشہب میں کس کی روایت بہتر ہے؟ انھوں نے کہا: جریر کی روایت احسن اور اسند ہے۔ ابوحاتم نے کہا: یہ بہت سچے اور نیک ہیں۔ (۲)

اس حدیث کے چوتھے راوی زبیر بن سعید ہیں' ان کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: دوری نے ابن معینؒ سے نقل کیا کہ یہ ثقہ ہیں' دارقطنیؒ نے کہا: یہ معتبر ہیں' اور امام ابن حبانؒ نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۳)

اس حدیث کے پانچویں راوی ہیں: عبداللہ بن یزید بن رکانہؓ یہ خود حضرت رکانہ کے اہل بیت سے ہیں امام ابن حبانؒ نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۴)

۱۔(تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۴۹۔۳۴۸' مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف' ہند' ۱۳۲۵ھ)
۲۔(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۷۰' مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف' ہند' ۱۳۲۵ھ)
۳۔(تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۱۵' مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف' ہند' ۱۳۲۵ھ)
۴۔(حافظ بن حبان تمیمی متوفی ۳۵۴ھ' کتاب الثقات ج ۷ ص ۱۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۱ھ)

اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کو مقرر رکھا ہے۔ (۱)

حضرت رکانہؓ سے متعلق ’’سنن ابوداؤد‘‘ کی ایک شاذ روایت کے ضعف کا بیان:

پیر محمد کرم شاہ صاحب نے ’’سنن ابوداؤد‘‘ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ جس میں ہے:
حضرت عبد یزید ابو رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: تم اپنی بیوی ام رکانہ سے رجوع کرلو۔ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے تو اسے تین طلاقیں دے دی ہیں، آپ نے فرمایا: میں جانتا ہوں، تم اس سے رجوع کرلو۔ (۲)

اس حدیث سے پیر صاحب کا استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس کی سند میں بعض بنی ابی رافع موجود ہیں، جو مجہول ہیں۔ غیر مقلدین کے بہت بڑے عالم شیخ ابن حزم اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ (شیخ ابن تیمیہ نے ’’سنن ابوداؤد‘‘ کی جس حدیث کے بارے میں ابن حزم کا حوالہ دیا تھا، وہ اصل میں یہ حدیث ہے)

ہمارے علم میں اس حدیث کے سوا ان لوگوں کی اور کوئی دلیل نہیں ہے، اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ ابو رافع کی اولاد میں سے جس شخص سے یہ روایت ہے اس کا نام لیا گیا، اور مجہول راوی کی روایت دلیل نہیں ہوسکتی۔ (۳)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ’’مستدرک‘‘ کی بعض روایات میں بعض بنی ابی رافع کی تعیین محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع سے کردی گئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع کے

۱۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۲۵، مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف، ہند ۱۳۲۵ھ)
۲۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۹۔ ۲۹۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان، لاہور ۱۴۰۵ھ)
۳۔ (المحلی ج ۱۰ ص ۱۶۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۵۲ھ)

بارے میں لکھتے ہیں امام بخاریؒ نے کہا: یہ منکر الحدیث ہے۔ ابن معین نے کہا: یہ "لیس بشیء" ہے ابو حاتم نے کہا: یہ ضعیف الحدیث، منکر الحدیث اور ذاہب الحدیث ہے۔ ابن عدی نے کہا: یہ کوفہ کی شیعہ میں سے ہے اور فضائل میں اس نے ایسی روایات بیان کی ہیں جن کا کوئی مطابع نہیں ہے، ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا۔ برقانی نے دارقطنیؒ سے روایت کیا کہ یہ متروک ہے یاد رہے کہ امام بخاری نے فرمایا ہے: جس شخص کے بارے میں میں یہ کہوں کہ یہ منکر الحدیث ہے اس سے روایت کرنا صحیح نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ملحوظ رہنی چاہیے کہ امام ابن عدیؒ نے اس کو شیعہ لکھا ہے اور تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا شیعہ حضرات کا مسلک ہے۔ [۱]

اس روایت کی سند اس پائے کی نہیں ہے، جس سے حلال اور حرام کے مسئلہ میں استدلال ہو سکے، خصوصا جبکہ اس روایت سے وہ چیز حلال ہو رہی ہو جو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی صراحت سے حرام ہو چکی ہو اور ائمہ اربعہ اور جمہور مسلمین کا اس کی حرمت پر اتفاق ہو۔

شیخ ابن تیمیہؒ اور ان کے حامیوں کے پاس تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے لیے صرف یہ تین روایات تھیں: ایک صحیح مسلم کی روایت جو طاؤس کا وہم اور شاذ روایت ہے، دوسری "مسند احمد" کی روایت جو مضطرب، منکر، معلل اور ضعیف روایت ہے، تیسری "سنن ابوداؤد" کی یہ روایت جو مجہول، منکر اور متروک کی روایت ہے۔ واللہ اعلم

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا: یعنی یہ تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم انھیں اس قدر تنگی اور مشکل میں مبتلا کر دو کہ وہ تم سے جان چھڑانے کے لیے تمہارے دیے ہوئے مہر یا اس کے

۱۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۲۱، مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف، ہند، ۱۳۲۵ھ)

کچھ حصے کو بطور فدیہ دینے کے لیے مجبور ہوجائیں، ارشاد فرمایا: (وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ)[النساء:١٩] "اور نہ انھیں اس لیے روک رکھو کہ تم نے انھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو، مگر اس صورت میں کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کا ارتکاب کریں۔" اور فرمایا: (فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا)[النساء:٤] "پھر اگر وہ اس میں سے کوئی چیز تمھارے لیے چھوڑنے پر دل سے خوش ہوجائیں تو اسے کھالو، اس حال میں کہ مزے دار، خوشگوار ہے۔"

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ: اس میں خلع کا بیان ہے، یعنی عورت خاوند سے علیحدگی حاصل کرنا چاہے اور خاوند طلاق دینے پر تیار نہ ہو تو عورت جان چھڑانے کے لیے اپنا مہر یا خاوند بیوی کے درمیان جو بھی آپس میں یا حاکم کی عدالت میں طے ہوجائے بطور فدیہ دے کر اپنی جان چھڑا لے، پھر خواہ خاوند خود ہی فدیہ لے کر اسے چھوڑ دے، یا اگر وہ اس پر تیار نہ ہو تو حاکم اسے فدیہ لے کر چھوڑنے کا حکم دے، اگر وہ نہ مانے تو عدالت نکاح فسخ کر دے۔ چونکہ یہ درحقیقت طلاق نہیں بلکہ عورت کی طرف سے علیحدگی کا مطالبہ ہے، اس لیے اسے خلع کہتے ہیں۔ اس کی عدت ایک حیض ہے۔

بلاوجہ خلع کا مطالبہ شریعت میں نہایت ناپسندیدہ عمل ہے، جیسا کہ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو عورت بلاوجہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔"[1]

۱۔[ترمذی، کتاب الطلاق واللعان، باب ما جاء فی المختلعات:١١٨٧۔ مستدرک حاکم:٢٠٠/٢، ح:٢٨٠٩]

حبیبہ بنت سہل انصاریہؓ سے روایت ہے، وہ ثابت بن قیسؓ کے عقد میں تھیں، ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صبح کے وقت گھر سے باہر تشریف لائے تو آپ نے اندھیرے میں اسے دروازے کے پاس پایا تو فرمایا: "یہ کون ہے؟" انھوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! میں حبیبہ بنت سہل ہوں۔ آپ نے فرمایا: "کیا بات ہے؟" انھوں نے اپنے شوہر کا نام لیتے ہوئے عرض کی، اے اللہ کے رسول! میں اور ثابت بن قیس (رض) اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ جب ان کے شوہر ثابت بن قیسؓ آئے تو آپ نے فرمایا: "یہ حبیبہ بنت سہل ہیں، انھوں نے یہ بات کی ہے۔" حبیبہؓ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! انھوں نے جو مجھے (مہر) دیا تھا، وہ سب میرے پاس موجود ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ثابت بن قیس سے فرمایا: "اپنا مال ان سے لے لو۔" چنانچہ ثابتؓ نے اپنا مال لے لیا اور یہ اپنے والدین کے گھر میں بیٹھ گئیں۔ [۱]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس بن شماسؓ کی بیوی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ان کے اخلاق اور دین کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں، لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا تم ان کا باغ واپس کر دو گی؟" اس نے عرض کی، جی ہاں! تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ثابت سے فرمایا: "اپنا باغ لے لو اور اسے طلاق دے دو۔" [۲]

ربیع بنت معوذ بن عفراءؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد میں خلع حاصل کیا تھا تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ ایک حیض تک عدت

۱۔[أبوداوٗد، کتاب الطلاق، باب فی الخلع: ۲۲۲۷۔ نسائی، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی الخلع: ۳۴۹۲]

۲۔[بخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ۔۔ الخ: ۵۲۷۳]

گزارے۔ (۱)

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَنْ يَّتَرَاجَعَآ إِنْ ظَنَّآ أَنْ يُّقِيمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٠﴾ ﴾

پس اگر وہ اس کو (تیسری) طلاق دے دے تو وہ عورت اس کے بعد اس کے لیے جائز نہیں جب تک وہ اس کے سوا کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ پھر اگر وہ (دوسرا شوہر) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ رجوع کرلیں (آپس میں نکاح کرلیں) اگر یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کی حدود پر قائم رہ سکتے ہیں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں' وہ ان کو واضح کر رہا ہے ان لوگوں کے لیے جو جاننا چاہتے ہیں۔

شانِ نزول

ابن منذرؒ نے مقاتل بن حیانؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عائشہ بنت عبدالرحمن عتیک ؓ کے بارے میں اتری ہے وہ اپنے چچازاد بھائی رفاعہ بن وہب بن عتیک ؓ کے نکاح میں تھیں، رفاعہ نے ان کو طلاق

۱۔[ترمذی، کتاب الطلاق واللعان، باب ماجاء فی الخلع: ۱۱۸۵]

بائنہ دے دی تھی،

اس کے بعد انھوں نے عبدالرحمن بن زبیر قرظیؓ سے شادی کرلی، انھوں نے بھی ان کو طلاق دے دی یہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ عبدالرحمن نے صحبت کرنے سے پہلے ہی مجھے طلاق دے دی ہے تو کیا اب میں پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہوں آپ نے فرمایا نہیں تاوقتیکہ وہ تم سے ہم بستری کرے اور یہ آیت نازل ہوئی (آیت) ”فان طلقھا“۔(الخ) یعنی تیسری طلاق کے بعد دوسرے خاوند سے نکاح اور ہمبستری کیے بغیر پہلے خاوند کے لیے اس عورت کا نکاح کرنا حلال نہیں۔ [۱]

بیک وقت دی گئی طلاقوں کے تین ہونے پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ دو طلاقوں کے بعد بھی خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چاہے تو ان طلاقوں سے رجوع کرلے اور چاہے تو رجوع نہ کرے لیکن: (آیت) ”فان طلقھا فلاتحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ“۔(البقرہ: ۲۳۰) ترجمہ: پس اگر اس نے اس کو ایک اور طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہے تاوقتیکہ وہ کسی اور شخص سے نکاح کرے۔ اس آیت سے پہلے ”الطلاق مرتان“ کا ذکر ہے یعنی طلاق رجعی دو مرتبہ دی جاسکتی ہے' اس کے بعد ”فان طلقھا“ فرمایا: اس کے شروع میں حرف ”فا“ ہے جو تعقیب بلا مہلت کے لیے آتا ہے اور اب قواعد عربیہ کے اعتبار سے معنی یہ ہوا کہ دو رجعی طلاقیں دینے کے بعد خاوند نے اگر فوراً تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس مرد کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ شرعی قاعدہ کے مطابق کسی اور مرد کے ساتھ نکاح نہ

۱۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

کرے، اس آیت میں اگر حرف "ثم" یا اس قسم کا کوئی اور حرف ہوتا جو مہلت اور تاخیر پر دلالت کرتا تو علی التعیین یہ کہا جا سکتا تھا کہ ایک طہر میں ایک طلاق اور دوسرے طہر میں دوسری طلاق اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دی جائے گی، لیکن قرآن مجید میں "ثم" کی بجائے "فا" کا ذکر کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند نے دو طلاقیں دینے کے بعد فوراً تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں رہے گی۔ قرآن مجید نے "الطلاق مرتان" فرمایا ہے یعنی دو مرتبہ طلاق دی جائے اور دو مرتبہ طلاق دینا اس سے عام ہے کہ ایک مجلس میں دو مرتبہ طلاق دی جائے یا دو طہروں میں دو مرتبہ طلاق دی جائے اور اس کے بعد فوراً اگر تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اس سے واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں تین بار طلاق دی اور بیوی سے کہہ دیا: میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی تو یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ غیر مقلدوں کے مشہور، مستند اور ان کے بہت بڑے عالم شیخ ابن حزم اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں: یہ آیت بیک وقت دی گئی تین طلاقوں اور الگ الگ دی گئی طلاقوں دونوں پر صادق آتی ہے اور اس آیت کو بغیر کسی نص کے طلاق کی بعض صورتوں کے ساتھ خاص کرنا جائز نہیں۔ (1)

قرآن مجید کی اس آیت سے بھی جمہور فقہاء اسلام کا استدلال ہے: (آیت) "اذا نکحتم المؤمنت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا"۔ (الاحزاب: ۴۹) ترجمہ: جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر ان کو مقاربت سے پہلے طلاق دے دو، تو ان پر تمہارے لیے کوئی عدت نہیں جس کو تم گنو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مدخولہ کو طلاق دینے کا ذکر فرمایا ہے اور طلاق دینے کو اس

۱۔(المحلی ج ۱۰ ص ۱۷، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۵۲ھ)

سے عام رکھا ہے کہ بیک وقت اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں یا الگ الگ طلاقیں دی جائیں اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مطلق اور عام رکھا ہو اس کو اخبار آحاد اور احادیث صحیحہ سے بھی مقید اور خاص نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ ماوشما کی غیر معصوم آراء اور غیر مستند اقوال سے اس کو مقید کیا جا سکے۔ دوسری آیت اور سنت نبوی ان کے اطلاق کو مقید کر دیا ہے' اور ان کے احکام اور شرائط کو بیان کر دیا ہے' نیز ان آیات میں ایک ساتھ طلاق دینے کی بھی تو کہیں تصریح نہیں۔ (۱)

قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ بیک وقت اجتماعی طور پر دی گئی تین طلاقین ایک ہوں گی جس کو اس آیت کے عموم کی تخصیص پر قرینہ بنایا جا سکے نہ کسی حدیث صحیح میں یہ تصریح ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ناراضگی کا موجب ہے اور بدعت اور گناہ ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے' اور سنت طریقہ الگ الگ طہروں میں تین طلاقیں دینا ہے لیکن اس میں گفتگو نہیں ہے' گفتگو اس میں ہے کہ اگر کسی شخص نے خلاف سنت طریقہ سے بیک وقت تین طلاقیں دے دیں تو آیا وہ نافذ ہوں گی یا نہیں! البتہ بکثرت احادیث اور آثار سے یہ ثابت ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جائیں گی' جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا۔ غیر مقلدوں کے امام ثانی ابن حزم اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں: اس آیت میں عموم ہے اور تین دو اور ایک طلاق دینے کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔ (۲)

جمہور فقہاء اسلام نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے: (آیت) "للمطلقت متاع بالمعروف"۔ (البقرہ:۲٤۱) ترجمہ: مطلقہ عورتوں کو رواج کے مطابق متاع (کپڑوں کا جوڑا) دینا چاہیے۔ شیخ ابن

۱۔(دعوت فکر ونظر مع ایک مجلس کی تین طلاقیں ص ۲۲٤' مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۹ء)
۲۔(المحلی ج ۱۰ ص ۱۷۹' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۵۲ھ)

حزم اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کو عام رکھا ہے خواہ وہ ایک طلاق سے مطلقہ ہو یا دو سے یا تین سے اور ان میں سے کسی کے ساتھ اس کو خاص نہیں کیا۔ ۔۔ (۱)

اس آیت میں مطلقہ عورتوں کو متعہ (کپڑوں کا جوڑا) دینے کی ہدایت کی ہے خواہ وہ عورتیں تین طلاقوں سے مطلقہ ہوں یا دو طلاقوں سے مطلقہ ہوں یا ایک سے اور کسی ایک طلاق کے ساتھ مطلقہ کی تخصیص نہیں فرمائی‘ یہی چیز شیخ ابن حزم نے بیان کی ہے۔ قرآن مجید میں طلاق کے عموم اور اطلاق کی اور بھی آیات ہیں لیکن ہم بغرض اختصار انہی آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں پر جمہور فقہاء اسلام کے احادیث سے دلائل: امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! یہ بتلایئے کہ ایک شخص اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو دیکھ لے تو اس کو قتل کر دے یا کیا کرے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں قرآن مجید میں لعان کا مسئلہ ذکر فرمایا‘ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تیرے اور تیری بیوی کے درمیان اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا‘ حضرت سہلؓ کہتے ہیں کہ ان دونوں نے میرے سامنے مسجد میں لعان کیا‘ جب وہ لعان سے فارغ ہو گئے تو اس شخص نے کہا: اب اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو میں خود جھوٹا ہوں‘ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم سے پہلے لعان سے فارغ ہوتے ہی اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں‘ اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کر لی‘ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب لعان کرنے

۱۔ (المحلی ج ۱۰ ص ۱۷۰‘ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ‘ ۱۳۵۲ھ)

والوں کے درمیان یہ تفریق ہے۔ ابن شہاب ؒ کہتے ہیں: اس کے بعد یہ طریقہ مقرر ہو گیا کہ سب لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے۔ (۱)

علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی ؒ کی "شرح مسلم" کے حوالے سے لکھتے ہیں: اس نے اس لیے تین طلاقیں دی تھیں کہ اس کا گمان یہ تھا کہ لعان سے اس کی بیوی حرام نہیں ہوئی تو اس نے کہا: اس کو تین طلاقیں۔ (۲)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ بات معروف اور مقرر تھی کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے اس شخص نے اپنی بیوی سے تفریق اور تحریم کے لیے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے اس کو تین طلاقیں دیں، اگر ایک مجلس میں تین طلاقیں سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی تو اس صحابی کا یہ فعل عبث ہوتا اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسے فرماتے: بیک وقت تین طلاقوں سے تمہاری مفارقت نہیں ہوگی۔ اس سلسلے میں امام بخاری ؒ نے یہ حدیث بھی روایت کی ہے: حضرت سہل ؓ کہتے ہیں کہ ان دونوں نے مسجد میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے لعان کیا درآں حالیکہ میں بھی لوگوں کے ساتھ تھا۔ حضرت عویمر ؓ نے کہا: یا رسول اللہ! اب اگر میں نے اس کو اپنے پاس رکھا تو میں جھوٹا ہوں پھر حضرت عویمر ؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم دینے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ (۳)

۱۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

۲۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۵۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

۳۔ (صحیح بخاری ج ۴ ص ۸۰۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، الطبعۃ الاولی، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ (۱)

علامہ نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک نفس لعان سے تفریق ہو جاتی ہے اور محمد بن ابی صفرہ مالکی نے کہا ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی' ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر نفس لعان سے تفریق ہوتی تو حضرت عویمرؓ اس کو تین طلاقیں نہ دیتے اور شوافع نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا مباح ہے۔ (۲)

بخاری اور مسلم کی اس حدیث سے یہ بات بہر حال واضح ہوگئی کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان یہ بات معروف اور متفق علیہ تھی کہ تین طلاقوں سے تفریق اور تحریم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد رجوع جائز نہیں ہے ورنہ حضرت عویمرؓ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے تفریق کے قصد سے اپنی بیوی کو لفظ واحد سے تین طلاقیں نہ دیتے۔ اس واقعہ میں "سنن ابوداؤد" کی درج ذیل حدیث نے مسئلہ بالکل واضح کر دیا ہے۔ حضرت سہل بن سعدؓ اس واقعہ میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمرؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ (۳)

اس حدیث میں اس بات کی صاف تصریح ہے کہ حضرت عویمرؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۱۔(امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم ج۱ ص۴۸۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ) امام نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے ۲ (امام عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی ج۲ ص۱۸۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی) اور ابوداؤد میں بھی ہے۔

۲۔(صحیح مسلم ج۱ ص۴۸۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

۳۔(سنن ابوداؤد ج۱ ص۳۰۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

کے سامنے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن ابوداؤد میں حضرت عویمرؓ کے اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد کسی انصاف پسند شخص کے لیے اس مسئلہ میں تردد کی گنجائش نہیں رہنی چاہیے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین۔ جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ تین طلاقیں اگر بیک وقت دی جائیں تو تینوں واقع ہو جاتی ہیں، علامہ ابوبکر جصاصؒ اور علامہ سرخسیؒ نے اس استدلال کا رد نہیں کیا، بلکہ یہ کہا ہے کہ احناف کے نزدیک بیک وقت تین طلاقین دینا گناہ ہے اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا مباح ہے اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر بیک وقت تین طلاقیں دینا گناہ ہوتا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت عویمر عجلانیؓ کے تین طلاقیں دینے پر انکار فرماتے اور آپ کا انکار نہ فرمانا بیک وقت تین طلاقوں کے مباح ہونے کی دلیل ہے۔ علامہ ابوبکر الجصاصؒ اور علامہ سرخسیؒ نے ان کے اس استدلال کا رد فرمایا ہے۔ اب ہم پہلے علامہ ابوبکر الجصاصؒ کی اصل عبارت ذکر کرتے ہیں علامہ ابوبکر الجصاص الرازی فرماتے ہیں: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب شارع (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین طلاقیں بیک وقت دینے سے منع فرمایا تو اس سے ثابت ہوا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا مباح ہے۔ (علامہ جصاص فرماتے ہیں) اس حدیث سے امام شافعی کا استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ عورت کے لعان سے پہلے خاوند کے لعان کرنے سے تفریق ہو جاتی ہے اور عورت اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور اس کے بعد طلاق لاحق نہیں ہوتی، اور جب طلاق واقع ہوئی نہ اس کا حکم ثابت ہوا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کا کیسے انکار فرماتے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ تمہارے یعنی

احناف کے مذہب پر اس حدیث کی کیا توجیہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ طلاق دینے کا طریقہ اور وقت مقرر کرنے سے پہلے کا واقعہ ہو اور ایک طہر میں تین طلاقوں کو جمع کرنے کی ممانعت سے پہلے انھوں نے تین طلاقیں دیں ہوں۔ [1]

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ علامہ جصاص کی بحث اس بات میں ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا ممنوع ہے یا مباح ہے اس میں بحث نہیں ہے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد ایک طلاق واقع ہوتی ہے یا تین۔ اب ہم آپ کے سامنے علامہ سرخسی کی اصل عبارت پیش کر رہے ہیں، علامہ سرخسی فرماتے ہیں: امام شافعیؒ نے فرمایا تین طلاقوں کے جمع کا بدعت ہونا اور ان کو الگ الگ دینے کا سنت ہونا، میں نہیں جانتا، بلکہ سب طرق طلاق دینا مباح ہے اور بسا اوقات کہتے ہیں کہ تین طلاقوں کو جمع کر کے دینا سنت ہے حتی کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تم کو سنت کے مطابق تین طلاقیں ہیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر وہ اکٹھی تین طلاقوں کی نیت کر لے تو تینوں اکٹھی واقع ہو جاتی ہیں کیونکہ الفاظ کے برخلاف نیت کرنا باطل ہے۔ امام شافعیؒ نے حضرت عویمر عجلانیؓ سے حدیث سے استدلال کیا ہے، جب حضرت عویمرؓ نے اپنی بیوی سے لعان کر لیا تو کہا: یا رسول اللہ! میں نے اگر اب اس عورت کو رکھ لیا تو میں جھوٹا قرار پاؤں گا، اس کو تین طلاقیں۔ [2]

اس کے بعد علامہ سرخسی نے امام شافعی کے اور بھی دلائل ذکر کیے ہیں اور اخر میں اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے اور احناف کے مسلک پر دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو رجوع کرنے

۱۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸٤، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱٤۰۰ھ)

۲۔ (المبسوط ج ٦ ص ٤، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ھ)

کا حکم دیا' انھوں نے پوچھا: یہ بتلائیے کہ اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دوں تو کیا پھر بھی رجوع کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: نہیں' تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو جائے گی اور تین طلاق دینا گناہ ہے ان احادیث سے یہ ظاہر ہو گیا کہ آپ نے حضرت عویمر عجلانیؓ کو تین طلاقیں دینے سے اس وجہ سے نہیں روکا تھا کہ وہ اس وقت سخت غصہ میں تھے اور آپ کو علم تھا کہ اس وقت وہ آپ کی بات نہیں مانیں گے اور اس وجہ سے کافر ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے آپ نے از روئے شفقت انکار کو کسی اور وقت کے لیے موخر کر دیا' دوسرا جواب یہ ہے کہ جب آپ نے یہ فرمایا تھا کہ جاؤ تمہارا اس پر کوئی حق نہیں ہے تو یہی آپ کا انکار تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ تین طلاقوں کو بیک وقت دینا اس وقت مکروہ ہے جب وہ بلا ضرورت ہوں اور ان کی تلافی اور تدارک ممکن ہو' اور حضرت عویمر عجلانیؓ کے حق میں یہ وجہ متحقق نہیں تھی' کیونکہ جو میاں بیوی آپس میں لعان کرنے پر مصر ہوں ان کی طلاق کا تدارک نہیں ہو سکتا اور حضرت عویمر عجلاؓ لعان کرنے پر مصر تھے۔ (۱)

صحیحین کی ایک اور حدیث سے استدلال پر اعتراض کا جواب: امام بخاری "باب من اجاز الطلاق الثلاث" جس نے بیک وقت تین طلاقوں کو جائز قرار دیا" کے باب میں اس حدیث کو روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں' اس عورت نے کہیں اور شادی کر لی' اس نے بھی طلاق دے دی' پھر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا گیا کہ آیا یہ عورت پہلے خاوند پر حلال ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں' جب تک کہ دوسرا خاوند پہلے خاوند کی طرح اس کی مٹھاس نہ چکھ لے۔ (۲)

۱۔ (المبسوط ج ۶ ص ۶۔ ۵' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت الطبعۃ الثالثۃ' ۱۳۹۸ھ)

۲۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص' ۷۹۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (۱)

علامہ عینیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ اس شخص نے اس کو تین طلاقیں مجموعی طور پر (ایک مجلس میں) دی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے۔ (۲)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی حدیث کی باب سے مطابقت بیان کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔ (۳)

صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث سے بھی واضح ہو گیا کہ بیک وقت تین طلاقوں کے بعد تحریم ہو جاتی ہے اور رجوع جائز نہیں رہتا کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بیک وقت تین طلاقیں دی جانے کے بعد فرمایا کہ یہ اس شوہر پر حلال نہیں ہے' اور یہ استدلال بالکل واضح ہے کیونکہ بیک وقت تین طلاقوں کے بعد رجوع کا ناجائز ہونا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم سے ہے۔ بیک وقت تین طلاقوں کی تحریم میں یہ حدیث بھی بالکل واضح ہے۔ جمہور فقہاء اسلام کا اس حدیث سے استدلال بالکل درست ہے اور طلق ثلاثا کا یہی معنی ہے کہ اس نے بیک وقت تین طلاقیں دیں۔ "طلق ثلاث تطلیقات فی ثلاثۃ اطہار' تین طہروں میں تین طلاقیں دیں" لیکن بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے: "طلق ثلاثا" یعنی انھوں نے بیک وقت تین طلاقیں دیں اور اس سے جمہور فقہاء اسلام ہی کا مدعا ثابت ہوتا ہے' لہٰذا اس حدیث سے جمہور کا استدلال بالکل درست ہے۔ سوید بن غفلہ کی روایت کی تحقیق:

امام بیہقی روایت کرتے ہیں: سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ خثعمیہ' حضرت حسن بن علیؓ کے

۱۔ (صحیح مسلم ج۱ ص۴۶۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ)

۲۔ (عمدۃ القاری ج۲۰ ص۲۶۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر ۱۳۴۸ھ)

۳۔ (فتح الباری ج۹ ص۳۶۷ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ۱۴۰۱ھ)

نکاح میں تھیں ' جب حضرت علیؓ شہید ہوئے تو اس نے حضرت حسنؓ سے کہا: آپ کو خلافت مبارک ہو' حضرت حسنؓ نے کہا: تم حضرت علیؓ کی شہادت پر خوشی کا اظہار کر رہی ہو' تم کو تین طلاقیں دیں' اس نے اپنے کپڑے لیے اور بیٹھ گئی' حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہوگئی' حضرت حسنؓ نے اس کو طرف اس کا بقیہ مہر اور دس ہزار کا صدقہ بھیجا' جب اس کے پاس قاصد یہ مال لے کر آیا تو اس نے کہا: مجھے اپنے جدا ہونے والے محبوب سے یہ تھوڑا سا سامان ملا ہے' جب حضرت حسن تک یہ بات پہنچی تو انھوں نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: اگر میں نے اپنے نانا سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی یا کہا: اگر میرے والد نے یہ بیان نہ کیا ہوتا کہ انھوں نے میرا نانا سے سنا ہے: جس شخص نے بھی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی خواہ الگ الگ طہروں میں یا بیک وقت تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرلے' تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔ (۱)

یہ حدیث انتہائی واضح اور صریح ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں سے تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں۔ امام دارقطنیؒ نے بھی اس حدیث کو سوید بن غفلہؓ سے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (۲)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی' پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: تین طلاقیں دینے کے بعد تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو جائے گی اور تمہارا بیوی کو تین طلاقیں دینا گناہ ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے' اس میں علی بن سعید ایک راوی ہے۔ دارقطنی نے کہا: وہ قوی نہیں

۱۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۶' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان)

۲۔ (سنن دارقطنی ج ٤ ص ۳۱۔ ۳۰ مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان) امام الہیثمی نے بھی اس حدیث کو طبرانی کے حوالے سے سوید بن غفلہ اور ابو اسحاق سے روایت کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ٤ ص ۳۳۹' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱٤۰۲ھ)

ہے اور دوسروں نے اس کو عظیم قرار دیا اور اس کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ [1]

حافظ الہیثمی نے اس حدیث کی فنی حیثیت بھی متعین کر دی ہے کہ امام دار قطنی نے اس کے ایک راوی علی بن سعید رازی کی ثقاہت سے اختلاف کیا ہے اور اس حدیث کے باقی تمام راویوں کی ثقاہت پر اتفاق ہے اور امام دار قطنی کے اختلاف سے اس حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور یہ بھی کہ یہ فعل گناہ ہے۔ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے میں آثار صحابہ اور اقوال تابعین: امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور وہ واقع ہو جائیں گی اور اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ [2]

یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔ [3]

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے بیان کیا کہ ان سے ایک شخص نے کہا: اے ابو عباس میں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے (طنزا) فرمایا: یا اباعباس پھر فرمایا: تم میں سے کوئی شخص حماقت سے طلاق دیتا ہے، پھر کہتا ہے: اے ابو عباس! تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی۔ [4]

امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ روایت کرتے ہیں: واقع بن سحبان بیان کرتے ہیں کہ عمران بن حصینؓ سے سوال

۱۔ (مجمع الزوائد ج ٤ ص ٣٣٦، مطبوعہ دارالکتاب العربی، بیروت، ١٤٠٢ھ)

۲۔ (المصنف ج ٦ ص ٣٩٥ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

۳۔ (صحیح مسلم ج ١ ص ٤٧٦، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ١٣٧٥ھ)

۴۔ (المصنف ج ٦ ص ٣٩٧ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں؟ حضرت عمران بن حصینؓ نے کہا: اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔ (۱)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کے پاس کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں تو آپ اس کو مارتے تھے اور ان کے درمیان تفریق کر دیتے تھے۔۔۔ (۲)

زہریؒ کہتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دے دیں اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہوگئی۔ (۳)

شعبیؒ سے پوچھا گیا: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے علیحدہ ہونا چاہے؟ اس نے کہا: اس کو تین طلاقیں دے دے۔ (۴)

علقمہؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں؟ آپ نے فرمایا: تین طلاقوں سے اس کی بیوی حرام ہوگئی اور باقی ستانوے طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔ (۵)

حبیب کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس آکر ایک شخص کہنے لگا: میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں،

۱۔(المصنف ج ۵ ص ۱۱ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ۱٤٠٦ھ)

۲۔(المصنف ج ۵ ص ۱۱ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ۱٤٠٦ھ)

۳۔(المصنف ج ۵ ص ۱۱ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ۱٤٠٦ھ)

۴۔(المصنف ج ۵ ص ۱۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ۱٤٠٦ھ)

۵۔(المصنف ج ۵ ص ۱۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' الطبعۃ الاولی ۱٤٠٦ھ)

آپ نے فرمایا: تمہاری بیوی تین طلاقوں سے علیحدی ہوگئی، باقی طلاقیں اپنی بیویوں میں تقسیم کردو۔ ۱

معاویہ بن ابی یحییٰؒ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے پاس ایک شخص نے آکر کہا: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین طلاقوں سے تمہاری بیوی تم پر حرام ہوگئی اور باقی ستانوں طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔ ۲

حضرت مغیر بن شعبہؓ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: تین طلاقوں نے اس پر اس کی بیوی کو حرام کر دیا اور ستانوں طلاقیں زائد ہیں۔ ۳

شعبیؒ کہتے ہیں کہ شریح سے کسی نے پوچھا: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔ انھوں نے کہا: تمہاری بیوی تین طلاقوں سے علیحدہ ہوگئی اور باقی طلاقیں اسراف اور معصیت ہیں۔ ۴

حسن بصریؒ سے ایک شخص نے کہا: میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں؟ آپ نے فرمایا: تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہوگئی۔ ۵

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہؓ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے مقاربت سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی۔ آپ نے فرمایا: اس کی بیوی اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک دوسرا شوہر اس سے مقاربت نہ کرلے۔ ۶

۱۔(المصنف ج ٥ ص ١٣ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)
۲۔(المصنف ج ٥ ص ١٣ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)
۳۔(المصنف ج ٥ ص ١٤۔١٣ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)
۴۔(المصنف ج ٥ ص ١٤ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)
۵۔(المصنف ج ٥ ص ١٤ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)
۶۔(المصنف ج ٥ ص ٢٢ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ تینوں پر فتوی دیتے تھے کہ جس شخص نے مقاربت سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک وہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے۔ (۱)

ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ جب کسی شخص نے مقاربت سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو وہ اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کر لے۔ (۲)

مذکورالصدر تینوں روایات میں غیر مدخولہ پر جن تین طلاقوں کے واقع کرنے کا حکم کیا گیا ہے اس سے مراد بیک وقت دی گئی لفظ واحد سے تین طلاقیں ہیں کیونکہ اگر الفاظ متعددہ سے تین طلاقیں دی جائیں تو پہلی طلاق سے غیر مدخولہ عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور بقیہ طلاقوں کا محل نہیں رہتی اور وہ طلاقیں لغو ہو جاتی ہیں۔ حسب ذیل حدیث سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص دخول سے پہلے تین طلاقیں دے تو وہ عورت اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اور اگر اس نے متفرق الفاظ سے یہ طلاقیں دی ہیں تو عورت پہلی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی۔ (۳)

ہم نے مذکورالصدر روایات میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ ایسے گیارہ جلیل القدر فقہاء صحابہ اور امہات

۱۔(المصنف ج ٥ ص ٢٣ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

۲۔(المصنف ج ٥ ص ٢٣ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

۳۔(المصنف ج ٥ ص ٢٥ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعۃ الاولی ١٤٠٦ھ)

المومنین کے فتاویٰ اور تصریحات پیش کی ہیں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں اور فقہاء تابعین میں سے ابن شہاب زہریؒ' شعبیؒ ' شریحؒ' حسن بصریؒ' اور ابراہیم نخعیؒ کے فتاویٰ پیش کیے ہیں' قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی صراحت کے بعد جمہور فقہاء اسلام کا موقف انہی نفوس قدسیہ کی اتباع پر مبنی ہے۔

حرف آخر: تین طلاقوں کے مسئلہ میں' میں نے اس قدر تفصیل اور تحقیق اس لیے کی ہے کہ آج کل غیر مقلدین کی عام روش یہ ہے کہ جس شخص نے بھی اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دیں وہ اس کو ایک طلاق قرار دے کر ثبوت میں طاؤس کی روایت لکھ کر دیدیتے ہیں جس کی وجہ سے عام مسلمان شکوک و شبہات میں مبتلا ہوتے ہیں جب میں نے یہ دیکھا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حرام کر دیا ہے اس کو بکثرت حلال کیا جا رہا ہے حتیٰ کہ ملک کے عائلی قانون میں بھی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیدیا گیا ہے تو میں نے اللہ اور اس کے رسول کی قائم کردہ حدود کے علمی تحفظ اور دفاع کے لیے یہ صفحات لکھ دیئے۔ اے اللہ! اس تحریر کو نفع آور بنا' منکرین کے لیے اس کو ذریعہ ہدایت اور ماننے والوں کیلیے سبب استقامت کر دے اس کے مصنف' معاون اور پڑھنے والوں اور اس پر عمل کرنیوالوں کی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف فرما اور ان کے لیے دارین کی سعادتوں اور کامرانیوں کو مقدر کر دے۔

والحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین شفیع المذنبین قائد الغرالمحجلین وعلی واصحابہ وازواجہ امھات المومنین اجمعین"۔

﴿ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا
لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا
اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ
عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ ﴾

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آجائے یا تو بھلے طریقہ سے انھیں روک لو یا بھلے طریقہ سے رخصت کر دو۔ محض ستانے کی خاطر انھیں نہ روکے رکھنا کہ یہ زیادتی ہوگی اور جو ایسا کرے گا وہ اصل میں اپنے اوپر ظلم کرے گا۔ اللہ کی آیات کو کھیل نہ بناؤ۔ بھول نہ جاؤ کہ اللہ نے کس بڑی نعمت سے تمھیں سرفراز کیا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ جو کتاب اور حکمت اس نے تم پر نازل کی ہے اس کا احترام کرو۔ اللہ سے ڈرو اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی خبر ہے۔

شانِ نزول

ابن جریرؒ نے عوفیؒ کے ذریعہ سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیتا تھا پھر عدت پوری ہونے سے پہلے اس سے رجوع کر لیتا تھا اس کے بعد پھر اسے طلاق دے دیتا تھا، اس طرح اس کو نقصان پہنچاتا اور لٹکائے رکھتا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور ابن جریرؒ نے سدیؒ سے روایت کیا ہے کہ ثابت بن یسار نامی انصار میں ایک شخص تھا اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی جب اس کی عدت پوری ہونے میں دو یا تین دن رہ گئے تو اس سے رجوع کر لیا پھر اسے تکلیف پہنچانے کی خاطر طلاق دے دی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (آیت) " ولا تمسکوھن (الخ)

شانِ نزول: (آیت) " ولا تتخذوا ایات اللہ "۔ (الخ)

ابن ابی عمرؒ نے اپنی مسند میں اور ابن مردویہؒ نے ابوالدرداءؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی طلاق دیتا تھا پھر اس کے بعد کہتا کہ میں تو کھیل کر رہا ہوں اور غلام کو آزاد کرتا اور کہتا کہ میں تو مذاق کر رہا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ اتاری فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مذاق نہ سمجھو اور ابن منذرؒ نے عبادہ بن صامتؓ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور ابن مردویہؒ نے ابن عباسؓ سے اور ابن جریرؒ سے حسنؒ سے مرسل ایسے ہی روایت نقل کی ہے۔ [1]

علامہ قرطبی مالکیؒ لکھتے ہیں اللہ نے اس آیت میں دستور کے مطابق عورتوں کو نکاح میں رکھنے کا حکم دیا ہے اور دستور کے مطابق رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ خاوند اس کو کھانے پینے کا خرچ دے اور اگر یہ نہیں

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

دے سکتا تو پھر اس کو طلاق دے دے' اور اگر وہ اس کو پھر بھی طلاق نہیں دیتا تو وہ عورت کو دستور کے مطابق رکھنے کے حکم میں سے خارج ہو گیا' اب حاکم اس عورت پر طلاق واقع کر دے گا تا کہ شوہر کی طرف سے نفقہ نہ ملنے کی وجہ سے عورت کو ضرر نہ لاحق ہو' کیونکہ بھوک اور پیاس پر کوئی صبر نہیں کر سکتا (اس کے برعکس شہوانی خواہش پوری نہ ہونے پر صبر ہو سکتا ہے۔) امام مالکؒ ' امام شافعیؒ' امام احمدؒ ' اسحاقؒ' ابوثورؒ ' ابوعبیدؒ ' یحییٰ قطانؒ اور عبدالرحمن بن مہدیؒ کا یہی مذہب ہے اور انھوں نے کہا: یہی سنت ہے اور اس کو حضرت ابوہریرہؓ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کیا ہے۔

اس کے برعکس امام ابوحنیفہؒ ' ثوریؒ اور زہریؒ کا یہ قول ہے کہ جب شوہر خرچ نہ دے تو عورت پر صبر لازم ہے اور حاکم کے حکم سے یہ نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(آیت) "وان کان ذوعسرة فنظرة الی میسرة"۔ (البقرہ: ۲۸۰)

ترجمہ: اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو فراخ دستی تک مہلت دو۔

(قرض لے کر بیوی کو کھلانا اس وقت متصور ہوگا جب اس کی نیت بیوی کو تنگ کرنا اور ضرر پہنچانا نہ ہو' اور مفروضہ صورت میں شوہر دانستہ بیوی کو خرچ نہیں دیتا) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"(آیت) "وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقرآء یغنھم اللہ من فضلہ"۔ (النور ۳۲)

ترجمہ: اور تم اپنے بے نکاح (آزاد) مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دو' اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فقراء کا نکاح کرنے کا حکم دیا ہے' اس لیے فقر علیحدگی کا سبب نہیں بن سکتا

(کسی شخص کا فقر کی وجہ سے نفقہ دینے پر قادر نہ ہونا اور بات ہے وہ قرض لے کر بھی بیوی کو کھلا سکتا ہے اور کسی شخص کا قدرت کے باوجود عورت کو محض تنگ کرنے کے لیے نفقہ نہ دینا اور چیز ہے اور ہماری بحث اسی میں ہے اور زیر بحث آیت میں بھی عورت کو ضرر پہنچانے کی نیت سے نکاح میں روکے رکھنے سے منع کیا ہے۔)

نیز شوہر اور بیوی کے درمیان اجماعاً نکاح منعقد ہو گیا' اب یہ نکاح اجماع سے منسوخ ہو گا' یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت سے جس کا کوئی معارض نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) کی رائے کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: امام بخاری حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی ہو' اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے' اپنے عیال سے خرچ کی ابتداء کرو' عورت کہے گی' یا مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دو' غلام کہے گا: مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو' بیٹا کہے گا: مجھے کھلاؤ مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟۔ (۱)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بیوی کو یا خرچ دیا جائے ورنہ اس کو طلاق دے دی جائے اور یہ ائمہ ثلاثہ کے موقف پر قوی دلیل ہے بلکہ اس اختلاف میں بہ منزلہ حکم ہے۔ نفقہ نہ دینے کی وجہ سے قاضی جو تفریق کرے گا وہ امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق بائنہ ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک طلاق رجعی کے قائم مقام ہے۔ (۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ۔ (البقرہ:۲۳۱)

مذاق میں دی ہوئی طلاق کا نافذ ہونا:

۱۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۶۔ مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷۔ ۵۲۴۔ ۲۵۲)

۲۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۵۶۔ ۱۵۵' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

حافظ جلال الدین سیوطیؒ بیان کرتے ہیں: امام ابن المنذرؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ نے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد میں ایک آدمی کسی شخص سے کہتا : میں نے تم سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ پھر کہتا: میں تو تم سے مذاق کر رہا تھا اور کوئی شخص کہتا: میں نے غلام آزاد کر دیا اور پھر کہتا: میں تو مذاق کر رہا تھا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ "اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ" اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ کوئی شخص ان کو مذاق سے کہے یا بغیر مذاق کے وہ نافذ ہو جائیں گی: طلاق' عتاق اور نکاح۔

امام ابن مردویہؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص بغیر ارادہ طلاق کے مذاق سے طلاق دے دیتا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ "اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ" اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے طلاق کو لازم کر دیا۔

امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام ابن ماجہ' امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے: نکاح' طلاق اور رجوع کرنا۔ [1]

سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر کوئی ان کو حقیقت اور سنجیدگی میں کہے، تو بھی حقیقت ہیں اور اگر ہنسی اور مزاح میں کہے تو بھی حقیقت ہیں، نکاح، طلاق اور (طلاق سے) رجوع۔" [2]

۱۔(الدر المنثور ج۱ ص۲۸۶ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

۲۔[أبوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الطلاق علی الھزل: ۲۱۹۴۔ ترمذی، کتاب الطلاق واللعان، باب ماجاء فی الجد والھزل فی الطلاق: ۱۱۸۴۔ ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب من طلق أو نکح أو راجع لاعبا: ۲۰۳۹۔ مستدرک حاکم: ۲/ ۱۹۷، ۱۹۸، ح: ۲۸۰۰]

احکام شرعیہ کو مذاق بنالینا حرام ہے اور ان کا مذاق اڑانا کفر ہے' مذاق میں طلاق دینا حرام ہے اور یہ طلاق نافذ ہوجائے گی۔ اسی طرح عمل گناہ کرتے رہنا اور زبان سے توبہ کرتے رہنا بھی احکام شرعیہ کو مذاق بنانا ہے۔

﴿ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ ﴾

اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پھر وہ پہنچ جائیں اپنی عدت کو تو ان کو اس سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں جب کہ آپس میں خوبی کے ساتھ رضامند ہوجائیں۔ اس کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے۔ یہ تمہارے لیے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

شان نزول

امام بخاریؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، وغیرہ نے حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اپنی بہن

کی مسلمانوں میں سے ایک شخص کے ساتھ شادی کر دی، ان کی بہن اس کے پاس تھیں، اس نے اس کو ایک طلاق رجعی دے دی اور پھر رجوع نہ کیا، تا آنکہ عدت گزر گئی، اس کے بعد ان کی بہن کی چاہت اسی کی طرف ہوئی اور اس کی چاہت ان کی بہن کی طرف ہوئی، غرض کہ اس نے پھر اس سے نکاح کرنے کا پیغام بھجوا دیا، حضرت معقلؓ نے غیرت کے جوش میں کہا کہ میں نے اولاً تمہیں اس کے ساتھ عزت دی اور پھر اس سے تمہاری شادی کر دی مگر تم نے اس کو طلاق دی (اور پھر رجوع نہ کیا) اللہ کی قسم وہ اب تمہارے نکاح میں ہرگز نہیں جا سکتی، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میاں بیوی کی آپس کی خواہش اور حاجت کو پہچان لیا اس نے فوراً یہ آیت کریمہ (آیت) "واذا طلقتم النساء"۔ سے "لا تعلمون"۔ تک نازل فرمائی، جب حضرت معقلؓ نے یہ آیت سنی تو فرمایا کہ میرے پروردگار نے اس کی خواہش کو سن لیا، اس کے بعد ان کو بلایا اور فرمایا کہ میں پھر اپنی بہن کو تمہارے نکاح میں دے کر تمہیں عزت دیتا ہوں۔

ابن مردویہؒ نے بہت سے طریقوں سے اس روایت کو نقل کیا ہے پھر بعد میں سدیؒ کے ذریعہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت جابرؓ کے متعلق نازل ہوئی ہے، حضرت جابر بن عبداللہؓ کی چچا زاد بہن تھیں، ان کے خاوند نے ان کو طلاق دے دی، اور ان کی عدت بھی پوری ہو گئی، اس کے بعد ان سے پھر شادی کرنے کا ارادہ کیا، حضرت جابرؓ نے انکار کیا کہ اولاً میری چچا زاد بہن کو طلاق دے دی، اور اب پھر اس سے دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے اور ان کی بہن بھی اسی خاوند سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی تھیں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ [۱]

بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے متعلق مذاہب اربعہ

۱۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں: حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت معقل بن یسارؓ کی بہن کو ان کے خاوند نے طلاق دے دی اور ان کو چھوڑے رکھا حتی کہ ان کی عدت پوری ہو گئی' پھر ان کی بہن کے خاوند نے دوبارہ نکاح کا پیغام دیا تو حضرت معقلؓ نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (۱)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر عورت کا از خود نکاح کرنا جائز نہیں ہے' وہ اس آیت سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اگر بغیر ولی کے عورت کا از خود نکاح کرنا جائز ہوتا تو حضرت معقل کی بہن از خود اپنا نکاح اپنے پچھلے خاوند سے کر لیتیں اور ان کے خاوند کو یہ ضرورت نہ پڑتی کہ وہ ان کے بھائی سے رشتہ مانگیں' اور نہ ان کے بھائی کے منع کرنے کی کوئی وجہ ہوتی' اسی لیے امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ بغیر ولی کے عورت کے نکاح کے عدم جواز پر یہ آیت قوی دلیل ہے' نیز ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔

امام ابوداؤدؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس عورت نے اپنے اولیاء کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے' یہ تین بار فرمایا' نیز فرمایا: جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے۔ (۲)

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کوئی عورت خود کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے، کیونکہ وہ عورت زانیہ ہے جو اپنا نکاح خود

۱۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۲۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۴' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱۴۰۵ھ)

کرتی ہے۔“[1]

سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے، (پھر ناجائز نکاح کے بعد) اگر مرد نے ہم بستری کی تو اس عورت کے لیے مہر ہوگا، جس کے عوض اس نے عورت کی شرمگاہ (اپنے لیے) حلال کرنا چاہی۔“[2]

سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہے۔“[3]

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ بالغہ عورت اپنا نکاح از خود کرلے' ان کا استدلال بھی اسی آیت سے ہے' وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نکاح کا اسناد عورتوں کی طرف کیا گیا ہے اور ان کو نکاح سے روکنے سے منع فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ یہ خاص ان کا حق ہے کیونکہ وہی اہل مباشرت ہیں اس لیے ان کا یہ تصرف صحیح ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ نابالغہ اور مجنونہ پر محمول ہے۔

بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار:

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال حسب ذیل احادیث سے ہے:

امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: غیر شادی شدہ لڑکی

۱۔[ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب لا نکاح إلا بولی: ۱۸۸۲]

۲۔[ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء لا نکاح إلا بولی: ۱۱۰۲]

۳۔[ابن حبان: ۴۰۷۵۔ سنن دارقطنی، کتاب النکاح: ۳/۲۲۵، ح: ۳۴۹۲]

(خواہ کنواری ہو یا بیوہ) ولی کی بہ نسبت اپنے نکاح کی زیادہ حق دار ہے۔ (۱)

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: غیر شادی شدہ لڑکی کا نکاح اس کے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے' عرض کیا گیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی اجازت کیسے ہوگی؟ اس کی خاموشی۔ (۲)

حضرت خنساء بنت حزام انصاریہؓ بیان کرتی ہیں کہ ان کے باپ نے ان کا نکاح کر دیا درآں حالیکہ وہ بیوہ تھیں اور ان کو یہ نکاح ناپسند تھا' وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئیں تو آپ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔ (۳)

امام ابن ابی شیبہؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمنؒ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آکر ایک عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میرے بیٹے کے چچا (دیور) نے میرے نکاح کا پیغام دیا' اور میرے باپ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا اور میرا نکاح وہاں کر دیا جہاں مجھے پسند نہیں تھا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو بلایا اور اس سے یہ معاملہ دریافت فرمایا: اس کے باپ نے کہا: میں نے اس کے نکاح میں کسی خیر کو ترک نہیں کیا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا یہ نکاح نہیں ہوا (اور عورت سے فرمایا:) جاؤ جس سے چاہو نکاح

۱۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)
۲۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۷۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)
۳۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۷۸۔۷۷۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

کرلو۔ ①

قاسم بن محمدؒ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ کی بیٹی حفصہؓ کا نکاح منذر بن الزبیرؓ سے کردیا۔اس وقت حضرت عبدالرحمنؓ موجود نہیں تھے جب وہ آئے تو انھوں ناراض ہوکر کہا :اے خدا کے بندو! کیا مجھ ایسے شخص کی بیٹی کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر کیا جا سکتا ہے؟ حضرت عائشہؓ ناراض ہوئیں اور فرمایا: کیا تم منذر کو ناپسند کرتے ہو؟۔ ②

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے ولی کے بغیر ایک عورت کے نکاح کو جائز قرار دیا' اس عورت کی مرضی سے اس کی ماں کا نکاح کردیا تھا۔ ③

﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ

۱۔(المصنف ج۲۔ ٤ ص ١٣٤۔١٣٢' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ١٤٠٦ھ)
۲۔(المصنف ج۲۔ ٤ ص مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ١٤٠٦ھ)
۳۔(المصنف ج۲۔ ٤ ص ١٣٣ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ١٤٠٦ھ)

عَلَيۡهِمَا ؕ وَاِنۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ تَسۡتَرۡضِعُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِذَا سَلَّمۡتُمۡ مَّاۤ اٰتَيۡتُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۲۳۳﴾

اور مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں پورے دو سال اس شخص کے لیے جو مدت رضاعت پوری کرانا چاہتا ہو اور بچے والے کے ذمے ہے بچوں کی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق کسی پر ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی مگر اس کی وسعت کے مطابق نہ تو تکلیف پہنچائی جائے کسی والدہ کو اپنے بچے کی وجہ سے اور نہ اس کو جس کا وہ بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے بچے کی وجہ سے اور وارث پر بھی اسی طرح کی ذمہ داری ہے پھر اگر ماں باپ چاہیں کہ دودھ چھڑا لیں (دو برس کے اندر ہی) باہمی رضامندی اور صلاح سے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم اپنے بچوں کو کسی اور سے دودھ پلوانا چاہو تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جب کہ تم (بچے کی ماں کو) وہ سب کچھ دے دو جس کا کہ تم نے دینا ٹھہرایا تھا دستور کے موافق اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ: یعنی مطلقہ مائیں اپنے دودھ پیتے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں گی۔ یہ حکم اس کے لیے ہے جو رضاعت کی مدت پوری کرنا چاہتی ہے، لیکن اگر کوئی ماں باپ اس مدت سے پہلے ہی بچے کا دودھ چھڑا دینا چاہیں تو کوئی حرج نہیں، نیز حرمت اسی رضاعت سے ثابت ہوتی ہے جو دو سال کے اندر ہو، اگر بچے کی عمر دو سال سے زیادہ ہو جاتی ہے تو رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ سیدہ ام سلمہ (رض) بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”صرف اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی جو پستان سے ہو اور انتڑیوں کو پھاڑ دے اور دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے پہلے ہو۔“ [۱]

سیدنا براء بن عازب ؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بیٹے ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ نے فرمایا: ”اس کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی (ایک دایہ) مقرر ہے۔“ [۲]

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ: یعنی باپ اس مطلقہ ماں کو جو دودھ پلائے گی، عرف عام کے مطابق کھانا اور کپڑا فراہم کرے گا اور جب وہ مطلقہ ماں اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لیے تیار ہو تو باپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ بچہ اس سے لے لے، یا یہ کہ دودھ پلانے کے باوجود اسے کھانا اور کپڑا فراہم نہ کرے۔ ارشاد فرمایا: (لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا) [الطلاق: ۷] ”لازم ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت میں سے خرچ کرے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا

۱۔ [ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء ما ذکر أن الرضاعة لا تحرم إلا فی الصغر دون الحولین: ۱۱۵۲]
۲۔ [بخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی أولاد المسلمین: ۱۳۸۲]

مگر اسی کی جو اس نے اسے دیا ہے، عنقریب اللہ تنگی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا۔" وَاِنۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ تَسۡتَرۡضِعُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِذَا سَلَّمۡتُمۡ مَّاۤ اٰتَيۡتُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ: یعنی اگر باپ اپنے بچے کے لیے کوئی دوسری دودھ پلانے والی دایہ مقرر کرنا چاہے (اس لیے کہ ماں نے انکار کر دیا، یا وہ دودھ پلانے سے مجبور ہے، یا شادی کرنا چاہتی ہے) تو بھی کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ بطیب خاطر دایہ کو اس کی مناسب مزدوری دے۔

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، تین آدمی ایسے ہیں جن کا میں قیامت کے دن دشمن ہوں گا، ایک وہ شخص جو میرا نام لے کر عہد کرے، پھر اس کو توڑ دے، دوسرا وہ شخص جو کسی آزاد کو (پکڑ کر) بیچے اور اس کی قیمت کھا جائے اور وہ شخص جو کسی مزدور کو اجرت پر رکھے، پھر اس سے مزدوری تو پوری لے لیکن اس کی اجرت اسے نہ دے۔"[۱]

امام وکیع ؒ، سفیان ؒ، عبدالرزاق، آدم ؒ، عبد بن حمید، أبوداؤد ؒ نے الناسخ میں، ابن جریر، ابن المنذر ؒ، ابن ابی حاتم، بیہقی ؒ نے اپنی سنن میں مجاہد ؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "والوالدت یرضعن اولادھن" سے مراد ہے طلاق والی عورتیں "حولین" یعنی دو سال لفظ آیت "لا تضار والدۃ بولدھا" یعنی عورت بچہ کو دودھ پلانے کا انکار نہ کرے۔ (بچہ کو) تکلیف پہنچاتے ہوئے تاکہ اس کا باپ مشقت میں نہ پڑے۔ لفظ آیت "ولا مولودۃ بولدہ" یعنی باپ اپنے بیٹے کی وجہ سے ماں کو تکلیف نہ پہنچائے یعنی باپ ماں کو دودھ پلانے سے نہ روکے تاکہ ماں پریشان نہ ہو لفظ آیت "وعلی الوارث" یعنی (والد نہ ہونے کی صورت میں) ولی کے لیے بھی یہی حکم یعنی دستور کے مطابق خرچہ دینا۔ اس کی کفالت کرنا اور اس کو دودھ پلانا اگر

۱۔[بخاری، کتاب الاجارۃ، باب اِثم من منع أجر الأجیر: ۲۲۷۰]

بچہ کے پاس مال نہ ہو اور اس کی ماں کو تکلیف بھی نہ ہو لفظ آیت "فان ارادفصالا عن تراض منھما وتشاور" یعنی اگر میاں بیوی بچے کا دودھ چھڑانے پر آپس میں رضامندی اور مشورہ سے ارادہ کریں جبکہ بچے کا نقصان نہ ہو تو فرمایا لفظ آیت "فلا جناح علیکم اذا سلمتم ما اتیتم بالمعروف" یعنی تم ادا کرو جو دودھ پلانے والی کا معاوضہ تم نے مقرر کیا تھا مناسب طریقہ سے۔

ابن ابی حاتمؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "والوالدت یرضعن اولادھن حولین کاملین" یعنی وہ آدمی جو اپنی عورت کو طلاق دے دیتا ہے اور اس میں اس کا ایک لڑکا ہے۔ تو وہ عورت اپنے بچے کی زیادہ حق دار ہے۔ اپنے علاوہ (دوسری عورت سے) سو عورتوں پر اس اولاد کو دودھ پلانا (لازم) ہے۔ لفظ آیت "لمن اردان یتم الرضاعۃ" یہ حکم اس کے لیے ہے جو مدت رضاعت پورا کرنا چاہتا ہے "وعلی المولودلہ" یعنی اس باپ پر جس کا وہ لڑکا ہے۔ لفظ آیت "رزقھن" یعنی ماں کا رزق (یعنی خرچہ) لفظ آیت "لاتکلف نفس الا وسعھا" یعنی اللہ تعالیٰ کسی آدمی کو دودھ پلانے والی کے خرچہ میں تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت بقدر لفظ آیت "لا تضار والدۃ بولدھا" یعنی آدمی اپنی عورت کو تکلیف نہ پہنچائے کہ اس کا بچہ اس سے چھین لے اور وہ عورت نہ چاہتی ہو لفظ آیت "ولا مولودلہ بولدہ" یعنی عورت بھی ایسا نہ کرے جب اس کا شوہر اس کو طلاق دیدے تو عورت اس کو تکلیف دیدے کہ اس کو نقصان پہنچانے کے لیے بچہ اس کی طرف پھینک دے لفظ آیت "فان ارادافجضالا" یعنی والدین اگر دو سال سے کم مدت میں بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں لفظ آیت "عن تراض منھما" یعنی دونوں اس پر اتفاق کرلیں۔ لفظ آیت "وان اردتم ان تسترضعوااولادکم فلا جناح علیکم" یعنی انسان پر کوئی حرج نہیں کہ وہ کسی دائی سے دودھ پلوئے اور اس کو مزدوری اس کو دے دے۔ "اذا سلمتم" اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کرلو یعنی دودھ پلانے والی کی اجرت کے

بارے میں لفظ آیت ” ما اتیتم بالمعروف “ یعنی تم دائی کو اس کی مقرر مزدوری سے زائد دے دو ” واتقوا اللہ “ یعنی اس کی نافرمانی نہ کرو تم اس سے ڈرو (پھر) فرمایا لفظ آیت ” واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر “ یعنی جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے۔

حاکمؒ نے ابو امامہؓ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا پھر مجھے وہ فرشتہ لے کر چلا میں نے عورتوں کو دیکھا جن کی چھاتیوں کو سانپ نوچ رہے تھے میں نے پوچھا ان عورتوں کو کیا ہوا؟ مجھ سے کہا گیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں۔

ابن جریرؒ نے ابو الضحیٰؒ سے روایت کیا کہ میں نے ابن عباسؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لفظ آیت ” والوالدت یرضعن اولادھن حولین کاملین “ سے مراد ہے کہ اس آیت کے مطابق ان دو سالوں میں ہی رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

ترمذیؒ نے ام سلمہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوئی مگر اس صورت میں جب وہ آنتوں کو چیر دے۔ اور یہ دودھ چھڑانے سے پہلے ہو۔

ابن عدیؒ، دار قطنیؒ، بیہقیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ دودھ پلانا حرام نہیں کرتا جو دو سال میں ہو۔ [1]

عبدالرزاقؒ اور عبد بن حمیدؒ نے ابن سیرینؒ سے روایت کیا کہ ایک عورت عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؒ کے پاس اپنے بچے کے نفقہ کے متعلق بچے کے وارث کے بارے میں جھگڑا لے کر آئی تو انھوں نے بچے

1۔ تفسیر الدر منثور

کے مال میں سے نفقہ کا فیصلہ فرمایا اور اس کے وارث سے کہا کیا تو نے یہ فرمان نہیں سنا لفظ آیت "وعلی الوارث مثل ذلک" اگر بچے کا مال نہ ہوتا تو میں تجھ پر نفقہ کا حکم دیتا۔

ابن ابی حاتمؒ نے ابن شہابؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم فلا جناح علیکم" سے مراد ہے کہ جب یہ (دودھ پلانا) والد اور والدہ کی رضامندی کے ساتھ ہو تو دایہ کو دودھ پلانے میں کوئی حرج نہیں۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٣٤﴾ ﴾

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور وہ پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں۔ پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو جو کچھ وہ اپنے بارے میں دستور کے مطابق کریں اس کا ان پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اللہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

طلاق کی عدت بیان کرنے کے بعد اب وفات کی عدت بیان کی جا رہی ہے کہ اگر کوئی آدمی وفات پا

جائے اور اس کی بیوی غیر حاملہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اس کے بعد اگر وہ عورت شرعی حدود میں زینت اختیار کرے اور شادی کرنے کا ارادہ ظاہر کرے تو اولیاء کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اسے منع کریں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے اس عورت کے بارے میں پوچھا گیا جس سے کسی آدمی نے نکاح کیا مگر اس سے ازدواجی تعلق قائم کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا اور اس نے اس کے لیے مہر کا تعین بھی نہیں کیا تھا۔ لوگوں نے اس مسئلہ کے لیے سیدنا ابن مسعودؓ کی طرف کئی بار رجوع کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں اس کا جواب اپنی رائے سے دیتا ہوں۔ اس عورت کو مہر کامل ملے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اسے مہر مثل ملے گا، نہ کم اور نہ زیادہ اور اسے عدت بھی گزارنا ہو گی اور اسے میراث سے حصہ بھی ملے گا۔ اگر یہ فیصلہ صحیح ہوا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گا اور اگر غلط ہوا تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہو گا اور اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہوں گے۔ آپ کا یہ جواب سن کر سیدنا معقل بن سنان اشجعیؓ نے کہا، اے ابن مسعود! میں نے سنا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی بزوع بنت واشق کے بارے میں یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ یہ بات سن کر سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے بے حد خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا کہ ان کا فیصلہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فیصلے سے موافقت کر گیا ہے۔ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ اشجع خاندان کے کچھ لوگ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بزوع بنت واشق کے بارے میں یہی فیصلہ فرمایا تھا۔[1]

سیدہ سبیعہ اسلمیہؓ بیان کرتی ہیں کہ ان کے شوہر سعد بن خولہؓ جب حجۃ الوداع میں فوت ہوئے تو وہ حاملہ تھیں، ان کی وفات کے کچھ ہی دن بعد انھوں نے بچے کو جنم دے دیا۔ ایک روایت میں الفاظ یہ

۱۔[أبوداؤد، کتاب النکاح، باب فیمن تزوج ولم یسم لھا صداقاً حتی مات: ۲۱۱۶۔ ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأۃ فیموت عنھا قبل أن یغرض لھا: ۱۱۴۵۔ مسند أحمد: ۳/ ۴۸۰، ح: ۱۵۹۴۹]

ہیں کہ انھوں نے چند راتوں کے بعد ہی بچے کو جنم دے دیا۔ جب وہ نفاس سے فارغ ہوئیں تو انھوں نے منگنی کا پیغام بھیجنے والوں کے لیے آرائش و زیبائش کا اہتمام کیا۔ تو ان کے پاس بنی عبدالدار کے آدمی ابوسنابل بن بعکک رضی اللہ عنہ آئے تو انھوں نے کہا، کیا بات ہے؟ شاید تم نے منگنی کا پیغام دینے والوں کے لیے آرائش و زیبائش کر رکھی ہے، شاید تمھارا نکاح کا ارادہ ہے؟ واللہ! تم چار ماہ دس دن سے پہلے نکاح نہیں کر سکتیں۔ سبیعہ نے کہا کہ جب انھوں نے یہ بات کہی تو میں نے شام کے وقت کپڑے بدلے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجھے فتویٰ دیا کہ بچے کو جنم دینے کے بعد تم حلال ہو گئی ہو اور آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو نکاح کر سکتی ہو۔ (۱)

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”کسی بھی عورت کے لیے، جس کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ہو، یہ حلال نہیں کہ وہ کسی بھی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ منائے، ہاں، البتہ وہ اپنے شوہر کی وفات کی صورت میں چار ماہ دس دن تک سوگ منائے گی۔“ (۲)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آ کر عرض کی، اے اللہ کے رسول! میری بیٹی کا شوہر فوت ہو گیا ہے اور اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے تو کیا ہم اس کی آنکھوں میں سرمہ ڈال سکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں!“ آپ نے دو یا تین بار فرمایا: ”نہیں!“ پھر فرمایا: ”یہ مدت چار ماہ اور دس دن ہے، جبکہ تم میں سے کوئی ایک زمانہ جاہلیت میں ایک سال تک انتظار

۱۔[بخاری، کتاب المغازی، بابٌ: ۳۹۹۱۔ مسلم، کتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفی عنها وغیرها بوضع الحمل: ۱۴۸۴]

۲۔[بخاری، کتاب الطلاق، باب تحد المتوفی عنها أربعة أشهر وعشرًا: ۵۳۳۴۔ مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الإحداد فی عدة الوفاة۔۔۔ الخ: ۱۴۸۶]

کر کے مینگنی پھینکتی تھی (تب عدت سے فارغ ہوتی تھی)۔"[۱]

زینب بنت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا شوہر فوت ہوجاتا تو وہ ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں خراب کپڑے پہن کر بیٹھ جاتی تھی اور خوشبو نہیں لگاتی تھی، یہاں تک کہ ایک سال گزرے، پھر کوئی جانور گدھا یا بکری یا پرندہ لایا جاتا، پھر وہ عورت اس پر ہاتھ پھیرتی، بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ وہ جانور زندہ بچتا، ورنہ اکثر مرجاتا تھا، پھر وہ اس کوٹھڑی سے نکلتی، پھر اسے مینگنی دی جاتی، وہ مینگنی پھینکتی، پھر وہ جو خوشبو وغیرہ چاہتی لگاتی۔ (ایک اور روایت میں ہے کہ) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب کتا اس کے پاس سے گزرتا تو وہ اسے مینگنی مارتی تھی۔"[۲]

وَالَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ (الآیۃ) یہ اس بیوہ کی عدت کا بیان ہے جس کو حمل نہ ہو اور اگر حمل ہو تو بچہ پیدا ہونے تک اس کی عدت ہے خواہ جنازہ لے جانے سے پہلے ہوجائے یا چار مہینے دس دن سے بھی زیادہ میں ہو۔

مسئلہ: جس کا خاوند انتقال کر جائے اس عورت کو عدت کے اندر خوشبو لگانا، سنگار کرنا، سرمہ، تین بلا ضرورت دوا لگانا، رنگین کپڑے پہننا درست نہیں، نکاح کے بارے میں صریح گفتگو بھی درست نہیں جیسا کہ اگلی آیت میں آتا ہے، اور رات کو دوسرے گھر میں رہنا بھی درست نہیں۔

مسئلہ: اگر چاند رات کو خاوند کی وفات ہوئی ہو تب تو یہ مہینے خواہ انتیس کے ہوں یا تیس کے چاند کے

۱۔[بخاری، کتاب الطلاق، باب تحد المتوفی عنها أربعة أشهر وعشرًا: ۵۳۳۶۔ مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الحداد فی عدۃ الوفاۃ۔۔۔الخ: ۱۴۸۸]

۲۔[بخاری، کتاب الطلاق، باب تحد المتوفی عنها أربعة أشهر وعشرًا: ۵۳۳۷۔ مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب ال إحداد فی عدۃ الوفاۃ۔۔۔الخ: ۱۴۸۹]

حساب سے پورے کیے جائیں گے اور اگر چاندرات کے بعد وفات ہوئی ہو تو یہ سب مہینے تیس تیس دن کے حساب سے پورے کیے جائیں گے، کل ایک سوتیس دن پورے کرے گی اور جب وہی وقت آئے گا جس وقت وفات ہوئی تھی تو عدت پوری ہو جائے گی۔

﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٣٥﴾ ﴾

اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس بات میں کہ تم ان عورتوں کو اشارہ و کنایہ سے پیغام نکاح دو یا تم اپنے دلوں میں چھپائے رہو۔ اللہ جانتا ہے کہ تم ضرور ان کا ذکر کرو گے۔ لیکن چپکے سے ان کے ساتھ نکاح کا قول و قرار نہ کر بیٹھو مگر یہ کہ کہو ان سے دستور کے مطابق کوئی بات۔ اور عقد نکاح کا عزم اس وقت تک نہ کرو جب تک قانون اپنی

مدت کو نہ پہنچ جائے۔اور جان لو یقیناً اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔سو اس سے ڈرتے رہو۔اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بردبار ہے)۔

پیغام نکاح: مطلب یہ کہ صراحت کے بغیر نکاح کی چاہت کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں، میں ایسی ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرا جوڑا بھی ملا دے، انشاء اللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا، میں کسی نیک دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو عدت کے اندر ایسے مبہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں۔ جیسا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت فاطمہ بن قیسؓ سے فرمایا تھا جبکہ ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے انھیں آخری تیسری طلاق دے دی تھی کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا، عدت کا زمانہ حضرت ابن مکتومؓ کے ہاں گزارو، جب حضرت فاطمہؓ نے عدت نکل جانے کے بعد حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اطلاع دی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے جن کا مانگا تھا، نکاح کرا دیا، ہاں رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اس کے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشارتاً کنایۃً بھی اپنی رغبت ظاہر کرے واللہ اعلم۔ یہ فرمان کہ تم اپنے نفس میں چھپاؤ یعنی منگنی کی خواہش، ایک جگہ ارشاد ہے تیرا رب ان کے سینوں میں پوشیدہ کو اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے۔ دوسری جگہ تمہارے باطل وظاہر کا جاننے والا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا تھا کہ تم اپنے دلوں میں ضرور ذکر کرو گے اس واسطے اس نے تنگی ہٹا دی، لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدے نہ کرو، یعنی زنا کاری سے بچو، ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں، تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کرو گی وغیرہ۔ عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا

حلال نہیں، نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور پر عدت میں نکاح کرلے اور عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرے، پس یہ سب اقوال اس آیت کے عموم میں آسکتے ہیں اسی لیے فرمان ہوا کہ مگر یہ کہ تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دیا کہ جلدی نہ کرنا، عدت گزر جانے کی مجھے بھی خبر کرنا وغیرہ۔ جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منعقد نہ کیا کرو، علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں۔ اگر کسی نے کرلیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرادی جائے گی، اب آیا یہ عورت اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر سکتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ جب عورت کا نکاح عدت کے اندر کر دیا جائے گا اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملا تو ان دونوں میں جدائی کرادی جائے گی اور جب اس کے پہلے خاوند کی عدت گزر جائے تو یہ شخص منجملہ اور لوگوں کو اس کے نکاح کا پیغام ڈال سکتا ہے اور اگر دونوں میں ملاپ بھی ہو گیا ہے جب بھی جدائی کرادی جائے گی اور پہلے خاوند کو عدت گزار کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا، اس فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اس کی خلاف سزا دی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کیلئے حرام کردی گئی، جیسا کہ قاتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ نے امام مالکؒ سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے، امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحب کا یہی تھا لیکن جدید قول آپ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علیؓ کا یہی فتویٰ ہے۔ حضرت عمرؓ والا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس بات سے رجوع کرلیا

ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کردے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔ پھر فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، اس کا لحاظ اور خوف رکھو اپنے دل میں عورتوں کے متعلق فرمان باری کیخلاف خیال بھی نہ آنے دو۔ ہمیشہ دل کو صاف رکھو، برے خیالات سے اسے پاک رکھو۔ ڈر، خوف کے حکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طمع اور لالچ بھی دلائی اور فرمایا کہ الہ العالمین خطاؤں کو بخشنے والا اور حلم وکرم والا ہے۔

اس آیت میں شوہر کی وفات کی عدت گزارنے والی اور مطلقہ بائنہ کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ عدت گزرنے سے پہلے ایسی عورتوں کو شادی کا پیغام تو نہیں دیا جا سکتا، البتہ جو شخص شادی کرنا چاہے وہ اشارے کنائے میں اسے یہ سمجھانے کی کوشش کرسکتا ہے کہ وہ اس سے شادی کی خواہش رکھتا ہے، لیکن پوشیدہ طور پر اس سے شادی کی بات طے کرلینا جائز نہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس (رض) بیان کرتے ہیں : (فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ) سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص (کسی ایسی عورت سے جو عدت میں ہو) یہ کہے کہ میرا شادی کرنے کا پروگرام ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے کوئی نیک بیوی عطا فرمائے۔ [1]

سیدہ فاطمہ بنت قیس ؓ بیان کرتی ہیں کہ جب ان کے شوہر ابو عمرو بن حفص ؓ نے انھیں تیسری طلاق بھی دے دی تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انھیں حکم دیا کہ وہ ابن ام مکتوم ؓ کے گھر میں عدت گزاریں اور فرمایا: ”جب تمہاری عدت پوری ہوجائے تو مجھے بتا دینا۔“ وہ کہتی ہیں کہ جب میری عدت پوری ہوگئی تو میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اطلاع دی تو آپ نے فرمایا: ”اسامہ بن زید ؓ

۱۔[بخاری، کتاب النکاح، باب قول اللہ عزوجل (ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ۔۔الخ):٥١٦٤]

سے نکاح کرلو۔‘‘[1]

مگر وہ عورت جسے رجعی طلاق دی گئی ہو تو اس کے شوہر کے سوا کسی دوسرے شخص کے لیے اشارہ کنایہ سے بات کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ ابھی تک اس پر اس کے شوہر کا حق ہے۔

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّآ أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوٓا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾﴾

تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اپنی عورتوں کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ ہاتھ لگاؤ یا مہر مقرر

۱۔[مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لانفقة لها: ١٤٨٠۔ مسند أحمد: ٤١٢/٦، ح: ٢٧٣٩٤]

کرواس صورت میں ان کو کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہیے خوش حال آدمی اپنی حیثیت سے اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے مطابق معروف طریقہ سے دے یہ حق ہے نیک آدمیوں پر۔ ۲۳۶) اور اگر تم ان کو اس سے پہلے طلاق دو کہ ان کو چھوا ہو حالانکہ ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس صورت میں اس کا آدھا ہے جتنا تم نے مقرر کیا ہے، مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، اور یہ بات کہ تم معاف کر دو زیادہ قریب ہے تقویٰ سے۔ اور نہ بھولو آپس میں احسان کرنے کو، بیشک اللہ اس کو دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

(۲۳۷

تم پر کوئی حرج کی بات نہیں اگر تم عورتوں کو ایسی حالت میں جدا کر دو یعنی طلاق دے دو کہ نہ تم نے ان کے ساتھ صحبت کی وہ اور نہ ان کے لیے حق مہر کی کوئی مقدار مقرر کی ہو اور اس طلاق کا ایک جوڑا دے دو، جو صاحب وسعت پر اس کے مال کی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق واجب ہے، یہ جوڑا دینا مہر کے اوپر ہے (کہ اس صورت میں مہر نہیں) جس میں تین کپڑے دیے جائیں گے ایک قمیض ایک شلوار اور ایک بڑی چادر، یہ چیز مسلمانوں پر لازم ہے اس لیے کہ یہ جوڑا حق مہر کے قائم مقام ہے، اب اللہ تعالیٰ اس شخص کے بارے میں بیان کرتا ہے جو عقد نکاح کے وقت مہر متعین کرے اور اگر صحبت یا خلوت صحیحہ سے پہلے ان کو طلاق دے دو اور ان کے لیے تم نے مہر بھی مقرر

کیا ہے تو جو تم نے مہر متعین کیا ہے اس کا آدھا دینا تم پر واجب ہے۔ (مگر کچھ صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں) ایک یہ کہ عورت ہی خود اپنے حق مہر کو جو خاوند پر واجب ہے معاف کر ڈالے یا خاوند کا جو عورت پر حق ہے خاوند اس کو چھوڑ دے اور پورا حق مہر عورت کو دے دے کہ ان دونوں صورتوں میں دونوں کو لینے دینے کا کچھ حق نہیں اور تمہارا خود اپنے حق کو چھوڑ دینا یہ متقین حضرات کے لیے تقویٰ کے زیادہ قریب ہے یعنی میاں بیوی سے کہا جائے کہ وہ اپنے اس حق کو معاف کر دے جو ایک دوسرے پر واجب ہے تو یہ چیز تقویٰ سے زیادہ قریب ہے میاں بیوی کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے سے غفلت نہیں برتنی چاہیے، اللہ تعالیٰ اس احسان اور بھلائی کو اچھی طرح دیکھ رہے ہیں۔ (۱)

حق مہر کب اور کتنا

عقد نکاح کے بعد دخول سے بھی طلاق کا دینا مباح ہو رہا ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں مراد "مس" سے نکاح ہے دخول سے پہلے طلاق دے دینا بلکہ مہر کا بھی ابھی تقرر نہیں ہوا اور طلاق دے دینا بھی جائز ہے، گو اس میں عورت کے بیحد دل شکنی ہے، اسی لیے حکم ہے کہ اپنے مقدور بھر اس صورت میں مرد کو عورت کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کا اعلیٰ حصہ خادم ہے اور اس سے کمی چاندی ہے اور اس سے کم کپڑا ہے یعنی اگر مالدار ہے تو غلام وغیرہ دے اور اگر مفلس ہے تو کم سے کم تین کپڑے دے۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں درمیانہ درجہ اس فائدہ پہنچانے کا یہ ہے کہ کرتہ دوپٹہ لحاف اور چادر دے دے۔ تشریح فرماتے ہیں پانچ سو درہم دے، ابن سیرینؒ فرماتے ہیں غلام دے یا خوراک دے یا کپڑے لتے دے، حضرت حسن بن علیؓ نے دس ہزار دیئے تھے لیکن پھر بھی وہ بیوی

۱۔ تفسیر ابن عباس

صاحبہ فرماتی تھیں کہ اس محبوب مقبول کی جدائی کے مقابلہ میں یہ حقیر چیز کچھ بھی نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر دونوں اس فائدہ کی مقدار میں تنازعہ کریں تو اس کے خاندان کے مہر سے آدھی رقم دلوادی جائے، حضرت امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ کسی چیز پر خاوند کو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ کم سے کم جس چیز کو متعہ یعنی فائدہ اور اسباب کہا جا سکتا ہے وہ کافی ہوگا۔ میرے نزدیک اتنا کپڑا متعہ ہے جتنے میں نماز پڑھ لینی جائز ہو جائے، گو پہلا قول حضرت الامام کا یہ تھا کہ مجھے اس کا کوئی صحیح اندازہ معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تیس درہم ہونے چاہئیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے، اس بارے میں بہت سے اقوال ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ اسباب دینا چاہیے یا صرف اسی صورت کو جس سے میل ملاپ نہ ہوا ہو، بعض تو سب کیلئے کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ آیت (وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ)2۔ البقرۃ:241) پس اس آیت کے عموم سے سب کیلئے وہ ثابت کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی دلیل یہ بھی ہے آیت (فَتَعَالَيۡنَ اُمَتِّعۡكُنَّ وَاُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِيۡلًا)33۔ الاحزاب:28) یعنی اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تمہاری چاہت دنیا کی زندگی اور اسی کی زینت کی ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ اسباب بھی دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں، پس یہ تمام ازواج مطہراتؓ وہ تھیں جن کا مہر بھی مقرر تھا اور جو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں بھی آ چکی تھیں، سعید بن جبیرؒ، ابوالعالیہؒ، حسن بصریؒ کا قول یہی ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے اور بعض تو کہتے ہیں کہ ان کا نیا اور صحیح قول یہی ہے واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں اسباب کا دینا اس طلاق والی کو ضروری ہے جس سے خلوت نہ ہوئی ہو گو مہر مقرر ہو چکا ہو کیونکہ قرآن کریم میں ہے آیت (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نَكَحۡتُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ

طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا (33۔الاحزاب:49) یعنی اے ایمان والوتم جب ایمان والی عورت سے نکاح کرلو پھر انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دوتو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت نہیں جو عدت وہ گزاریں تم انھیں کچھ مال اسباب دے دواور حسن کردار سے چھوڑ دو، سعید بن مسیبؒ کا قول ہے کہ سورہ احزاب کی یہ آیت سورہ بقرہ کی آیت سے منسوخ ہوچکی ہے۔ حضرت سہل بن سعدؓ اور ابواسید ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت امیہ بنت شرجبیلؓ سے نکاح کیا جب وہ رخصت ہوکر آئیں اور آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے برا مانا، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ابواسید سے فرمایا اسے دورنگین کپڑے دے کر رخصت کرو، تیسرا قول یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں بطور فائدہ کے اسباب ومتاع کا دینا ضروری ہے جبکہ عورت کی وداع نہ ہوئی ہواور مہر بھی مقرر نہ ہوا ہواور اگر دخول ہوگیا ہوتو مہر مثل یعنی خاندان کے دستور کے مطابق دینا پڑے گا اگر مقرر نہ ہوا ہواور اگر مقرر ہوچکا ہواور رخصت سے پہلے طلاق دے دے تو آدھا مہر دینا پڑے گا اور اگر رخصتی بھی ہوچکی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا اور یہی متعہ کا عوض ہوگا۔ ہاں اس مصیبت زدہ عورت کیلئے متعہ ہے جس سے نہ ملاپ ہوا نہ مہر مقرر ہوا اور طلاق مل گئی۔ حضرت ابن عمرؓ اور مجاہدؒ کا یہی قول ہے، گو بعض علماء اسی کو مستحب بتلاتے ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیے ان کے سوا جو مہر مقرر کئے ہوئے نہ ہوں اور نہ خاوند بیوی کا میل ہوا ہو، یہی مطلب سورہ احزاب کی اس آیت تخیر کا ہے جو اس سے پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان ہوچکی ہے اور اسی لیے یہاں اس خاص صورت کیلئے فرمایا گیا ہے کہ امیر اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی طاقت کے مطابق۔ حضرت شعبیؒ سے سوال ہوتا ہے کہ یہ اسباب

نہ دینے والا کیا گرفتار کیا جائے گا؟ تو آپ فرماتے ہیں اپنی طاقت کے برابر دے دے، اللہ کی قسم اس بارے میں کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی لوگ ضرور ایسے شخص کو قید کر لیتے۔

اس اعانت کو "متعہ طلاق" کہا جاتا ہے۔ سہل بن سعدؓ اور ابواسیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے امیمہ بنت شراحیلؓ سے نکاح کیا، اسے جب آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ نے اپنا دست مبارک اس کی طرف بڑھایا تو اس نے گویا اسے ناپسند کیا تو آپ نے ابواسیدؓ کو حکم دیا کہ اسے (رخصت کرنے کے لیے) تیار کر دیا جائے اور اسے سفید کتان کے دو (سوتی) کپڑے پہننے کے لیے دے دیے جائیں۔ [۱]

ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتمؒ، بیہقیؒ نے سنن میں، حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن اوتفرضوالھن فریضۃ" میں المس سے مراد نکاح ہے اور فریضہ سے مراد مہر "ومتعوھن" کے بارے میں فرماتے ہیں جس نے کسی عورت سے شادی کی اور اس کے لیے مہر مقرر نہ کیا۔ پھر اس کو دخول سے پہلے طلاق دیدی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نفع پہنچانے کا حکم فرمایا اپنی تنگی اور اپنی مالداری کے لحاظ سے اگر وہ مالدار ہے تو اس کو خادم دینے کے ساتھ نفع پہنچائے اور اس طرح کوئی دوسرا نفع، اور اگر تنگدست ہے تو اس کو تین کپڑے دے یا اس طرح کی کوئی اور چیز۔

(۲) ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتمؒ نے عکرمہؒ کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ عتبہ طلاق میں اعلیٰ ترین خادم کا دینا ہے اور اسے کم چاندی ہے اور اس سے کم کپڑا ہے۔

۱۔ [بخاری، کتاب الطلاق، باب من طلق۔۔۔ الخ: ۵۲۵۶، ۵۲۵۷]

(۳) عبدالرزاقؒ، ابن المنذرؒ، بیہقیؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے ایک مالدار کو متعہ کا حکم فرمایا اور فرمایا تو اس کو اتنا (مال) دے اور تو اس کو اتنا پہنائے سو حساب لگایا گیا تو تیس درہم کی مقدار بنتا تھ۔

(٤) عبدالرزاقؒ، عبد بن حمیدؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ سب سے کم نفع پہنچانا تیس درہم ہے۔

(٥) ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ آدمی جب اپنی عورت کو مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دیدے اور یہ بھی کہا گیا کہ دخول سے پہلے طلاق دیدے تو اس پر صرف متعہ واجب ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے: البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے۔ (تو درست ہے) (البقرہ:۲۳۷)

نکاح کی گرہ کا مالک شوہر ہے یا عورت کا ولی:؟

اس میں اختلاف ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اس سے مراد شوہر ہے یا عوت کا ولی، اگر اس سے مراد شوہر ہو تو اس آیت کا وہ معنی ہوگا جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور اگر اس سے مراد عورت کا ولی ہو تو معنی یہ ہوگا: البتہ عورتیں (نصف مہر سے) کچھ معاف کردیں یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے یعنی ولی وہ کچھ معاف کردے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس سے مراد شوہر ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک اس سے مراد عورت کا ولی ہے۔

علامہ قرطبی مالکیؒ لکھتے ہیں: جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اس سے ولی کے مراد ہونے پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: البتہ عورتیں (نصف مہر سے) کچھ معاف کردیں، اور یہ بات معلوم ہے کہ ہر عورت اپنے مہر کو معاف نہیں کرسکتی، کیونکہ صغیرہ اور مجنونہ اپنے حقوق میں خود تصرف نہیں کرسکتی اس کے

حق میں اس کا ولی تصرف کرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ذکر کے بعد اس کے ولی کا ذکر فرمایا' یعنی جس کو وہ معاف کرسکتی ہیں وہ معاف کر دیں اور جس کو وہ معاف نہیں کر سکتیں اس کو ان کا ولی معاف کر دے۔[۱]

علامہ قرطبی ؒ کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ ولی یعنی لڑکی کے باپ کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ لڑکی کے مال سے کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے' خود کو نہ کسی اور کو نیز جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ صرف شوہر ہے' اسی کو اختیار ہے کہ وہ نکاح پر برقرار رہ کر نکاح کی گرہ کو قائم رکھے یا طلاق دے کر نکاح کی گرہ کو کھول دے اور لڑکی کے ولی کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ مطلق نہیں ہے حقیقۃ نہ مجازاً' علامہ ابوبکر جصاص حنفی نے اسی طرح لکھا ہے۔[۲]

شوہر کے حق میں عقد نکاح کی ملکیت پر جمہور کے دلائل

علامہ ابن جوزی حنبلی ؒ لکھتے ہیں: جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اس کے مصداق کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) حضرت علیؓ ' حضرت ابن عباسؓ حضرت جبیر بن معطمؓ ' ابن المسیبؒ ' ابن جبیرؒ ' مجاہدؒ ' شریح' جابر بن زیدؒ ' ضحاکؒ ' محمد بن کعب القرظیؒ ' الربیع بن انسؒ ' ابن شبرمہؒ ' امام شافعیؒ ' امام احمدؒ ' امام ابوحنیفہؒ اور دیگر فقہاءؒ کا مسلک یہ ہے کہ اس سے مراد شوہر ہے۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ' حسنؒ ' علقمہؒ ' طاؤسؒ ' شعبیؒ' ابراہیمؒ اور دیگر حضرات کا یہ نظریہ ہے کہ

۱۔(الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۲۰۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

۲۔(احکام القرآن ج ۱ ص ۴۴۰' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

اس سے مراد ولی ہے۔

(۳) عورتوں کا معاف کرنا شادی شدہ عورتوں پر محمول ہے اور اگر لڑکی کنواری ہو تو پھر اس کا ولی معاف کرے گا، یہ بھی حضرت ابن عباسؓ اور ابوالشعثاءؒ سے منقول ہے۔

ان تینوں اقوال میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ نکاح کے بعد نکاح کی گرہ ولی کے ہاتھ سے نکل کر خاوند کے ہاتھ میں آ گئی، اور معاف کرنے کا تعلق اس چیز کے ساتھ ہے جو انسا کی ملکیت میں ہو، اور مہر ولی کی ملکیت میں نہیں ہے تو وہ اس کو معاف کرنے کا بھی مالک نہیں ہے، نیز اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تم ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرنے میں (ہبہ کرنے) کو فراموش نہ کرو، اور انسان اپنے مال سے کسی کو کوئی چیز ہبہ کر سکتا ہے دوسرے کے مال سے کوئی چیز ہبہ نہیں کر سکتا، لہٰذا سیاق وسباق کے اعتبار سے یہاں شوہر کو مراد لینا ہی صحیح ہے۔ [۱]

شوہر کے حق میں عقد نکاح کی ملکیت کے متعلق احادیث:

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اس آیت میں شوہر کے مراد ہونے پر متعدد روایات بیان کی ہیں، بعض ازاں یہ ہیں:

امام ابن جریرؒ، امام ابن ابی حاتمؒ، امام طبرانیؒ، اور امام بیہقیؒ، نے سند حسنؒ کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ شوہر ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ، امام عبد بن حمیدؒ، امام ابن جریرؒ امام ابن ابی حاتمؒ، امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ نے

۱۔ (زاد المیسر ج۱ ص ۲۸۱، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کیا ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ شوہر ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ ' امام ابن المنذرؒ ' امام ابن جریرؒ اور امام بیہقیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ شوہر ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ نے سعید بن جبیرؒ ' مجاہدؒ، ضحاکؒ ' شریح ابن المسیبؒ ' شعبیؒ ' نافعؒ اور محمد بن کعبؒ سے روایت کیا ہے کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ شوہر ہے۔

امام عبدالرزاقؒ نے ابن المسیبؒ سے روایت کیا ہے کہ زوج کا عفو یہ ہے کہ وہ پورا مہر دے اور بیوی کا عفو یہ ہے کہ وہ نصف مہر معاف کر دے۔ (۱)

﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ ﴾

نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیان والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کی حالت میں کھڑے ہوا کرو۔

حفاظت نماز کی تاکیدات اور نماز میں سستی اور اس کو ترک کرنے پر وعیدات:

حافظ جلال الدین سیوطیؒ بیان کرتے ہیں:

امام بخاریؒ ' امام مسلمؒ ' اور امام نسائیؒ ' حضرت ابوایوبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آکر عرض کیا: مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت کے قریب

۱۔(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۹۲ ' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

اور دوزخ سے دور کردے' آپ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ شریک نہ کرو' نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرو' جب وہ شخص چلا گیا تو آپ نے فرمایا: اگر اس شخص نے اس پر عمل کیا تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔

امام ابویعلیؒ ' حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دین کی جس چیز کو سب سے پہلے لوگوں پر فرض کیا وہ نماز ہے' اور جو چیز سب سے آخر میں باقی رہے گی وہ نماز ہے اور سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندوں کی نمازوں کو دیکھو' اگر وہ مکمل ہوں تو مکمل لکھ دی جائیں گی' اور اگر وہ ناقص ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا' دیکھو کیا اس کے نوافل ہیں؟ اگر اس کے نوافل ہوں گے تو فرائض کی کمی نوافل سے پوری کردی جائے گی' پھر فرمائے گا: دیکھو اس کی زکوۃ پوری ہے؟ اگر زکوۃ پوری ہو تو پوری لکھ دی جائے گی اور اگر ناقص ہو تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو اس نے کوئی صدقہ کیا ہے؟ اگر اس نے صدقہ کیا ہو گا تو اس صدقہ سے اس کی زکوۃ پوری کردی جائے گی۔

امام طبرانیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: قیامت کے دن جس چیز کا سب سے پہلے بندے سے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے' اگر نماز درست ہو تو باقی عمل بھی درست ہوں گے اور اگر نماز فاسد ہو تو باقی عمل بھی فاسد ہوں گے۔

امام طبرانیؒ ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص امانت دار نہ ہو اس کا کوئی ایمان نہیں' جس کا وضو نہ ہو اس کی کوئی نماز نہیں اور جس کی نماز نہ ہو اس کا کوئی دین نہیں' دین میں نماز ایسی ہے جیسے جسم میں سر ہے۔

امام بزارؒ، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس کی نماز نہ ہو اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

امام طبرانیؒ، حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: قیامت کے دن جو شخص پانچ نمازیں لے کر آیا جن کے وضوء ان کے اوقات اور ان کے رکوع اور سجود کی اس نے حفاظت کی ہوئی ہو، اس شخص کے ساتھ اللہ کا عہد ہے کہ وہ اس کو عذاب نہیں دے گا، اور جس نے ان میں سے کسی چیز میں کمی کی اس کے ساتھ اللہ کا کوئی عہد نہیں ہے، اگر اللہ چاہے تو اس پر رحم فرمائے اور چاہے تو اس کو عذاب دے۔

امام طبرانیؒ، حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس نے تین چیزوں کی حفاظت کی وہ یقیناً (اللہ کا) ولی ہے اور جس نے ان کو ضائع کیا وہ یقیناً (اللہ کا) دشمن ہے: نماز روزہ اور جنابت"۔

امام طبرانیؒ، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص نے اپنے وقت میں نماز پڑھی اور اس کے لیے مکمل وضو کیا اور نماز کے قیام، خشوع، رکوع، اور سجود کو پوری طرح ادا کیا تو وہ نماز سفید اور روشن ہوگی اور اس شخص سے کہے گی: اللہ تعالیٰ تیری بھی اسی طرح حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی ہے اور جس نے وقت نکلنے کے بعد نماز پڑھی، اس کے لیے مکمل وضو نہیں کیا اور نہ اس کے خشوع، رکوع اور سجود کو پوری طرح ادا کیا وہ نماز سیاہ اندھیری ہوگی اور کہے گی: اللہ تجھے بھی اس طرح ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے حتی کہ جب اللہ چاہے گا اس نماز کو پرانے کپڑے میں لپیٹ کر اس شخص کے منہ پر مار دے گا۔

امام احمدؒ، امام طبرانیؒ اور امام ابن مردویہؒ، حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ہم ظہر کی نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے اور فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ ہم نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تمہارا رب یہ فرماتا ہے کہ جس شخص نے نماز اپنے وقت میں پڑھی، اس کی حفاظت کی اور اس کے حق میں معمولی سمجھ کر ضائع نہیں کیا اس کے ساتھ میرا یہ عہد ہے کہ میں اس کو جنت میں داخل کروں گا، اور جس شخص نے نماز اپنے وقت میں نہیں پڑھی، اس کی حفاظت نہیں کی، اور اس کے حق کو معمولی جان کر ضائع کیا، اس کے ساتھ میرا کوئی عہد نہیں ہے اگر میں چاہوں تو اس کو عذاب دوں اور اگر میں چاہوں تو اس کو معاف کردوں۔

امام دارمی حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جنت کی چابی نماز ہے۔

امام دیلمیؒ، حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نماز دین کا ستون ہے۔

امام بیہقیؒ نے "شعب الایمان" میں حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کون سی چیز دین میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا، جس شخص نے نماز کو ترک کیا اس کا کوئی دین نہیں، نماز دین کا ستون ہے۔

امام ابن ماجہؒ، امام ابن حبانؒ، امام حاکمؒ تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقیؒ اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مستقیم رہو اور تم ہرگز نہ رہ سکو گے اور جان لو کہ تمہارا بہترین عمل نماز ہے اور مومن کے سوا اور کوئی شخص ہمیشہ باوضو ہرگز نہ رہ سکے گا۔

امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہؒ، حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں:
جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ وہ کل اللہ سے حالت اسلام میں ملاقات کرے، اسے چاہیے کہ جب ان نمازوں کی اذان ہو تو وہ ان کی حفاظت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے سنن الھدی کو مشروع کیا ہے اور ہمارے عہد میں منافق کے سوا اور کوئی جماعت کو نہیں چھوڑتا تھا، اور ہم نے دیکھا ہے کہ ایک آدمی دو آدمیوں کے سہارے سے چل کر صف میں جا کر کھڑا ہوتا تھا، اور ہر شخص کے لیے اس کے گھر میں نماز کی جگہ ہوتی ہے اور اگر تم نے اپنے گھروں میں نماز پڑھی اور اپنی مسجدوں کو چھوڑ دیا تو تم اپنے نبی کی سنت کو ترک کرو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت کو ترک کیا تو تم کافر ہو جاؤ گے۔

اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ جس نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت کو بہ طور استخفاف یا بہ طور اہانت ترک کیا وہ کافر ہو جائے گا، یا کفر بہ معنی کفران نعمت ہے۔

امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ، امام ابن ماجہؒ اور امام حاکمؒ تصحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: قیامت کے دن بندہ کے عمل سے جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے، اگر وہ صحیح ہوئی تو وہ کامیاب اور کامران ہو گیا اور اگر وہ فاسد ہوئی تو وہ ناکام اور نامراد ہو گیا اور اگر اس کے فریضہ میں کچھ کمی ہوئی تو رب فرمائے گا، دیکھو میرے بندہ کا کوئی نفل ہے جس سے اس کا فرض پورا کیا جائے، پھر باقی اعمال کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہو گا۔

امام احمدؒ اور امام طبرانیؒ نے حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص لوگوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا اور ان کو سلام کیا، لوگوں نے اس کے سلام کا جواب دیا، جب وہ گزر گیا

تو ان میں سے ایک شخص نے کہا: بہ خدا! میں اس شخص سے اللہ کے لیے بغض رکھتا ہوں' لوگوں نے کہا: تم نے بہت بری بات کی ہے' اے فلاں شخص! جاؤ اس کو بلا کر لاؤ وہ شخص اس کو بلا کر لے آیا' اور اس کو بتایا کہ اس کے متعلق کیا کہا گیا ہے' وہ شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں گیا اور کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں مسلمانوں کی ایک مجلس کے پاس سے گزرا' میں نے ان کو سلام کیا اور انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا' جب میں چلا گیا تو ایک شخص نے میرے متعلق کہا: میں اللہ کے لیے اس شخص سے بغض رکھتا ہوں۔ یا رسول اللہ! اس شخص کو بلایئے اور اس سے بغض کی وجہ معلوم کیجیے' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس شخص کو بلایا تو اس نے اعتراف کیا کہ اس نے کہا تھا' اس نے کہا: یہ شخص میرا پڑوسی ہے بہ خدا! میں نے اس کو فرض نماز کے سوا اور کوئی نماز پڑھتے نہیں دیکھا جس کو ہر نیک اور بد پڑھتا ہے' اس نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے پوچھئے کبھی میں نے نماز کو وقت سے موخر کر کے پڑھا یا اس کے وضو میں کوئی کمی کی' یا رکوع اور سجود میں کوئی کوتاہی کی؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا: نہیں پھر اس نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں نے اس شخص کو رمضان کے سوا اور کوئی روزہ رکھتے نہیں دیکھا جس مہینہ میں ہر نیک و بد روزہ رکھتا ہے۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! اس سے پوچھئے میں نے کبھی روزہ کے حق میں کوئی کوتاہی یا کمی کی؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا: نہیں پھر اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے زکوۃ کے سوا اس کو کبھی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور زکوۃ تو ہر نیک و بد ادا کرتا ہے' اس نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے پوچھئے میں نے کبھی زکوۃ کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی یا کمی کی؟ اس نے کہا نہیں' آپ نے فرمایا: اٹھو! یہ تم سے بہتر

ہے۔

امام طبرانیؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے ان سے پوچھا گیا: اسلام کا کون سا درجہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز اور جس نے نماز نہیں پڑھی اس کا کوئی دین نہیں۔

امام ابن شیبہؒ ' امام احمدؒ ' امام ابوداؤدؒ ' امام ترمذیؒ ' امام مسلمؒ ' امام نسائیؒ ' اور امام ابن ماجہؒ، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: انسان اور اس کے کفر کے درمیان نماز کا ترک کرنا ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ ' امام احمدؒ ' امام ابوداؤدؒ ' امام ترمذیؒ ' امام نسائیؒ ' امام ابن ماجہؒ ' امام ابن حبانؒ اور امام حاکمؒ ' حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

امام طبرانیؒ نے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت کیا ہے کہ میرے محبوب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے سات چیزوں کی نصیحت کی' فرمایا: اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرو' خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا تم کو جلا دیا جائے یا تم کو سولی پر چڑھا دیا جائے' اور نماز کو عمدا ترک نہ کرو کیونکہ جس نے عمدا نماز کو ترک کیا وہ ملت اسلام سے نکل گیا اور معصیت کا ارتکاب نہ کرو' کیونکہ اس میں اللہ کی ناراضگی ہے اور شراب نہ پیو کیونکہ یہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

امام ترمذیؒ اور امام حاکمؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب نماز کے سوا اور کسی چیز کے ترک کو کفر نہیں کہتے تھے۔

امام طبرانیؒ ' حضرت ثوبانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کفر

اور ایمان کے درمیان نماز ہے، جس نے نماز ترک کیا اس نے شرک کیا۔

امام بزارؒ اور امام طبرانیؒ، حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ان کی آنکھوں میں تکلیف ہوگئی تو ان سے کہا گیا کہ ہم آپ کا علاج کرتے ہیں آپ چند دن نماز چھوڑ دیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: نہیں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ اللہ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس پر غضب ناک ہوگا۔

امام ابن حبانؒ، حضرت بریدہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بارش کے دن جلدی نماز پڑھ لو کیونکہ جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

امام اصبہانیؒ، حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس نے عمداً نماز ترک کیا اللہ اس کے عمل کو ضائع کر دیتا ہے اور اس کا ذمہ اللہ سے بری ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ سے توبہ کر لے۔

امام ابن ابی شیبہؒ نے "مصنف" میں اور امام بخاریؒ نے اپنی "تاریخ" میں حضرت علیؓ سے روایت کیا کہ جس نے نماز نہیں پڑھی وہ کافر ہے اور ایک روایت ہے: اس نے کفر کیا۔

امام مالکؒ نے نافعؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے عمال کی طرف لکھا کہ میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سے سب سے اہم کام نماز ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت کی اس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ باقی دین کو زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔

امام ترمذیؒ اور امام حاکمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس نے بغیر عذر کے دو نمازوں کو جمع کیا اس نے گناہ کبیرہ کیا۔

امام نسائیؒ اور امام ابن حبانؒ نے حضرت نوفل بن معاویہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص کی ایک نماز فوت ہوگئی گویا اس کے اہل اور مال ہلاک ہو گئے۔ ①

صلوۃ وسطی کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ آلوسی حنفیؒ بیان کرتے ہیں کہ: صلوۃ وسطی (درمیانی نماز) کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد ظہر کی نماز ہے کیونکہ یہ دن کے وسط میں پڑھی جاتی ہے امام ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔

(۲) اس سے مراد عصر کی نماز ہے' کیونکہ یہ دن کی دو نماز اور رات کی دو نمازوں کے درمیان پڑھی جاتی ہے' حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حسن اور متعدد صحابہؓ اور فقہاء کا یہی نظریہ ہے امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

(۳) اس سے مراد مغرب کی نماز ہے' کیونکہ یہ چار رکعت اور دو رکعت کی نمازوں کے درمیان متوسط ہے' حضرت قبیصہ بن ذویبؓ کا یہی نظریہ ہے۔

(٤) اس سے مراد عشاء کی نماز ہے' کیونکہ یہ مغرب اور فجر کی نمازوں کے درمیان ہے جن میں قصر نہیں ہے۔

(٥) اس سے مراد فجر کی نماز ہے' کیونکہ یہ دن اور رات کی نمازوں کے درمیان ہے' نیز یہ وہ منفرد نماز ہے جو دوسری نماز کے ساتھ ملا کر نہیں پڑھی جاتی۔ حضرت معاذؓ' حضرت جابرؓ' عطاءؒ، عکرمہؒ اور مجاہدؒ کا یہی قول ہے۔

ا۔(الدرالمنثور ج۱ ص ۲۹۸،۲۹٤ ملتقطا مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وتر ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد چاشت کی نماز ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عید الفطر ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عید الاضحیٰ ہے ایک قول یہ ہے اس سے مراد تہجد ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نماز جمعہ ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جماعت کے ساتھ نماز ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد صلوۃ خوف ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی اقوال ہیں۔ [1]

زیادہ تر احادیث میں عصر کی نماز کو صلوۃ وسطی کہا گیا ہے اور ظہر اور فجر کی نماز کے متعلق بھی احادیث ہیں' ہم اختصار کے ساتھ ان احادیث کا بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الا استعانہ یلیق"۔

فجر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث:

حافظ جلال سیوطیؒ بیان کرتے ہیں: امام مالکؒ نے "موطا" میں لکھا ہے کہ ہمیں حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ صلوۃ وسطی صبح کی نماز ہے' اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے بھی اپنی "سنن" میں روایت کیا ہے۔

امام ابن جریرؒ نے ابوالعالیہؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بصرہ کی جامع مسجد میں صبح کی نماز پڑھائی اور رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھی اور فرمایا: یہ وہ صلوۃ وسطی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔

امام سعید بن منصورؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: صلوۃ وسطی صبح کی نماز ہے جس کو اندھیرے میں پڑھا جاتا ہے۔

1

امام ابن جریرؒ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ صلوۃ وسطی صبح کی نماز ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ نے حبان ازدیؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: صلوۃ وسطی صبح کی نماز ہے۔ (۱)

ظہر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث:

امام طبرانیؒ نے "معجم اوسط" میں ثقہ راویوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ صلوۃ وسطی کون سی نماز ہے تو انھوں نے کہا: ہم یہ کہتے تھے کہ صلوۃ وسطی وہ نماز ہے جس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کعبہ کی طرف متوجہ کیا گیا اور وہ ظہر کی نماز ہے۔

امام احمدؒ، امام بخاریؒ نے اپنی "تاریخ" میں، امام ابوداؤدؒ، امام ابن جریرؒ، امام طحاویؒ امام ابویعلیؒ، امام طبرانیؒ اور امام بیہقیؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ظہر کی نماز دوپہر میں پڑھتے تھے اور یہ نماز آپ کے اصحاب پر سب سے زیادہ دشوار تھی، تب یہ آیت نازل ہوئی: (آیت) "حافظوا علی الصلوت والصلوۃ الوسطی"۔ (البقرہ:۲۳۸)

نیز اس نماز سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں۔

امام طیالسیؒ، امام ابن ابی شیبہؒ نے "مصنف" میں امام بخاریؒ نے اپنی "تاریخ" میں امام ابن ابی حاتمؒ، امام ابویعلیؒ، اور امام بیہقیؒ نے زہرہ بن معبدؒ سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو لوگوں نے حضرت اسامہؓ کے پاس کسی کو بھیجا اور ان سے صلوۃ وسطی کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: یہ ظہر کی نماز ہے جس کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دوپہر کے وقت پڑھتے تھے۔

۱۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۰۱، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

امام نسائیؒ اور امام طبرانیؒ نے زہریؒ کی سند سے روایت کیا ہے کہ سعید بن مسیبؒ نے کہا: میں لوگوں کے پاس بیٹھا تھا' وہ اس میں بحث کر رہے تھے کہ صلوۃ وسطی کون سی نماز ہے؟ میں ان میں سب سے کم سن تھا۔ انھوں نے مجھے حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس بھیجا تا کہ میں ان سے معلوم کروں کہ صلوۃ وسطی کون سی نماز ہے؟ میں نے ان کے پاس جا کر پوچھا تو انھوں نے کہا: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں ظہر کی نماز دوپہر میں پڑھاتے تھے' لوگ اس وقت گھروں میں سوئے ہوئے ہوتے تھے اور بازاروں میں ہوتے تھے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے ایک صف یا دو صفیں ہوتی تھیں' تو یہ آیت نازل ہوئی: (آیت) "حافظوا علی الصلوت والصلوۃ الوسطی"۔ (البقرہ:۲۳۸) اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: لوگ باز آ جائیں ورنہ میں ان کے گھروں میں آگ لگا دوں گا۔

امام ابن جریرؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: صلوۃ وسطی ظہر کی نماز ہے۔

امام بیہقیؒ اور امام ابن عساکرؒ نے حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے سنا کہ صلوۃ وسطی ظہر کی نماز ہے' پھر وہاں سے حضرت ابن عمرؓ کا گزر ہوا تو لوگوں نے حضرت ابن عمرؓ سے معلوم کیا انھوں نے کہا: صلوۃ وسطی ظہر کی نماز ہے۔

امام ابن جریرؒ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے اور امام ابن ابی شیبہؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا ہے کہ صلوۃ وسطی ظہر کی نماز ہے۔[۱]

۱۔ (روح المعانی ج۱ ص۲۰۲-۳۰۱-۳ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

عصر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث:

امام عبدالرزاق ؒ' امام ابن ابی شیبہ ؒ' امام احمدؒ ' امام بخاری ؒ' امام مسلم ؒ' امام ابوداؤد ؒ' امام ترمذی ؒ' امام نسائی ؒ' امام ابن ماجہ ؒ' امام ابن جریرؒ اور امام بیہقی ؒ' زرؒ سے روایت کرتے ہیں' انھوں نے کہا: عبیدہ ؓ سے کہو کہ وہ حضرت علیؓ سے نماز وسطی کے متعلق سوال کریں' انھوں سے سوال کیا تو حضرت علیؓ نے جواب دیا: ہم یہ خیال کرتے تھے کہ صلوۃ وسطی فجر کی نماز ہے حتی کہ میں نے جنگ خندق کے دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ان کے ساتھ (جنگ میں) مشغول رہنے کی وجہ سے ہم صلوۃ وسطی صلوۃ العصر نہیں پڑھ سکے' اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو اور ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔

امام عبدالرزاق ؒ' امام ابن ابی شیبہ ؒ' امام مسلم ؒ' امام نسائی ؒ' اور امام بیہقی ؒ شیتر بن شکلؒ سے روایت کرتے ہیں' انھوں نے کہا: میں نے حضرت علیؓ سے صلوۃ وسطی کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا: ہمارا خیال یہ تھا کہ یہ صبح کی نماز ہے حتی کہ میں نے جنگ خندق کے دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ انھوں نے ہمیں صلوۃ وسطی پڑھنے سے مشغول کر دیا حتی کہ سورج غروب ہو گیا اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے غروب آفتاب تک ظہر اور عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔

امام ابن ابی شیبہ ؒ' امام ترمذی ؒ اور امام ابن حبانؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: صلوۃ وسطی نماز عصر ہے۔

امام ابن جریر ؒ' امام ابن المنذرؒ اور امام طبرانی ؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جنگ خندق کے دن فرمایا: انھوں نے ہمیں صلوۃ وسطی پڑھنے سے مشغول کردیا حتی کہ سورج غروب ہوگیا' اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو اوران کے پیٹوں کو آگ سے بھردے۔

امام طبرانیؒ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: انھوں نے ہمیں صلوۃ وسطی صلوۃ عصر پڑھنے سے محروم کردیا' اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں کو اوران کے دلوں کو آگ سے بھردے۔

امام احمدؒ' امام ابن جریرؒ اورامام طبرانیؒ نے حضرت سمرۃؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا (آیت) "حافظوا علی الصلوت والصلوۃ الوسطی"۔ (البقرہ: ۲۳۸) اور ہمارے لیے صلوۃ وسطی کا نام صلوۃ عصر رکھا۔

امام عبدالرزاقؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اس کے اہل اور مال ہلاک ہوگئے۔

امام ابن ابی شیبہؒ' ربیع بن خثیمؒ سے روایت کرتے ہیں: ان سے کسی شخص نے صلوۃ وسطی کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: تمام نمازوں کی حفاظت کرو صلوۃ وسطی انھیں میں سے کوئی ایک ہے۔[1]

میں (محمد طاہر (اسلامک ریسرچ اسکالر)) کہتا ہوں کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب سے قیام کرو۔ (البقرہ: ۲۳۸)

باتیں نہ کرنے اور خضوع اور خشوع سے نماز پڑھنے کا حکم

امام بخاریؒ' امام مسلمؒ' امام ابوداؤدؒ' امام ترمذیؒ' امام نسائیؒ' امام ابن جریرؒ' امام ابن خزیمہؒ' امام

ا۔ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۰۵۔۳۰۳ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

طحاوی ؒ‘ امام ابن حبان ؒ‘ امام طبرانیؒ اور امام بیہقی ؒ‘ حضرت زید بن اسلم ؓ سے روایت کرتے ہیں: ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد میں نماز میں باتیں کیا کرتے تھے‘ ہم میں سے ایک شخص اپنے ساتھ نماز میں کھڑے ہوئے شخص سے باتیں کرتا تھا‘ حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی: (آیت) ”وقوموا اللہ قنتین (البقرہ: ۲۳۸) پھر ہمیں نماز میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے منع کر دیا گیا۔

امام عبدالرزاق ؒ‘ امام ابن المنذرؒ اور امام ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ پہلے مسلمان نماز میں باتیں کرتے تھے‘ ایک شخص نماز میں اپنے بھائی کو کسی کام کا حکم دیتا تھا‘ پھر یہ آیت نازل ہوئی: (آیت) ”وقوموا اللہ قنتین (البقرہ: ۲۳۸) پھر ان کو کلام سے روک دیا گیا‘ قنوت کا معنی سکوت ہے اور قنوت کا معنی طاعت ہے۔

امام ابن جریرؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم نماز میں باتیں کیا کرتے ہیں‘ ایک شخص نماز میں اپنے ساتھی سے سرگوشی کرتا‘ ہم ایک دوسرے کو سلام کرتے اور جواب دیتے‘ حتی کہ میں ایک دن نماز میں شامل ہوا اور میں نے سلام کیا تو میرے سلام کا کسی نے جواب نہیں دینے اور کوئی چیز مانع نہیں تھی سوا اس کے کہ ہمیں نماز میں خاموش کھڑے رہنے اور باتیں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور قنوت سکوت ہے۔

امام سعید بن منصورؒ ‘ امام اصبہانیؒ اور امام بیہقی ؒ نے اس آیت کی تفسیر میں مجاہدؒ سے روایت کیا ہے رکوع ‘ خشوع اور رکوع بھی قنوت کا معنی ہے یعنی طویل قیام کرنا‘ نظر نیچے رکھنا‘ بازو جھکائے رکھنا اور اللہ سے ڈرتے رہنا‘ اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب میں سے فقہاء جب نماز کے لیے کھڑے

ہوتے تو ادھر ادھر التفات کرنے، کنکریاں ہٹانے، آنکھیں بند کرنے، کسی چیز کے ساتھ کھیلنے یا دنیاوی کاموں کے متعلق غور و فکر کرنے سے اللہ سے ڈرتے تھے۔

امام ابن ابی شیبہؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: افضل نماز وہ ہے جس میں طویل قنوت (قیام) ہو۔

امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم نماز میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سلام کرتے تھے اور آپ ہمیں جواب دیتے تھے۔ جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس آئے، ہم نے آپ کو سلام کیا، آپ نے ہمیں جواب نہ دیا۔ ہم نے (نماز کے بعد) عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپ کو سلام کرتے تھے اور آپ جواب دیتے تھے؟ آپ نے فرمایا: نماز میں مشغولیت ہے۔ [1]

﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾ ﴾

پھر اگر تم کو خوف ہو تو کھڑے ہوئے یا سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لیا کرو پھر جب تم کو امن حاصل ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

۱۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۰۲، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق ائمہ کی آراء

امام مالکؒ ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس آیت کا تعلق جنگ اور قتال سے بھی ہے یعنی اگر دوران قتال شدید خطرہ اور خوف ہو تو پا پیادہ اور سواری پر بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جہاد اور قتال میں صلوۃ خوف پڑھی جائے اور اگر جنگ کی شدت کی وجہ سے صلوۃ خوف نہ پڑھی جاسکے تو نماز موخر کردی جائے جیسے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جنگ خندق کے دن چار نمازیں موخر کردی تھیں اور قتال کے علاوہ اور کسی صورت میں دشمن کا خوف ہو تو پا پیادہ یا سواری پر نماز پڑھ لی جائے۔

ملا احمد جیون حنفیؒ لکھتے ہیں: حالت خوف میں نماز پڑھتے وقت ضرورت کی بناء پر قبلہ سے توجہ ساقط ہوجاتی ہے یعنی اگر تم کو دشمن سے خوف ہو یا درندہ کا خوف ہو یا کسی اور چیز کا خوف ہو تو تم پر قیام فرض نہیں ہے بلکہ تم کو اس کا اختیار ہے کہ تم پیدل چلتے ہوئے نماز پڑھو یا سواری پر نماز پڑھو اور جس طرف سواری کا منہ ہو اسی طرح اشاروں سے نماز پڑھو' اسی طرح "مدارک" میں ہے' اور صاحب "ہدایہ" نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ اگر شدید خوف ہو تو الگ الگ سواری پر نماز پڑھیں اور اشارہ سے رکوع اور سجود کریں' خواہ جس طرف منہ ہو بشرطیکہ وہ قبلہ کی طرف منہ پر قادر نہ ہوں اور جس وقت تلواریں ٹکرا رہی ہوں اور تیر چل رہے ہوں اس حال میں ہمارے نزدیک نماز جائز نہیں ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے' امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک "رجالا" کا معنی ہے: اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے نماز پڑھیں' اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا معنی ہے: چلتی ہوئی نماز پڑھیں' اس لیے قاضی بیضاویؒ نے کہا ہے کہ اس آیت میں: امام شافعیؒ کی دلیل ہے کہ تلواروں سے لڑائی کی حالت میں نماز جائز ہے' امام ابوحنیفہؒ

ؒ کے نزدیک اس حالت میں نماز کو موخر کردیں اور بعد میں پڑھیں۔ (۱)

علامہ آلوسی حنفی ؒ لکھتے ہیں:

امام شافعی ؒ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر لڑائی کی حالت میں سواری ٹھہرانا ممکن نہ ہو تو تلواروں سے لڑتے ہوئے بھی نماز جائز ہے اور امام ابوحنیفہ ؒ کا یہ مذہب ہے کہ چلنے سے اور لڑنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز میں قنوت کا حکم دیا ہے اور چلنا اور لڑنا قنوت کے منافی ہے اور جب ایسی صورت ہو تو نماز کو موخر کردے اور جب امن اور سکون ہو تو نماز پڑھ لے اگر تم انصاف سے کام لو تو تمہیں علم ہوگا کہ یہ آیت امام شافعی ؒ کے موقف میں بالکل صریح ہے' کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' اللہ کے لیے قیام کرو' اور دین آسان ہے اور مشکل نہیں ہے اور مقامات مختلف ہوتے ہیں اور مشکل کی وجہ سے آسان حکم کو نہیں چھوڑا جاتا اور جس کام کو مکمل طور پر حاصل نہیں کیا جاسکتا اس کو مکمل طور پر ترک بھی نہیں کیا جاتا۔ (۲)

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی ؒ بیان کرتے ہیں:

امام طیالسی ؒ' امام عبدالرزاق ؒ' امام ابن ابی شیبہ ؒ' امام احمد ؒ' امام نسائی ؒ' امام ابویعلی ؒ' اور امام بیہقی ؒ نے اپنی "سنن" میں حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت کیا ہے کہ جنگ خندق کے دن ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھے' ہم ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جنگ کی مشغولیت کی

۱۔(التفسیرات الاحمدیہ ص ۱۵۸' مطبوعہ مطبع کریمی' بمبئی)

۲۔(روح المعانی ج ۲ ص ۱۵۸' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت)

وجہ سے نہ پڑھ سکے‘ حتیٰ کہ ہم لڑائی سے بچا لیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (آیت) ”وکفی اللہ المومنین القتال“۔ (الاحزاب: ۲۵) (زبردست آندھی بھیج کر) اللہ مسلمانوں کے لیے جنگ سے کافی ہو گیا“ یعنی ان کو لڑنے سے بچا لیا‘ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت بلال ؓ کو (اذان کا) حکم دیا اور ہر نماز کے لیے اقامت کہی‘ یہ واقعہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے تھا: (آیت) ’ فان خفتم فرجالا او رکبانا“۔ (البقرہ: ۲۳۹) اگر تم حالت خوف میں ہو تو پیادہ اور سواری پر نماز پڑھو“۔

امام ابن ابی شیبہ ؒ ‘امام مسلم ؒ اور امام نسائی ؒ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بعض ایام میں صلوۃ خوف پڑھی‘ ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی اور ایک جماعت دشمن کے سامنے کھڑی رہی‘ جو جماعت آپ کے ساتھ تھی آپ نے اس کو ایک رکعت نماز پڑھائی‘ پھر وہ لوگ چلے گئے اور دوسری جماعت آ گئی‘ آپ نے اس دوسری جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائی‘ پھر دونوں جماعتوں نے باقی ماندہ ایک ایک رکعت نماز پڑھی‘ حضرت ابن عمر ؓ نے کہا: اور اس سے زیادہ خوف ہو تو پھر تم کھڑے ہوئے اور سواری پر اشارہ سے نماز پڑھو۔

امام مالک ؒ ‘امام شافعی ؒ ‘امام عبدالرزاق ؒ ‘امام بخاری ؒ ‘امام ابن جریر ؒ اور امام بیہقی ؒ نے نافع ؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر ؓ سے جب صلوۃ خوف کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: امام ایک جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائے اور دوسری جماعت ان کے اور دشمن کے درمیان کھڑی رہے اور نماز نہ پڑھے‘ اور جب وہ جماعت ایک رکعت نماز پڑھ لے تو وہ اس دوسری جماعت کی جگہ چلی جائے جس نے نماز نہیں پڑھی تھی‘ اور یہ لوگ سلام نہ پھیریں‘ اور جس جماعت نے پہلے نماز نہیں پڑھی تھی وہ امام کے پیچھے آ کر کھڑی ہو اور امام اس کو بھی ایک رکعت پڑھائے پھر امام چلا جائے‘ اس کی دو رکعتیں ہو گئیں اور

امام کے چلے جانے کے بعد ہر جماعت اپنی اپنی باقی ماندہ ایک ایک رکعت پڑھے' اور اگر اس سے زیادہ خوف ہو تو اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے نماز پڑھیں یا سواری پر نماز پڑھیں' خواہ منہ قبلہ کی طرف ہو یا غیر قبلہ کی طرف نافعؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہی یقین ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اسی طرح سنا تھا۔[1]

امام بزارؒ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تلواروں سے لڑائی کی حالت میں نماز ایک رکعت ہے' انسان جس طریقہ سے بھی یہ رکعت پڑھ لے اس کے لیے کافی ہے اور وہ اس کو نہیں دہرائے گا۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے (آیت) "فان خفتم فرجالا اور کبانا"۔ (البقرہ:۲۳۹) کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ سوار اپنی سواری پر نماز پڑھے اور پیدل چلنے والا اپنے پیروں پر نماز پڑھے اور جب خوف دور ہو جائے تو سوار اور پیادہ معمول کے مطابق نماز پڑھیں' جس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں سکھایا ہے۔

امام ابن ابی حاتمؒ اور امام ابن المنذرؒ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب تلواروں سے جنگ ہو رہی ہو تو اپنے سر کے اشارہ سے نماز پڑھے خواہ اس کا منہ کسی طرف ہو" 'فرجالا اور رکبانا" کی ہی تفسیر ہے۔

امام ابن المنذرؒ اور امام ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے: چلتے ہوئے اور سواری پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب سے فرمایا کہ جب تم جنگ میں

۱۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۲۔۶۵۱)

سواریوں پر ہو اور خوف زیادہ ہو تو ہر شخص کسی بھی سمت کھڑا ہو کر یا سواری پر سر کے اشارہ سے یا زبان کے کلام سے جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھے۔ (۱)

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ ماوردی شافعیؒ لکھتے ہیں:

یعنی اگر تمہیں دشمن کا خوف ہو تو تم اپنے پیروں پر یا اپنی سواریوں پر ٹھہرے ہوئے یا چلتے ہوئے نماز پڑھو خواہ منہ قبلہ کی طرف ہو یا غیر قبلہ کی طرف اشارہ سے بغیر اشارہ کے جس طرح بھی قدرت ہو' اس حالت میں نماز کی مقدار میں اختلاف ہے' جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ طریقہ کے مطابق دو رکعت نماز پڑھے گا' اور حسنؒ نے کہا: جب اسے خوف ہو تو ایک رکعت نماز پڑھے' اہل حجاز (شافعیہ) نے کہا: اس پر بعد میں اس نماز کا اعادہ نہیں ہے کیونکہ وہ معذور تھا' اور اہل عراق (احناف) نے کہا: اس پر اعادہ واجب ہے کیونکہ چلنا نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے۔

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکیؒ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ہر حالت میں نماز کی حفاظت کا حکم دیا ہے' مرض ہو' سفر ہو' قدرت ہو' عجز ہو' خوف ہو' امن ہو' نماز مکلف سے کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کھڑے ہو کر نماز پڑھو' اگر اس پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو' اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر۔ (۲)

۱۔ (الدر المنثور' ج ۱ ص ۹ ۳۰۹۔۳۰۸' ملتقطا مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

۲۔ (صحیح بخاری' سنن ابوداؤد' جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ' مسند احمد)

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صلوۃ خوف کے ذکر میں فرمایا: اگر زیادہ خوف ہو تو کھڑے ہوئے اور سواری پر نماز پڑھو، خواہ منہ قبلہ کی طرف ہو یا نہ ہو۔ (۱)

اس سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھ لی جائے اور حالت میں بھی نماز ساقط نہیں ہوگی، حتی کہ اگر صرف آنکھ کے اشارہ سے نماز پڑھی جاسکے تو اسی طرح لازم ہے، اسی وجہ سے نماز باقی عبادات سے ممتاز ہے، کیونکہ نماز کے علاوہ باقی عبادات عذر کی وجہ سے ساقط ہوجاتی ہے۔ (۲)

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ ابن جوزی حنبلیؒ لکھتے ہیں: یہ آیت سورہ نساء کی اس آیت کے بعد نازل ہوئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے صلوۃ الخوف پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے:

(آیت) ”واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوۃ فلتقم طآئفۃ منھم معک ولیاخذوا اسلحتھم فاذا سجدوا فلیکونوا من ورآئکم ولتات طآئفۃ اخری لم یصلوا فلیصلوا معک ولیاخذوا حذرھم واسلحتھم “۔(النساء:۱۰۲)

اور جب آپ ان میں ہوں اور (جنگ کے دوران) انھیں نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ کو آپ نے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لیے رہیں، پھر جب وہ سجدہ کرلیں تو (اے مسلمانو!) وہ تمہارے پیچھے چلے جائیں اور دوسرا وہ گروہ آجائے جس نے نماز نہیں پڑھی، اور انھیں آپ کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے اور وہ بھی اپنی حفاظت کا سامان اور اپنا اسلحہ لیے رہیں۔

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تمہیں اس سے زیادہ خوف ہو تو تلواروں سے لڑائی کے درمیان تم کو

۱۔(سنن کبری ج ۳ ص ۲۵۶)

۲۔(احکام القرآن ج ۱ ص ۳۰۳۔۳۰۲ مطبوعہ دار المرفتہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

جس طرح قدرت ہو اس طرح نماز پڑھو؛ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جنگ خندق کے دن ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں شفق کے غائب ہونے کے بعد پڑھیں یعنی عین حالت جنگ میں یہ نمازیں پڑھیں جیسا کہ اس آیت میں ہے اور ان کو موخر کر دیا۔ (ترمذی، ابو یعلی، بیہقی) تو اس حدیث اور اس آیت میں کیسے موافقت ہوگئی؛ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جنگ خندق کا یہ واقعہ اس آیت "فان خفتم فرجالا او رکبانا"۔ (البقرہ:۲۳۹) کے نزول سے پہلے کا ہے۔ [1]

حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ ابو بکر جصاص حنفیؒ لکھتے ہیں:

اس آیت میں خوف کی حالت میں پا پیادہ اور سواری پر نماز پڑھنے کا حکم بیان فرمایا ہے، دوران جنگ میں اس طرح نماز پڑھنے کا حکم نہیں ہے (بلکہ دوران جنگ نماز پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو سورہ نساء میں ہے) جب کسی شخص کو دشمن گھیر لے اور اس کو سخت خطرہ ہو تو اس کے لیے اس طرح نماز جائز ہے اور جب خوف کی وجہ سے اس لیے سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے لیے رکوع اور سجود کو ترک کرنا جائز کر دیا تو اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کرے یا نہ کرے، اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خوف کی حالت میں بھی نماز کے ترک کرنے اجازت نہیں دی تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قتال میں مشغول تھے اور قتال میں مشغول ہونا نماز سے مانع ہے، اسی لیے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ ان کی قبروں اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ ان

۱۔(سنن نسائی، صحیح ابن حبان) (زاد المسیر ج۱ ص۲۸۵۔۲۸۴ مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

کے خلاف جنگ میں مشغول رہنے کی وجہ سے ہم صلوۃ وسطی نہیں پڑھ سکے‘ اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جنگ خندق کے دن ظہر‘ عصر‘ مغرب اور عشاء کی نمازوں کو کیوں ترک کر دیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوف کی حالت میں اس طرح نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے‘ دوران قتال اسی طرح نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا اور جنگ خندق کے دن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قتال میں مشغول تھے اور قتال میں مشغول ہونا نماز سے مانع ہے‘ اسی لیے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ ان کے خلاف جنگ میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہم صلوۃ وسطی نہیں پڑھ سکے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جنگ خندق کے دن نمازیں اس لیے نہیں پڑھی تھیں کہ اس وقت تک صلوۃ خوف پڑھنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا‘ اس کا جواب یہ ہے کہ محمد بن اسحاق اور واقدی کا اس پر اتفاق ہے کہ غزوہ ذات الرقاع‘ غزوہ خندق سے پہلے ہے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے غزوہ ذات الرقاع میں صلوۃ خوف پڑھی تھی‘ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا غزوہ خندق میں نماز نہ پڑھنا قتال کی وجہ سے تھا اور قتال نماز کی صحت سے مانع اور اس کے منافی ہے۔

بعض فقہاء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا کہ جو شخص خوف زدہ ہو اس کے لیے چلتے ہوئے بھی نماز پڑھنا جائز ہے‘ خواہ وہ کسی پر حملہ آور ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تم حالت خوف میں ہو تو پا پیادہ نماز پڑھو یا سواری پر‘ یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں چلنے کا ذکر نہیں‘ علاوہ ازیں حملہ آور خوف زدہ نہیں ہوتا کیونکہ اگر وہ حملہ کرنے کی بجائے واپس چلا جائے تو اسے کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہوگا‘ اللہ سبحانہ نے اس طرح نماز پڑھنا خوف زدہ کے لیے مشروع کیا ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب اس

پر حملہ کیا جائے اس وقت حالت خوف میں اس کیلیے جائز ہے کہ وہ سواری پر نماز پڑھے یا چلتے ہوئے۔
ے۔ (۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کا معاملہ کس قدر سنگین ہے، باقی تمام عبادات عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں لیکن جب جان کا خوف اور خطرہ ہو نماز اس وقت بھی معاف نہیں ہے اور اس حال میں بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم چلتے ہوئے یا سواری پر جس طرح بھی بن پڑے نماز پڑھ لو۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ ﴾

اور جو تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی بیویوں کے لیے ایک سال تک کے نان نفقے کے گھر سے نکالے بغیر وصیت کر جائیں۔ اگر وہ خود گھر چھوڑیں تو جو کچھ وہ اپنے بارے میں دستور کے مطابق کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

۱۔(احکام القرآن ج۱ ص۴۴۹۔۴۴۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

شان نزول

اسحاق بن راہویہؒ نے اپنی تفسیر میں مقاتل بن حبانؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص اہل طائف میں سے مدینہ منورہ چلا آیا اور اس کی اولاد اور مرد و عورتیں اور ماں باپ بھی تھے وہ مدینہ منورہ میں انتقال کر گیا، اس چیز کی رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خبر دی گئی، آپ نے اس کے والدین اور اولاد اور مرد و عورتیں اور ماں باپ بھی تھے وہ مدینہ منورہ میں انتقال کر گیا، اس چیز کی رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خبر دی گئی، آپ نے ان کے والدین اور اولاد کی دستور کے مطابق مال دے دیا، مگر اس کی بیوی کو کچھ نہ دیا، تاہم اس کے وارثوں کو حکم دیا کہ اس کے خاوند کے مال میں سے ایک سال تک اس کو نفقہ یعنی خرچ دیا جائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

ایک سال تک عدت وفات کے منسوخ ہونا کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ موت کی آہٹ محسوس کریں یا قریب المرگ ہوں وہ اپنی بیویوں کے لیے یہ وصیت کریں کہ انھیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالا جائے جمہور فقہاء اور مفسرین کے نزدیک یہ آیت سورہ بقرہ کی اس آیت سے منسوخ ہے' جس میں فرمایا ہے: تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (عورتیں) اپنے آپکو چار ماہ دس دن تک (عقد ثانی سے) روکے رکھیں۔ (البقرہ:۲۳٤)

امام ابن جریر طبریؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ پہلے جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تھا تو خاوند

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

کے مال سے اس کے لیے ایک سال کی رہائش اور خرچ مہیا کیا جاتا تھا‘ پھر جب سورہ نساء میں عورت کی میراث مقرر کردی گئی کہ اگر اس کے خاوند کی اولاد نہ ہوتو اس کو خاوند کے مال کا چوتھائی حصہ ملے گا اور اگر اس کی اولاد ہوتو پھر اس کو خاوند کے مال کا آٹھواں حصہ ملے گا‘ تو پھر رہائش اور نفقہ کا یہ حکم منسوخ ہوگیا‘ البتہ مجاہدؒ کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے‘ ان کے نزدیک اس کا محمل یہ ہے کہ بیوہ پر چار ماہ دس دن عدت گزارنا تو واجب ہے جیسا کہ البقرہ: ٢٣٤ میں مذکور ہے‘ اس کے بعد سال کے باقی ماندہ سات ماہ بیس دن میں عدت گزارنے کا اسے اختیار ہے چاہے وہ یہ عدت گزارے یا نہ گزارے۔ [1]

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن الزبیرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا: (آیت) ”والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا“۔ (البقرہ: ٢٤٠) الی قولہ غیر اخراج“ اس آیت کو سورہ بقرہ کی دوسری آیت نے منسوخ کردیا ہے تو پھر آپ نے اس آیت کو مصحف میں کیوں لکھا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے کہا: اے بھتیجے ہم اس آیت کو اسی طرح رہنے دیں گے‘ قرآن مجید کی کسی آیت کو اس کی جگہ سے تبدیل نہیں کریں گے (یعنی قرآن مجید کی آیات کو لکھنا امر توفیقی تھا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جس آیت کی جو جگہ بتائی تھی اس کو وہیں لکھا گیا تھا۔ [2]

علامہ ابن جوزی حنبلیؒ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کی بیوی ایک سال تک عدت گزارتی‘ اس پر اس کی وراثت سے ایک سال تک خرچ کیا جاتا‘ جب ایک سال پورا ہوجاتا تو وہ اپنے شوہر کے گھر سے نکلتی اور

١۔ (جامع البیان ج ١ ص ٣٦٢‘ مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت‘ ١٤٠٩ ھ)

٢۔ (صحیح بخاری ج ٢ ص ٦٥١‘ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع‘ کراچی‘ ١٣٨١ ھ)

اس کے پاس ایک مینگنی ہوتی، وہ ایک کتے کو مینگنی مارتی اور شوہر کی عدت سے باہر آجاتی اور مینگنی کو مارنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ کہتی کہ میرے نزدیک خاوند کی وفات کے بعد میرا اس کی عدت گزارنا میرے نزدیک اس مینگنی کو مارنے سے زیادہ آسان تھا، اسلام نے اپنے ظہور کے بعد ان کو پہلے اپنے اسی دستور پر قائم رکھا اور بیوہ کی عدت ایک سال ہی برقرار رہی۔ پھر اس کے بعد اس حکم کو سورہ البقرہ: ٢٣٤ سے منسوخ کر دیا گیا اور بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کر دی گئی۔ (١)

عدت وفات کے شرعی حکم میں اختلاف فقہاء

امام مالکؒ کے نزدیک اگر خاوند کا اپنا یا کرایہ کا مکان ہو تو بیوہ کا اس گھر میں عدت گزارنا واجب ہے اور عدت سے پہلے گھر سے نکلنا مطلقا جائز نہیں ہے، امام شافعیؒ کا ظاہر قول یہ ہے کہ خاوند کے مال سے بیوہ کے لیے عدت تک رہائش مہیا کرنا واجب ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک اگر بیوہ غیر حاملہ ہو تو اس کے لیے عدت کی رہائش کا استحقاق نہیں ہے اور اگر وہ حاملہ ہو تو پھر ان کے دو قول ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیوہ کا خاوند کے گھر میں عدت گزارنا واجب ہے لیکن وہ دن کے اوقات میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

حدیث سے عدت وفات کا بیان:

امام مالکؒ روایت کرتے ہیں:

زینب بنت کعب بن عجرہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت فریعہ بنت مالک بن سنانؓ جو حضرت ابوسعید خدریؓ کی بہن تھیں وہ روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گئیں اور آپ سے یہ

١۔ (زاد المسیر ج ١ ص ٢٨٦، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ١٤٠٧ھ)

سوال کیا کہ وہ بنو حذرہ میں اپنے خاندان میں جا سکتی ہیں' کیونکہ ان کے شوہر اپنے چند بھاگے ہوئے غلاموں کو ڈھونڈنے گئے تھے حتیٰ کہ جب وہ قدوم کے راستہ میں پہنچے تو انھوں نے ان غلاموں کو جا لیا' سو ان غلاموں نے ان کے شوہر کو قتل کر دیا' وہ کہتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ پوچھا کہ آیا میں بنو حذرہ میں اپنے میکہ میں جا سکتی ہوں تا کہ وہاں عدت وفات گزاروں کیونکہ میرے خاوند نے اپنی ملکیت میں کوئی مکان چھوڑا ہے نہ نفقہ وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہاں! وہ کہتی ہیں کہ جب میں واپس ہوئی حتیٰ کہ میں (ابھی) حجرہ میں تھی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے آواز دی' یا مجھے کسی سے آواز دے کر بلوایا' آپ نے پوچھا: تم نے کیا کہا تھا؟ میں نے پھر آپ سے اپنے خاوند کی وفات کا پورا قصہ دہرایا' آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر میں ٹھہری رہو' حتیٰ کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے' وہ کہتی ہیں کہ میں نے چار ماہ دس دن عدت گزاری جب حضرت عثمان بن عفانؓ کا دور خلافت تھا تو انھوں نے مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا' میں نے یہ حدیث بیان کی تو انھوں نے اس حدیث کی پیروی کی اور اس کے مطابق فیصلہ کیا۔[۱]

عدت وفات کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ بیان کرتے ہیں:

زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ جو عورت عدت وفات گزارے اس کے لیے بھی رہائش مہیا کرنا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت فریعہؓ سے فرمایا تھا: تم اپنے شوہر کے گھر میں رہو

۱۔(موطا امام مالک میں ۵۳۱۔ ۵۳۰ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور) (سنن ابوداؤد ج۱ ص ۳۱۵۔۳۱۴ 'جامع ترمذی ص ۱۹۳ 'سنن نسائی ج۲ ص ۱۱۶ 'سنن ابن ماجہ ص ۱۴۶ 'سنن دارمی ج۲ ص ۹۰)

حتی کہ تمہاری عدت پوری ہوجائے سوانھوں نے اس گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری' امام ترمذی ؒ وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے لیے جس طرح نفقہ کا استحقاق نہیں ہے اسی طرح اس کے لیے رہائش کا بھی استحقاق نہیں ہے اور پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ رہائش اس کے پانی (منی) کی حفاظت کے لیے ہوتی ہے اور وہ اس کی وفات کے بعد بھی موجود ہے' اور نفقہ کا وجوب خاوند کے تسلط کی وجہ سے ہوتا ہے اور موت سے وہ منقطع ہوگیا' نیز نفقہ عورت کا حق ہے اور وہ میراث سے ساقط ہوگیا اور رہائش اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور وہ ساقط نہیں ہوا۔ [۱]

عدت وفات کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ قرطبی مالکی ؒ حضرت فریعہ ؓ کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: حجاز اور عراق کے علماء کے درمیان یہ حدیث معروف ہے اور اس حدیث کی بناء پر وہ کہتے ہیں کہ بیوہ شوہر کے گھر عدت گزارے اور گھر سے باہر نہ نکلے۔ داؤد ظاہری ؒ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید نے بیوہ پر عدت گزارنا لازم کیا ہے یہ لازم نہیں کیا کہ وہ شوہر کے گھر عدت گزارے' حضرت علی ؓ' حضرت ابن عباس ؓ' حضرت عائشہ ؓ اور حضرت جابر ؓ' کا بھی یہی قول ہے' موطا امام مالک ؒ میں ہے کہ حضرت عمر ؓ بیوہ عورتوں کو عدت سے پہلے حج پر جانے سے بھی منع کرتے تھے' یہ حضرت عمر ؓ کا اجتہاد تھا' ان کے نزدیک بیوہ خاوند کے گھر عدت گزارنا لازم تھا' اور قرآن اور سنت کا یہی مقتضی ہے' اس لیے عدت سے پہلے بیوہ کا حج اور عمرہ کے لیے بھی جانا جائز نہیں ہے' امام مالک ؒ نے کہا: جب تک بیوہ نے احرام نہ باندھا ہو اس کو گھر لوٹا دیا جائے گا۔ یہ حکم اس وقت ہے جب خاوند کا گھر اس کی ملکیت میں ہو۔ امام مالک ؒ' امام شافعی ؒ' امام ابوحنیفہ ؒ' امام احمد

۱۔ (نہایۃ المحتاج ج ۷ ص ۱۵٤ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اور اکثر فقہاء کا یہی مسلک ہے جیسا کہ حضرت فریعہؓ کی حدیث میں ہے اور اگر خاوند اس گھر میں رہتا ہو لیکن اس کا مالک نہ ہو تو عدت کے دوران بیوہ کے لیے اس میں رہنے کا استحقاق ہے کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت فریعہؓ کے خاوند اس گھر کے مالک نہیں تھے پھر بھی آپ نے حضرت فریعہؓ سے فرمایا: تم عدت پوری ہونے تک اس گھر میں رہو، امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے، یہ حکم اس وقت ہے جب اس کا خاوند اس مکان کا کرایہ دیتا رہا ہو لیکن اگر خاوند نے اس مکان کا کرایہ نہ دیا ہو تو خاوند خواہ امیر ہو اس کے مال سے بیوہ کے لیے رہائش کا کوئی استحقاق نہیں ہے کیونکہ بیوہ کا رہائش پر استحقاق اس وقت ہو گا جب خاوند کی مکان پر مکمل ملکیت ہو۔ [۱]

عدت وفات کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوبکر جصاص حنفیؒ لکھتے ہیں:

مطلقہ اور بیوہ اس گھر سے باہر نہ نکلے جس میں وہ رہتی تھی، البتہ بیوہ دن میں باہر جا سکتی ہے لیکن رات اس گھر میں آ کر گزارے، مطلقہ کے باہر نہ نکلنے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(آیت) "لاتخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ"۔ (الطلاق: ۱)

ترجمہ: ان مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

اور بیوہ کے گھر سے باہر نہ جانے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(آیت) "متاعا الی الحول غیر اخراج"۔ (البقرہ: ۲۴۰)

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۷۸۔۱۷۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

ترجمہ: بیوہ عورتوں کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نکالا نہ جائے۔

پھر چار ماہ دس دن سے زائد مدت کو البقرہ: ۲۳٤ سے منسوخ کر دیا اور چار ماہ دس دن کی مدت تک یہ حکم باقی رہا، اور حضرت فریعہؓ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت فریعہؓ کو ان کے خاوند کے گھر سے منتقل ہونے سے منع فرما دیا تھا، اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں، اول یہ کہ بیوہ خاوند کے گھر سے منتقل نہ ہو اور ثانی یہ کہ بیوہ کا گھر سے باہر نکلنا ممنوع نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے گھر سے باہر نکلنے سے منع نہیں فرمایا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ام سلمہؓ، اور حضرت عثمانؓ، کا یہی قول ہے کہ بیوہ عورت دن میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے لیکن رات میں گھر میں گزارے۔ [1]

﴿وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٤١﴾﴾

اور طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ پہنچانا پرہیزگاروں پر لازم ہے۔

شانِ نزول

ابن جریرؒ نے ابن زیدؒ سے روایت کیا کہ جب (یہ آیت) "متاعا بالمعروف حقا علی المحسنین" نازل ہوئی تو ایک آدمی نے کہا اگر میں احسان کروں گا۔ تو ایسا کر لوں گا اور اگر میں نے احسان کا ارادہ نہ کیا تو نہ کروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) نازل فرمائی "وللمطلقت متاع بالمعروف، حقا علی المتقین"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مطلقہ عورتوں کے لیے دستور کے مطابق متاع ہے جو اللہ سے ڈرنے والوں پر

۱۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۴۱۹، ۴۱۸۔ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

واجب ہے۔(البقرہ:۲٤۲)

مطلقہ عورتوں کے مہر کی ادائیگی کا وجوب

اس پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا ذکر فرمایا تھا کہ انھیں ایک سال کا نفقہ اور رہائش مہیا کی جائے' اور اس آیت میں مطلقہ عورتوں کا ذکر فرمایا جو طلاق یافتہ اور مدخول بہا عورتیں ہیں کہ اگر ان کا مہر پہلے مقرر تھا تو طلاق کے وقت ان کو ان کو پورا مہر ادا کیا جائے اور اگر پہلے ان کا مہر مقرر نہیں تھا تو ان کو مہر مثل ادا کیا جائے۔اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کے حقوق کے بعد مطلقہ عورتوں کے حقوق کا ذکر فرمایا' اس میں یہ اشارہ ہے کہ طلاق بھی بہ منزلہ موت ہے کیونکہ جس طرح شوہر کی موت کے بعد شوہر کی علیحدگی ہو جاتی ہے اسی طرح طلاق کے بعد بھی شوہر سے علیحدگی ہو جاتی ہے۔اس آیت میں مطلقات سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو مباشرت کے بعد طلاق دی گئی ہو کیونکہ جن عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دی گئی ہو ان کا حکم البقرہ:۲۳٦ میں بیان کیا جا چکا ہے اور متاع سے مراد مہر ہے' اور طلاق کے بعد مہر کا ادا کرنا واجب ہے' خواہ مقرر شدہ مہر ہو یا مہر مثل' بعض علماء نے کہا ہے کہ متاع سے مراد عورت کا لباس وغیرہ ہے یعنی مطلقہ عورتوں کو مہر کے علاوہ لباس وغیرہ بھی دیا جائے' اور جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کو لباس دینا واجب ہے اور باقی تین قسم کی مطلقہ عورتوں (جن کا مہر مقرر کیا گیا ہو خواہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ' اور وہ مدخولہ جس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو) کو لباس دینا مستحب ہے۔

وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ: یہ حکم عام ہے جو ہر مطلقہ عورت کو شامل ہے۔کچھ نہ کچھ سامان دینے کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد (مہر کے علاوہ) عورت کو کچھ دیا جائے،

تاکہ عورت کی کچھ دل جوئی ہو جائے، یہ احسان کا تقاضا ہے۔ ارشاد فرمایا: (لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ إِنۡ طَلَّقۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ مَا لَمۡ تَمَسُّوهُنَّ أَوۡ تَفۡرِضُواْ لَهُنَّ فَرِيضَةٗۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى ٱلۡمُوسِعِ قَدَرُهُۥ وَعَلَى ٱلۡمُقۡتِرِ قَدَرُهُۥ مَتَٰعَۢا بِٱلۡمَعۡرُوفِۖ حَقًّا عَلَى ٱلۡمُحۡسِنِينَ)[البقرة:٢٣٦] ”تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو، جب تک تم نے انھیں ہاتھ نہ لگایا ہو، یا ان کے لیے کوئی مہر مقرر نہ کیا ہو اور انھیں سامان دو، وسعت والے پر اس کی طاقت کے مطابق اور تنگی والے پر اس کی طاقت کے مطابق ہے، سامان معروف طریقے کے مطابق دینا ہے، نیکی کرنے والوں پر یہ حق ہے۔“ اور فرمایا: (يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نَكَحۡتُمُ ٱلۡمُؤۡمِنَٰتِ ثُمَّ طَلَّقۡتُمُوهُنَّ مِن قَبۡلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمۡ عَلَيۡهِنَّ مِنۡ عِدَّةٖ تَعۡتَدُّونَهَاۖ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحٗا جَمِيلٗا) [الاحزاب:٤٩] ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر انھیں طلاق دے دو، اس سے پہلے کہ انھیں ہاتھ لگاؤ تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں، جسے تم شمار کرو، سو انھیں سامان دو اور انھیں چھوڑ دو، اچھے طریقے سے چھوڑنا۔“

ابن ابی حاتمؒ نے سعید بن مسیبؒ سے روایت کیا کہ اس آیت کے بعد والی آیت کو منسوخ کر دیا (یعنی) لفظ آیت ”وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم“ (البقرہ آیت ٢٣٧) نے ”وللمطلقات متاعا بالمعروف“ کو منسوخ کر دیا۔

عتاب بن خصیفؒ نے لفظ آیت ”وللمطلقات متاع“ کے بارے میں فرمایا کہ یہ فرائض سے پہلے کا حکم تھا۔

مالک عبدالرزاقؒ، شافعیؒ، عبد بن حمیدؒ، النحاسؒ نے (ناسخ میں) ابن المنذرؒ، بیہقیؒ نے حضرت ابن عمرؓ

سے روایت کیا کہ ہر مطلقہ عورت کے لیے متعہ (یعنی تین کپڑے) ہیں مگر وہ عورت جس کو دخول پہلے طلاق دیدی گئی اور (اگر) اس کا مہر مقرر ہو چکا ہو تو اس کے لیے بطور متعہ آدھا مہر کافی ہے۔

ابن المنذرؒ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کیا کہ ہر مومنہ عورت جس کو طلاق دیدی گئی آزاد ہو یا باندی ہو اس کے لیے متعہ (یعنی کپڑے) ہے۔اور (یہ آیت) پڑھی "وللمطلقت متاع بالمعروف، حقا علی المتقین"

بیہقیؒ نے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا کہ حفص بن مغیرہؓ نے اپنی بیوی فاطمہ کو طلاق دیدی تو وہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئی تو آپ نے اس کے خاوند سے فرمایا اس کو کچھ سامان دیدو۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی سامان نہیں جو میں اس کو دوں۔آپ نے فرمایا سامان دینا ضروری ہے اگرچہ آدھا صاع کھجور ہی کیوں نہ ہو۔

عبد بن حمیدؒ ابو العالیہؒ سے لفظ آیت "وللمطلقت متاع بالمعروف، حقا علی المتقین" کے بارے میں روایت کیا کہ ہر مطلقہ عورت کیلئے متعہ (کچھ سامان) دینا ہے۔

عبد بن حمیدؒ، یعلی بن حکیمؒ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے سعید بن جبیرؒ سے پوچھا کیا ہر آدمی پر (مطلقہ عورت کو) متعہ دینا لازم ہے کوئی بھی ہو۔انھوں نے فرمایا نہیں پھر پوچھا تو کس آدمی پر لازم ہے؟ فرمایا متقین پر۔

بیہقیؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو (قاضی) شریح کے پاس طلاق دی شریح نے اس سے فرمایا اس کو متعہ دے۔عورت نے کہا میرے لیے اس پر کوئی متعہ (لازم) نہیں۔کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا لفظ آیت "وللمطلقت متاع بالمعروف، حقا علی المتقین" اور فرمایا "وللمطلقات متاع

بالمعروف حقاعلی المحسنین "اور یہ آدمی (یعنی میرا خاوند) ان لوگوں (یعنی متقین اور محسنین) میں سے نہیں ہے۔

بیہقیؒ نے شریحؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے اس آدمی سے فرمایا جس نے اپنی عورت کو طلاق دیدی تھی کہ تو متقین میں سے ہونے کا انکار نہ کر کہ تو محسنین میں سے ہونے کا انکار نہ کر۔

شافعیؒ نے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا انھوں نے فرمایا مطلقہ عورت کا نفقہ جب وہ حرام ہو جائے تو (پھر) تو معروف طریقہ پر متعہ ہے۔

﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ﴾

اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم سمجھو۔

كَذٰلِكَ (اسی طرح) یہ اس طرف اشارہ ہے جو طلاق اور عدت کے احکام پہلے گذر چکے ہیں۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ (اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے) یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے (فائدہ کے) لیے عنقریب وہ دلائل اور احکام بیان کرے گا جن کی انھیں معاش اور معاد (دونوں) کے لیے ضرورت ہوگی۔

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (تاکہ تم سمجھو) اور ان میں عقل کو کام میں لاؤ۔

﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ وَ ہُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ۪ فَقَالَ لَہُمُ اللّٰہُ مُوۡتُوۡا ۟ ثُمَّ اَحۡیَاہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۲۴۳﴾ ﴾

تم نے ان لوگوں کے حال پر بھی کچھ غور کیا جو موت کے ڈر سے اپنے گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اللہ نے ان سے فرمایا، مرجاؤ پھر اس نے ان کو دوبارہ زندگی بخشی اصل میں اللہ انسان پر بڑا فضل فرمانیوالا ہے۔ مگر اکثر لوگ شکرادا نہیں کرتے۔

الم تر الی الذین کا خطاب بطور محاورہ

الم تر سے جو خطاب کیا گیا ہے یہ بطور محاورے اور بطور مثال کے ہے، جس طرح ہم جب کسی عجیب بات کو شروع کرتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تو نے دیکھا نہیں حالانکہ پتہ ہوتا ہے کہ دیکھا نہیں ہے، یہ الفاظ محاورۃ کلام کی ابتداء میں آجاتے ہیں جس وقت کوئی عجیب واقعہ پیش آجائے، اس لیے محل تعجب میں قرآن کریم بھی "الم تر" کے ساتھ تعبیر کرتا ہے کہ یہ واقعہ ایسا ہے جو دیکھنے کے قابل تھا کیا آپ نے دیکھا نہیں اور یا پھر یہاں رویت سے رویت قلبی مراد ہے پھر بھی الم تر کے ساتھ جو اس کو تعبیر کیا گیا ہے تو مقصد یہی ہے کہ اس طرح یہ واقعہ یقینی ہے گویا کہ آنکھوں کے سامنے ہے، یہ انداز محل تعجب میں واقعہ

نقل کرتے ہوئے اختیار کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ خطاب ایسے شخص کو کیا جا سکتا ہے جس نے وہ واقعہ دیکھا نہیں لہٰذا ان الفاظ کے ساتھ اس شخص کو خطاب کرنا جس نے وہ واقعہ دیکھا نہ ہو یہ قابل اعتراض نہیں ہے۔

طاعون سے ڈر کر بھاگنے والوں کا مرنا اور دوبارہ زندہ ہونا

حافظ جلال الدین سیوطی ؒ بیان فرماتے ہیں: امام ابن جریرؒ ' امام ابن المنذرؒ اور امام حاکم ؒ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد چار ہزار تھی اور یہ داوردان نام کے ایک شہر کے رہنے والے تھے یہ لوگ طاعون کے ڈر سے اس شہر سے بھاگ نکلے۔ امام ابن جریرؒ ' امام ابن المنذرؒ اور امام ابن ابی حاتم ؒ نے سدی کی سند سے حضرت ابو مالک ؓ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ داوردان نام کی ایک بستی جو واسط کے قریب تھی اس میں طاعون پھیل گیا۔ لوگوں کی ایک جماعت تو اس میں ٹھہری رہی اور ایک جماعت بھاگ نکلی' جو لوگ ٹھہرے رہے تھے ان میں مر گئے اور بھاگنے والے بچ گئے' جب طاعون ختم ہو گیا تو وہ لوگ واپس آ گئے' اس شہر کے زندہ بچنے والے لوگوں نے کہا: ہمارے بھائی ہم سے زیادہ سمجھدار نکلے' کاش' ہم سب ان کی طرح نکل جاتے اور سب بچ جاتے' اور اگر ہم اگلے طاعون تک زندہ رہے تو ایسا ہی کریں گے۔ اگلے سال پھر طاعون آیا' اس بار سب نکل بھاگے' جو پہلے رہ گئے تھے وہ بھی اور جو نکل گئے تھے وہ بھی' ان لوگوں کی تعداد تیس ہزار سے زائد تھی' وہ لوگ دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں قیام پذیر ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس دو فرشتے بھیجے' ایک فرشتہ وادی میں قیام پذیر ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس دو فرشتے بھیجے' ایک فرشتہ وادی کے اوپر تھا اور دوسرا وادی کے نیچے تھا' ان دونوں فرشتوں نے ان کو ندا کر کے کہا: مر جاؤ' تو

وہ سب مر گئے پھر جب تک اللہ نے چاہا وہ اسی طرح مردہ پڑے رہے، پھر وہاں سے حضرت حزقیل نبی (علیہ السلام) کا گزر ہوا، انھوں نے اتنی ساری ہڈیوں کو دیکھا تو بہت حیران ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کہ آپ یہ ندا کریں کہ اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں مجتمع ہونے کا حکم دیتا ہے تو وادی کے اوپر اور نیچے سے تمام ہڈیاں مجتمع ہوگئیں اور ہر جسم کی ہڈیاں آپس میں جڑ گئیں اور بغیر خون اور گوشت کے ہڈیوں کے اجسام بن گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ آپ یہ کہیں کہ اے ہڈیو! اللہ تمہیں گوشت سے ملبوس ہونے کا حکم دیتا ہے تو تمام ہڈیوں پر گوشت آگیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ان کو ندا کر کے یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کھڑے ہونے کا حکم دیتا ہے تو وہ سب زندہ ہو کر اٹھ گئے اور بے اختیار ان کی زبانوں پر جاری ہوا، "سبحانک لا الہ الا انت" اور پھر وہ اپنے شہروں کی طرف واپس گئے، وہ وہاں رہنے لگے مگر وہ جب بھی کوئی لباس پہنتے تو وہ ان کے جسم پر ایک بوسیدہ کفن کی صورت اختیار کر لیتا جس سے اس زمانہ کے لوگوں نے پہچان لیا کہ یہ لوگ درحقیقت مر چکے ہیں، وہ لوگ اپنی طبعی حیات پوری ہونے تک وہاں رہے۔ (۱)

قولہ تعالیٰ (آیت) "وھم الوف"۔ جمہور نے کہا ہے: یہ الف کی جمع ہے، بعض نے کہا ہے: وہ چھ لاکھ تھے، بعض نے کہا ہے: وہ اسی ہزار تھے، حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے: وہ چالیس ہزار تھے، ابو مالکؒ نے کہا ہے: وہ تیس ہزار تھے۔ سدیؒ کا قول ہے: وہ سینتیس ہزار تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ستر ہزار تھے، حضرت عطا بن ابی رباحؒ نے یہی کہا ہے، حضرت ابن عباسؓ سے بھی چالیس ہزار اور آٹھ ہزار کی روایت ہے، آپ سے اسے ابن جریجؒ نے روایت کیا ہے، آپ سے ہی آٹھ ہزار کی روایت بھی

۱۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۱۰، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

ہے اور آپ سے چار ہزار کی روایت بھی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ تین ہزار تھے، اور صحیح یہ ہے کہ وہ دس ہزار سے زائد تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (آیت) "وھم الوف" اور یہ جمع کثرت ہے اور دس اور اس سے کم کے بارے میں الوف نہیں بولا جاتا۔ (۱)

اس واقعہ میں لائق غور یہ چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں لوگوں پر موت طاری کرنے کے بعد ان کو زندہ کر دیا اور جو اس دنیا میں موت کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن بھی مردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے اور عبرت کا تعلق اس چیز سے ہے کہ طاعون سے ڈر کر شہر چھوڑ کر بھاگنا اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہے' سو طاعون سے گھبرا کر شہر نہیں چھوڑنا چاہیے' اس میں تقدیر پر ایمان رکھنے کے علاوہ حکمت ہے کہ طاعون زدہ علاقہ کے لوگ جب دوسرے علاقوں میں جائیں گے تو طاعون کے جراثیم اپنے ساتھ لے جائیں گے اور دوسرے علاقوں میں بھی طاعون پھیل جائے گا' طاعون زدہ علاقہ میں جانا بھی نہیں چاہیے' شام کے علاقہ عمواس میں طاعون پھیلا ہوا تھا' حضرت عمرؓ وہاں نہیں گئے اور فرمایا: ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف بھاگ رہے ہیں۔

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب تم کسی علاقہ میں طاعون کے متعلق سنو تو وہاں مت داخل ہو اور اگر تم کسی علاقہ میں ہو اور وہاں طاعون پھیل جائے تو وہاں سے نہ نکلو۔ (۲)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطابؓ شام کی طرف تشریف لے جا رہے تھے،

۱۔ تفسیر قرطبی، (المحرر الوجیز، جلد ۱، صفحہ ۳۲۸ دار الکتب العلمیہ)

۲۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حتیٰ کہ جب آپ مقام "سرغ" پر پہنچے تو لشکروں کے قائد ابوعبیدہ بن جراح ؓ اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات ہوئی، انھوں نے بتایا کہ شام میں وبا پھیلی ہوئی ہے (تو صحابہ کا آپس میں اختلاف ہو گیا کہ شام جایا جائے یا نہ)۔۔ اتنے میں سیدنا عبدالرحمن بن عوف ؓ آ گئے جو اپنے کسی کام کے لیے گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس سلسلے میں علم ہے، میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "جب تم سنو کہ کسی زمین میں وبا پھیلی ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی زمین کے بارے میں تم یہ سنو کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے اور تم وہاں موجود ہو تو اس سے فرار اختیار کرتے ہوئے وہاں سے نہ نکلو۔" سیدنا عمر فاروق ؓ نے یہ فرمان نبوی سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور واپس تشریف لے آئے۔ (1)

﴿ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾ ﴾

اور اللہ کے راستے میں جنگ کرو، اور یقین رکھو کہ اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔

پھر فرمایا کہ جس طرح ان لوگوں کا بھاگنا انھیں موت سے نہ بچا سکا اسی طرح جہاد سے منہ موڑنا بھی بیکار ہے۔ اجل اور رزق دونوں قسمت میں مقرر ہو چکے ہیں، رزق نہ بڑھے نہ گھٹے موت نہ پہلے آئے نہ پیچھے ہٹے، اور جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اٹک بیٹھے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے بھی کہتے ہیں کہ یہ مجاہد شہداء بھی اگر ہماری طرح رہتے تو مارے نہ جاتے، ان سے کہو اگر تم سچے ہو تو ذرا اپنی جانوں

۱۔ [بخاری، کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون: ۵۷۲۹۔ مسلم، کتاب السلام، باب الطاعون والطیرۃ والکہانۃ ونحوہا: ۲۲۱۹]

سے بھی موت کو ہٹا دو اور جگہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ، الہٰ ہم پر لڑائی کیوں لکھ دی کیوں نہ ہمیں ایک وقت تک فرصت دی، جس کے جواب میں فرمایا کہ مضبوط برج بھی موت کے سامنے ہیچ ہیں، اس موقع پر اسلامی لشکروں کے جیوٹ سردار اور بہادروں کے پیشوا اللہ کی تلوار اسلام کے پشت پناہ ابوسلیمان خالد بن ولید کا وہ فرمان وارد کرنا بالکل مناسب وقت ہوگا جب آپ نے عین اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ کہاں ہیں موت سے ڈرنے والے، لڑائی سے جی چرانے والے نامرد، وہ دیکھیں کہ میرا جوڑ جوڑ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہو چکا ہے، سارے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں تلوار نیزہ برچھا نہ لگا ہو لیکن دیکھو کہ آج میں بستر میں فوت ہو رہا ہوں، میدان جنگ میں نہ رہا۔ [1]

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور اللہ کی راہ میں لڑو) کیونکہ موت سے بھاگنا فائدہ نہیں دیتا اور جو مقدر میں ہے وہ ضرور ہونے والا ہے پس اولیٰ درجہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے کیونکہ اگر موت آ گئی تو اللہ کی راہ میں مریں گے ورنہ فتح ہوگی اور ثواب ملے گا۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ (اور جان لو کہ اللہ سنتا ہے) اس کو جو (جہاد سے) پیچھے رہنے والا اور آگے جانے والا کہتا ہے۔ عَلِيْمٌ (جانتا ہے) یعنی جس بات کو وہ دونوں چھپاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

شان نزول

امام بخاری ؒ نے اپنی صحیح (بخاری) میں اور ابن ابی حاتم ؒ اور ابن مردویہ ؒ نے حضرت ابن عمر ؓ سے روایت کی ہے کہ جب آیت: مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل [الایۃ] نازل ہوئی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دعا کی: اے پروردگار! میری امت کو اور زیادہ

---

[1] تفسیر ابن کثیر

دے اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ ﴾

تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تا کہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے۔ اللہ ہی گھٹاتا ہے اور اللہ ہی بڑھاتا ہے۔ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

شان نزول

ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں اور ابن ابی حاتمؒ اور ابن مردویہؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ "۔مثل الذین ینفقون اموالھم "۔(الخ) یعنی سات سو تک ثواب کی زیادتی والی آیت نازل ہوئی، تو رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دعا فرمائی کہ اے رب میری امت کو اور زیادہ ثواب دیجیے، اس پر یہ آیت کریمہ "۔من ذالذی یقرض"۔(الخ) نازل ہوئی، یعنی جو شخص خدا کے راستے میں حسن نیت کے ساتھ خرچ تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھا کر اور بہت زیادہ کر دیتا ہے۔ [۱]

۱۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کا بیان

کائنات کی ہر چیز اللہ کی ملک ہے اس لیے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے کو مجازاً قرض فرمایا ہے یا اللہ کے بندوں کو قرض دینا گویا اللہ کو قرض دینا ہے اور اس میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح مقروض، قرض خواہ کو قرض واپس کر دیتا ہے اسی طرح تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ آخرت میں اس کا اجر عطا فرمائے گا۔

اس سے پہلی آیت میں جہاد کا حکم دیا تھا اور جہاد مال کے بغیر نہیں ہوسکتا کیونکہ جہاد کے لیے سواریاں، آلات حرب اور خوراک اور رسد کو مال کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا اس لیے اس آیت میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے مال خرچ کرنے کو اللہ کو قرض دینے کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ یہ مال ضائع نہیں ہوگا بلکہ آخرت میں کئی گنا اجر وثواب کے ساتھ مل جائے گا، دنیا میں لوگ زیادہ سے زیادہ دگنے چوگنے سود پر قرض دے دیتے ہیں، اللہ تمہیں اس مال کا اجر دس، ستر گنا، سات سو گنا، چودہ سو گنا اور اس سے بھی زائد عطا فرمائے گا دوسری وجہ یہ ہے کہ آدمی کسی محبت اور تعلق کی وجہ سے قرض دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ اور کون محبت کا مستحق ہے، سو اگر تم محبت کی بناء پر مال خرچ کرتے ہو تو اللہ سے اور اللہ کے دین کی سربلندی سے زیادہ اور کوئی محبت کا محل نہیں ہے اور اگر فائدہ اور بڑھوتری کے لیے مال خرچ کرتے ہو تو اس سے زیادہ اور کوئی فائدہ کی صورت نہیں ہے، اور اس قرض کو قرض حسنہ فرمایا یعنی یہ قرض اخلاص نیت اور پاکیزہ مال کے ساتھ دیا جائے لوگ جو آپس میں قرض کا لین دین کرتے ہیں وہ برابر برابر ہونا چاہیے، اگر قرض دینے نیت اور پاکیزہ مال کے ساتھ دیا جائے، لوگ جو آپس میں قرض کا لین دین کرتے ہیں وہ برابر

برابر ہونا چاہیے‘ اگر قرض دینے والا یہ شرط لگائے کہ وہ اصل رقم سے ایک معین رقم زائد لے گا تو یہ سود ہے اور اگر مقروض بغیر کسی پیشگی شرط کے قرض خواہ کو اصل رقم سے کچھ زائد ادا کر دے تو یہ قرض حسن ہے‘ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عموماً جب کسی سے قرض لیتے تو اس کو اصل سے زائد ادا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: لوگوں میں اچھا شخص وہ ہے جو قرض کو اچھی طرح ادا کرے اللہ تعالیٰ آخرت میں اس قرض کا اجر کئی گنا زائد بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے گا‘ نیز فرمایا اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے یہ اس لیے فرمایا کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے تم تنگی میں مبتلا ہو جاؤ گے‘ کیونکہ اس سے تنگی نہیں ہوتی‘ تنگی اور کشادگی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ وقدرت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

امام سعید بن منصور رحمہ اللہ‘ امام ابن سعد رحمہ اللہ‘ امام بزار رحمہ اللہ‘ امام ابن جریر رحمہ اللہ‘ امام ابن المنذر رحمہ اللہ‘ امام حکیم ترمذی رحمہ اللہ‘ امام طبرانی رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ‘ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: وہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے؟ تو اللہ اس کو بڑھا کر اس کے لیے کئی گنا کر دے‘ تو حضرت ابوالدحداح انصاری رضی اللہ عنہ کہا: یارسول اللہ! کیا واقعی اللہ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ بڑھا کر اس کے لیے کئی گنا کر دے‘ تو حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ! انھوں نے کہا: یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنا ہاتھ بڑھائیں۔ آپ نے ہاتھ بڑھائیں‘ آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا‘ انھوں نے کہا: میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دے دیا اور ان کے باغ میں چھ سو کھجور کے درخت تھے‘ ام الدحداح رضی اللہ عنہا اور ان کے بچے اس باغ میں تھے‘ ابوالداح رضی اللہ عنہ وہاں گئے اور ام الدحداح رضی اللہ عنہا کو آواز دے کر کہا: اے ام الدحداح رضی اللہ عنہا! یہاں سے نکلو‘ میں نے یہ باغ اپنے

رب عزوجل کو قرض دے دیا ہے۔

حضرت ابو دحداح ؓ نے عرض کیا جناب اپنا دست مبارک آگے بڑھایئے۔ سرکار دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنا دست مبارک انھیں پکڑا دیا تو انھوں نے عرض کیا میں نے کھجور کے چھ سو درختوں والا اپنا باغ اپنے رب کو قرض دیا۔

امام ابوالشیخ ؒ اور امام بیہقی ؒ نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ایک فرشتہ یہ کہتا رہتا ہے کہ وہ کون ہے جو آج اللہ کو قرض حسن دے اور کل اس کی جزا لے لے اور ایک اور دروازہ پر فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اے لوگو! اپنے رب کی طرف بڑھو، وہ قلیل مال جو کافی ہو وہ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جو غافل کرنے والا ہو، اور ایک اور دروازہ پر فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اے بنو آدم! موت کے لیے جھگڑے پالو اور ویران ہونے کے لیے مکان بناؤ۔

امام بیہقی ؒ نے "شعب الایمان" میں حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: اے ابن آدم! اپنے خزانے کو میرے پاس امانت رکھو، نہ جلے رکھو، نہ جلے گا، نہ ڈوبے گا، نہ چوری ہوگا اور تمہاری ضرورت کے وقت میں تم کو دے دوں گا۔ [۱]

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا: اس سے پہلی آیت میں اللہ کے راستے میں لڑنے کا حکم تھا۔ اب جہاد میں مال خرچ کرنے کی ترغیب ہے۔ "قرض حسن" سے مراد یہ ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کرے اور اس میں ریاکاری یا کسی کو ستانے اور اس پر

۱۔ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۳۱۳، ۳۱۲، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

احسان رکھنے کا جذبہ کارفرما نہ ہو۔ اللہ کا کرم دیکھیے کہ خود ہی سب کچھ عطا کر کے بندوں سے مانگ رہا ہے اور اسے اپنے ذمے قرض قرار دے رہا ہے۔ فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً: ارشاد فرمایا: (اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ) [الحدید:۱۸] "بلاشبہ صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور جنھوں نے اللہ کو اچھا قرض دیا، انھیں کئی گنا دیا جائے گا اور ان کے لیے باعزت اجر ہے۔" اور فرمایا: (اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ) [التغابن:۱۷] "اگر تم اللہ کو قرض دو گے، اچھا قرض تو وہ اسے تمھارے لیے کئی گنا کر دے گا اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ بڑا قدردان، بے حد بردبار ہے۔" اور فرمایا: (مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ) [الحدید:۱۱] "کون ہے وہ جو اللہ کو قرض دے، اچھا قرض، تو وہ اسے اس کے لیے کئی گنا کر دے اور اس کے لیے باعزت اجر ہو۔" اور فرمایا: (وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا) [المزمل:۲۰] "اور نماز قائم رکھو اور زکوۃ دو اور اللہ کو قرض دو، اچھا قرض دینا۔" اور فرمایا: (مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ) [البقرۃ:۲۶۱] "ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، ایک دانے کی مثال کی طرح ہے جس نے سات خوشے اگائے، ہر خوشے میں سو دانے ہیں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب رات کا آخری

تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے اور فرماتا ہے، کون ہے جو مجھ سے دعا کرے، میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے، میں اس کو دوں؟ پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتا ہے، کون ہے جو ایسی ہستی کو قرض دے جو نہ محتاج ہے اور نہ ظالم۔" (١)

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُّطُ: ارشاد فرمایا: (اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ) [الرعد:٢٦] "اللہ رزق فراخ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے۔" اور فرمایا: (قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ) [سبا:٣٦] "کہہ دے بیشک میرا رب رزق فراخ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے۔"

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہر دن جب بندے صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک اس طرح کہتا ہے، اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اور دے اور دوسرا اس طرح کہتا ہے، اے اللہ! روکنے والے کے مال کو تلف کر دے۔" (٢)

سیدہ اسماء بنت ابی بکر ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انھیں فرمایا: "خرچ کرتی رہو، گن گن کر نہ رکھو، ورنہ اللہ بھی گن گن کر دے گا، (مال کو) روک کر نہ رکھو، ورنہ اللہ بھی تم سے (ہاتھ) روک لے گا۔" (٣)

١۔ [مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل ۔۔ الخ: ١٧١/٧٥٨]

٢۔ [بخاری، کتاب الزکوۃ، باب قول اللہ تعالیٰ (وأما من أعطی واتقٰی ۔۔ الخ): ١٤٤٢۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فی المنفق والممسک: ١٠١٠]

٣۔ [مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الحث علی ال إنفاق وکراہۃ ال إحصاء: ١٠٢٩۔ بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ فیما استطاع: ١٤٣٤]

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٤٦﴾ ﴾

کیا تم نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو نہیں دیکھا جب کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد انھوں نے اپنے ایک نبی سے کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک امیر مقرر کر دیجئے تا کہ ہم اللہ کے راستے میں لڑیں۔ نبی نے کہا کہیں ایسا نہ ہو کہ فرض کر دیا جائے تم پر جہاد تو تم جہاد نہ کرو۔ وہ کہنے لگے بھلا ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے حالانکہ کہ ہم نکالے گئے اپنے گھروں سے اور اپنے بچوں سے۔ پس جب ان پر فرض کر دیا گیا جہاد تو منہ پھیر لیا انھوں نے‘ ان میں سے چند لوگوں کے سوا۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

حضرت طالوتؓ کا واقعہ

اس سے پہلی آیتوں میں مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا تھا اور مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کرنے کے لیے پچھلی امتوں میں سے ان لوگوں کے احوال کو بیان فرمایا تھا جو موت سے ڈر کر بھاگے پھر بھی ان کو موت نے آلیا تا کہ مسلمان یہ غور کریں کہ جب موت سے مفر نہیں ہے تو کیوں نہ شہادت کے آئینہ میں موت کا استقبال کیا جائے اور ان آیتوں میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کو جو جہاد کا مکلف کیا ہے وہ ان پر کوئی پہلا یا نیا حکم نہیں ہے' ان میں سے پہلے بھی بنو اسرائیل کو جہاد کا مکلف کیا گیا تھا' اور جب کسی حکم کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کسی ایک جماعت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ میں ہر امت کو اس حکم کا مکلف کیا جاتا رہا ہے تو اس حکم کا بار مشقت کم ہو جاتا ہے۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آپ کے زمانہ کے بنو اسرائیل اللہ کے حکم کی اطاعت اور آپ کی نبوت پر ایمان لانے میں فضول ضد' بحث اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے تھے' اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کی ضد اور کج بحثی سے ملال ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں اور آپ کو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی وفات کے بعد ایک نبی کے زمانے میں بنو اسرائیل کی ضد اور ہٹ دھرمی کی طرف متوجہ فرمایا کہ یہ ضد اور ہٹ دھرمی ہمیشہ سے بنو اسرائیل کا وتر رہا ہے اور یہ ان کے عمل کا ایک تسلسل ہے جو آپ کے زمانہ کے بنو اسرائیل میں بھی پایا جاتا ہے۔

بنو اسرائیل کی جماعت کے نبی آیا شمویلؑ تھے یا شمعونؑ؟

اس آیت میں جس نبی کا ذکر کیا گیا ہے اس کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے' وہب بن منبہؒ نے بیان کیا

کہ وہ نبی شمویلؑ تھے۔ سدی نے کہا: اس نبی کا نام شمعونؑ ہے۔ معمرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ نبی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی وفات کے بعد حضرت یوشع بن نونؑ تھے۔

امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

وہب بن منبہؒ نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی وفات کے بعد بنواسرائیل میں حضرت یوشع بن نونؑ خلیفہ ہوئے اور انھوں نے توراۃ کے احکام کو نافذ کیا۔ ان کے بعد حضرت کالب بن یوقناؒ خلیفہ ہوئے، انھوں نے بھی توراۃ کے احکام کو نافذ کیا، ان کی وفات کے بعد حضرت حزقیل بن یوزیؑ خلیفہ ہوئے، ان کی وفات کے بعد بنواسرائیل میں کئی حوادث ہوئے اور انھوں نے توراۃ کے احکام کو فراموش کر کے بت پرستی شروع کردی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں الیاس بن نسی فنخاص بن العیز اربن ہارون بن عمرانؑ کو مبعوث کیا، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں کو توراۃ کے احکام کی تجدید کے لیے فرمایا تھا، حضرت الیاسؑ کے ساتھ بنواسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا جس کا نام احاب تھا، اس وقت تمام بنواسرائیل بت پرستی کرتے تھے اور حضرت الیاسؑ ان کو اللہ وحدہ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے، حضرت الیاسؑ کی دعوت کو بنواسرائیل مسترد کردیتے تھے، صرف ایک بادشاہ ان کی دعوت سنتا تھا اور وہ بھی بت پرستی میں مشغول ہوگیا، پھر ان کے بعد حضرت الیسعؑ خلیفہ ہوئے وہ بھی کچھ عرصہ بعد وفات پاگئے، پھر یکے بعد دیگرے نبی آتے رہے، ان کے پاس ایک تابوت تھا جو آباء واجداد سے ان کے پاس چلا آتا تھا، اس میں سکینہ اور آل موسیٰ اور آل ہارون کے بقیہ تبرکات تھے، ان کا جب بھی کسی دشمن سے مقابلہ ہوتا وہ اس تابوت کو آگے کردیتے اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو دشمنوں پر فتح عطا فرماتا، پھر ان میں ایک بادشاہ ہوا جس کا نام ایلاء تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے

ایلیا کے پہاڑ میں برکت رکھی اس طرف سے ان پر دشمن حملہ نہیں کرتا تھا اور جب ان کی برائیاں حد سے بڑھ گئیں تو وہ تابوت ان کے ہاتھ سے جاتا رہا' وہ بادشاہ مارا گیا اور انھوں نے اپنے دشمن سے شکست فاش کھائی اس وقت میں حضرت شمویلؑ نبی تھے اور یہی وہ نبی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے ذکر کیا ہے کہ اے نبی! کیا آپ نے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد بنواسرائیل کے ایک گروہ کو نہیں دیکھا' جب انھوں نے اپنی نبی سے ذکر کیا ہے کہ اے نبی: کہا: ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کر دے تو ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (نبی نے) کہا اگر تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو شاید تم قتال نہیں کرو گے' انھوں نے کہا: ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں حالانکہ ہمیں اپنے گھروں میں اور اہل و عیال سے نکال دیا گیا ہے' پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو چند لوگوں کے سوا باقی نے روگردانی کی اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

امام ابن اسحاقؒ نے وہب بن منبہؒ سے روایت کیا ہے کہ جب بنواسرائیل پر مصیبتیں نازل ہوئیں اور انھیں ان کے شہروں سے نکال دیا گیا تو انھوں نے اپنے نبی حضرت شمویل بن بالیؑ سے کہا: ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں گے' نبی نے ان سے کہا: تم نے کبھی وعدہ پورا نہیں کیا اور نہ جہاد سے تمھیں کوئی رغبت ہے' انھوں نے کہا: ہم کیسے جہاد سے بھاگیں گے حالانکہ ہمیں ہمارے شہروں سے نکال دیا گیا ہے۔

امام ابن جریرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں دوسری روایت یہ بیان کی ہے:

سدیؒ نے بیان کیا ہے کہ بنواسرائیل عمالقہ سے جنگ کرتے رہتے اور عمالقہ کا بادشاہ جالوت تھا' عمالقہ نے بنواسرائیل کو شکست دی اور ان پر جزیہ مقرر کر دیا اور ان کی توراۃ چھین لی' بنواسرائیل اللہ تعالیٰ سے

دعا کرتے تھے کہ ان میں کوئی نبی مبعوث فرمائے جس کے ساتھ مل کر وہ عمالقہ سے اپنی شکست کا بدلہ لیں 'نبوت کے خاندان کے سب لوگ فوت ہو چکے تھے ان میں سے صرف ایک حاملہ عورت باقی بچی تھی' بنواسرائیل نے اس عورت کو قید کر لیا' اس نے اللہ سے دعا کی کہ اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو' سو اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس عورت نے اس کا نام شمعون رکھا تھا' جب وہ بڑا ہوا تو اس کو بیت المقدس میں تورات کی تعلیم کے لیے بھیجا' ایک شیخ نے اس کی تربیت کی' جب وہ بالغ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مقام نبوت پر فائز کیا حضرت جبرائیلؑ نے ان سے کہا: آپ اپنی قوم کے پاس جائیں اور ان کو اللہ کا پیغام سنائیں' جب وہ قوم کے پاس پہنچے تو قوم نے ان کو جھٹلایا اور کہا: تم بہت جلدی نبی بن گئے اور کہا: اگر تم سچے ہو تو ایک بادشاہ مقرر کرو' ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں گے اور یہ تمہاری نبوت کی دلیل ہوگی' حضرت شمعون نے کہا: جب تم پر قتال فرض کر دیا جائے تو شاید تم قتال نہ کرو۔ [۱]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو چند لوگوں نے سوا باقی سب نے روگردانی کی۔ (البقرہ:۲٤٦)

یہود کو سرزنش

جب ان پر ان کے دشمنوں سے قتال اور اللہ کی راہ میں جہاد فرض کیا گیا تو چند لوگوں کے سوا باقی سب قتال سے پیٹھ موڑ کر بھاگے اور انھوں نے اپنے نبی سے جہاد کی فرضیت کا جو سوال کیا تھا اس کو ضائع کر دیا اور جن چند لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا ہے یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے طالوتؓ کے ساتھ دریا کو عبور کر لیا تھا۔

۱۔(جامع البیان ج۲ ص ۳۷۵۔۳۷۲ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت'۱٤۰۹ھ)

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وہ اصحاب جو آپ کے ساتھ بدر میں تھے ان کی تعداد طالوتؒ کے اصحاب کے برابر تھی، جنھوں نے ان کے ساتھ دریا عبور کرلیا تھا اور وہ تین سو دس اور کچھ تھے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔۔(البقرہ:۲٤٦)

ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد شکنی اور وعدہ خلافی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور ان میں ان یہود پر زجر وتوبیخ ہے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہجرت کے وقت موجود تھے، کیونکہ وہ اس رسول کی بعثت کے منتظر تھے، انھوں نے تورات کی وساطت سے اس نبی کی اطاعت کا عہد کیا تھا، یہ اس نبی کے توسل سے فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے اور جب یہ نبی مبعوث ہو گئے تو انھوں نے سارے عہد و میثاق پس پشت ڈال دیئے اور صاف اور صریح علامتیں پائی جانے کے باوجود اس نبی کو نہیں مانا اور اس نبی کا کفر کیا۔

﴿ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ؕ
قَالُوٓا أَنّٰى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ
وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ

۱۔(صحیح بخاری ج۲ ص۵٦٤، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

اوران کے نبی نے ان سے کہا کہ: اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ کہنے لگے: بھلا اس کو ہم پر بادشاہت کرنے کا حق کہاں سے آ گیا؟ ہم اس کے مقابلے میں بادشاہت کے زیادہ مستحق ہیں، اور اس کو تو مالی وسعت بھی حاصل نہیں۔ نبی نے کہا: اللہ نے ان کو تم پر فضیلت دے کر چنا ہے اور انھیں علم اور جسم میں (تم سے) زیادہ وسعت عطا کی ہے، اور اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت اور بڑا علم رکھنے والا ہے۔

ربط آیات

گزشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد بنی اسرائیل میں بگاڑ پیدا ہو گیا۔ وہ مغلوب ہو گئے دشمن نے ان کے بہت سے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ان کے بچوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا۔ انھوں نے نبی وقت حضرت سموئیل (علیہ السلام) سے عرض کیا کہ ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کر دیں۔ جس کی سرکردگی میں ہم دشمن سے جنگ کر کے اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لے سکیں اور اپنے گھروں کو لوٹ سکیں نیز اپنے مردوں اور عورتوں کو دشمن کی غلامی سے نجات دلائیں ان کے نبی نے فرمایا کہ دیکھنا کہیں اپنے وعدے سے پھر نہ جانا۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ ایسا نہیں

ہوگا۔ ہم آپ کی طرف سے مقرر کیے گئے بادشاہ یا امیر کی اطاعت کریں گے۔ آج کے درس میں بنی اسرائیل کے لیے طالوت بادشاہ کے تقرر اور بنی اسرائیل کے انکار کا بیان آرہا ہے۔

طالوت کا بیان

امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

جب بنی اسرائیل کی جماعت نے حضرت شمویلؑ سے بادشاہ کا مطالبہ کیا تو حضرت شمویلؑ نے اللہ سے دعا کی کہ وہ ایک بادشاہ کو بھیج دے' اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: تمہارے گھر باورچی خانہ میں جو تیل پڑا ہوا ہے اسے دیکھتے رہو' جب کسی شخص کے آنے کی وجہ سے وہ تیل جوش مارنے لگے تو وہی بنواسرائیل کا بادشاہ ہوگا۔ حضرت شمویلؒ باورچی خانہ میں رکھے ہوئے تیل کو دیکھنے لگے کہ کب کوئی شخص آتا ہے اور اس میں جوش آتا ہے۔ طالوتؓ' بنیامین بن یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد میں سے تھے' ان کی نسل میں نبوت رہی تھی نہ بادشاہت وہ چمڑے کا کام کرتے تھے ایک دن طالوت اپنے غلام کے ساتھ اپنے گم شدہ جانور کو ڈھونڈنے نکلے' جب وہ حضرت شمویلؑ کے گھر کے پاس سے گزرے تو غلام نے کہا: اس نبی کے گھر چلیں شاید یہ ہمارے گم شدہ جانور کے متعلق کچھ بتائیں' جب طالوتؓ، حضرت شمویلؑ سے بات کررہے تھے تو اچانک مطبخ میں رکھا ہوا تیل جوش مارنے لگا' حضرت شمویلؑ نے ان کو قریب بلایا اور ان کے سر پر وہ تیل لگایا اور کہا: تم بنواسرائیل کے بادشاہ ہو' اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں تم کو ان کا بادشاہ بناؤں' طالوتؓ نے کہا: آپ کو علم ہے کہ میں بنواسرائیل کے نچلے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں؟ فرمایا ہاں کہا: آپ کو علم ہے کہ میرا قبیلہ اور میرا گھر سب سے پست اور نچلے درجہ کا ہے؟ فرمایا: ہاں! پھر بنواسرائیل کو بتایا کہ طالوتؓ ان کا بادشاہ ہے انھوں نے اعتراض کیا کہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے

مستحق ہیں اور اس کو تم سے زیادہ علم اور جسم عطا فرمایا ہے' بنو اسرائیل کی تسلی کے لیے حضرت شمویلؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک عصا دیا اور کہا: تمہارے بادشاہ کا قد اس کے برابر ہوگا اور جب طالوت کو اس عصا کے ساتھ ناپا تو وہ ان کے قد کے برابر تھا۔ [1]

حافظ ابن عساکرؒ لکھتے ہیں:

طالوتؓ کا نام سریانی زبان میں شاول بن قیس بن امال بن ضرار بن یحرب بن افیح بن اسن بن بنیامین بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام شارک تھا' ان کو ان کے بہت لمبے قد کی وجہ سے طالوت کہا گیا ہے' یہ وہی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں ذکر فرمایا ہے' جنہوں نے جالوت کو قتل کیا اور ان کی بیٹی سے حضرت داؤد (علیہ السلام) نے نکاح کیا۔ کعب احبارؒ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوتؓ کو بادشاہ بنایا' وہ پہلے گدھوں کو چراتے تھے وہ فقیر تھے اور بالکل کنگال تھے' ان کے دو گدھے گم ہو گئے' وہ ان کی تلاش میں نکلے' تلاش میں بہت دیر ہو گئی اور ان کو سخت بھوک لگی حضرت شمویلؑ کے گھر سے مساکین کھانا کھاتے تھے' اللہ تعالیٰ نے حضرت شمویلؑ کی طرف وحی کی: میں تمہارے پاس اس شخص کو بھیج رہا ہوں جو گدھا ڈھونڈنے نکلا ہے' وہی بنو اسرائیل کا بادشاہ ہوگا' جب وہ تمہارے پاس آئے تو ایک سرکنڈے سے اس کی پیمائش کرنا پھر وہ سرکنڈا بنو اسرائیل کو دے دینا کہ جس شخص کا قد اس سرکنڈے کے برابر ہوگا وہی تمہارا بادشاہ ہوگا' اس سرکنڈے کی لمبائی آٹھ ذراع (بارہ فٹ) تھی' حضرت شمویلؑ نے وہ سرکنڈا بنو اسرائیل کو دیا کہ اس کے برابر قد کے شخص کو تلاش کرو' انھوں نے بہت تلاش کیا مگر ان کو بنو اسرائیل میں اتنا لمبا شخص کوئی نہیں ملا' حضرت شمویلؑ نے ان کو بتایا: وہ

1

شخص طالوتؒ ہے جو گدھے چراتا ہے' انھوں نے اس کی پیمائش کی تو طالوت کا قد اس سرکنڈے کے برابر تھا' انھوں نے پوچھا: تم کس کی سبط (اولاد) ہو؟ طالوتؒ نے کہا: میں سبط بنیامینؑ سے ہوں تو وہ اس سے متنفر ہوئے اور اس کو ناپسند کیا' نیز طالوتؒ کنگال اور مقروض تھا' بنواسرائیل نے کہا: جو شخص کنگال اور مقروض ہو وہ ہمارا بادشاہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اور اس کے بادشاہ ہونے کی کیا علامت ہے؟ حضرت شمویلؑ نے کہا: اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے پاس تمہارا گم شدہ تابوت آئے گا' بنواسرائیل نے کہا: اگر یہ ہمارا تابوت واپس کردے تو ہم اس کی بادشاہت پر راضی ہوجائیں گے' وہ تابوت ان کے دشمن جالوت نے چھین لیا تھا' اس نے وہ تابوت اپنے بت خانہ میں رکھا تو سارے بت اوندھے ہو کر گر پڑے اور سب سے بڑا بت اس تابوت کے سامنے سجدہ میں گر پڑا' عمالقہ یہ منظر دیکھ کر غضب ناک ہوئے اور اس تابوت کو بول وبراز کی جگہ ڈال دیا' اس اہانت کی پاداش میں رات کو چوہے ان کا پیٹ کاٹ کر ان کے مبرز سے نکل جاتے' اس سے انھوں نے یہ سمجھا کہ ان پر یہ مصیبت اس تابوت کی وجہ سے آئی ہے۔ پھر انھوں نے دو بیلوں کے جوئے پر یہ تابوت رکھ کر انھیں ہانک دیا اور فرشتے اس تابوت کو اٹھا کر طالوت کے پاس لے آئے۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا: اس تابوت میں توراۃ کی الواح کے ٹکڑے تھے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا عصا تھا اور حضرت ہارون کا عمامہ تھا اور ان کی قبا (اچکن) تھی اور سبز زمرد سے بنا ہوا بلی کا سر تھا سکینہ سے یہی مراد ہے' جب لڑائی ہوتی تو بنواسرائیل اس تابوت کو آگے رکھتے بلی کے اس سر سے چیخ نکلتی اور سناٹے دار ہوا چلتی اور تابوت فضا میں بلند ہوجاتا اور اس سے دو زبانیں باہر نکلتیں ایک میں نور ہوتا اور ایک میں ظلمت' مسلمانوں پر نور پھیل جاتا اور کفار پر ظلمت چھا جاتی پھر بنواسرائیل کو جنگ میں

کامیابی حاصل ہوتی تھی۔ [1]

﴿ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ﴾

اوران کے نبی نے ان سے کہااس کی امارت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سامان تسکین اورآل موسیٰ اورآل ہارون کی چھوڑی ہوئی یادگاریں ہیں۔صندوق کوفرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگرتم ایمان رکھتے ہو۔

بنواسرائیل کے تابوت کی تحقیق

علامہ ابوالحیان اندلسی ؒ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس ؓ اورحضرت ابن السائب ؓ بیان کرتے ہیں کہ یہ صندق شمشادکی لکڑی سے بنا ہوا تھا' اوراس پرسونے کے پترے چڑھتے ہوئے تھے' یہ تین ہاتھ لمبااور دوہاتھ چوڑاتھا' اس تابوت کی عظمت بنواسرائیل کے نزدیک مشہورومعروف تھی' وہ اس کوگم کرچکے تھے'

---

[1]۔(مختصرتاریخ دمشق' ج ١١ ص ١٦٦۔١٦٤ مطبوعہ دارالفکر بیروت' ١٤٠٤ھ)

اللہ تعالیٰ نے اس کے مندرجات کو مبہم رکھا ہے اور اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ اس صندوق میں کیا تھا' اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے تھے' ہم اس صندوق کے متعلق اس چیز کو اختصار سے بیان کریں گے جس کو مفسرین اور مورخین نے بیان کیا ہے' مورخین نے ذکر کیا ہے کہ یہ تابوت حضرت آدم (علیہ السلام) پر اتارا گیا تھا' اس میں انبیاء (علیہم السلام) اور ان کے گھروں کی تصویریں تھیں' اور آخری گھر سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا تھا' حضرت آدم (علیہ السلام) کے بعد یہ تابوت حضرت شیث (علیہ السلام) سے منتقل ہوتا ہوا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) تک پہنچا پھر حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے پاس رہا' پھر ان کے بیٹے قیدار کے پاس' پھر ان سے ان کے عم زاد اولاد اسحاق نے اس میں تنازع کیا' اور یہ کہا: اس نور کے سوا تم سے نبوت لے لی گئی ہے' انھوں نے تابوت نہ دیا' اور ایک دن اس کو کھولنے کی کوشش کی تو ان سے نہیں کھلا' پھر آسمان سے ایک منادی نے ان کو ندا کی کہ نبی کے سوا اس کو کوئی نہیں کھول سکتا' تم یہ اپنے عم زاد یعقوب کو دے دو' سو انھوں نے اس کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر اپنے عم زاد حضرت یعقوب (علیہ السلام) تک پہنچا دیا' پھر یہ تابوت بنو اسرائیل میں منتقل ہوتا رہا' یہاں تک کہ موسیٰ (علیہ السلام) تک پہنچا' انھوں نے اس میں توراۃ کو رکھا اور اپنی بعض دوسری چیزیں رکھیں پھر یہ بنو اسرائیل کے انبیاء میں منتقل ہوتا ہوا حضرت شمویل تک پہنچا۔ (۱)

سکینہ کا معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق

سکینہ کا معنی ثبات' امن اور سکون ہے' قرآن مجید میں ہے: (آیت) "ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین"۔ (التوبہ: ۲۶) پھر اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر سکون اور اطمینان نازل کیا"۔ صحابہ

۱۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۵۸۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

کرام اور فقہاء تابعین سے سکینہ کے متعدد معانی منقول ہیں: زناٹے دار ہوا' پروں اور دم والی کوئی چیز' سونے کا طشت' زمرد یا یاقوت کی تصویر جس کا سر اور دم بلی کی ہو' وہ بشارات جو اللہ نے حضرت موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر نازل کیں' طالوت ؓ کی فتح کی بشارت وہ جانی پہچانی آیات جن سے سکون حاصل ہو' رحمت اور وقار وغیرہ۔

امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ: حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں: سکینہ انسان کے چہرہ کی طرح ایک چہرہ ہے یا پھر یہ زناٹے دار ہوا ہے۔ مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ سکینہ کے دو پر اور ایک دم ہے۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ سکینہ سونے کا ایک جنتی طشت ہے جس میں انبیاء (علیہم السلام) کے قلوب کو غسل دیا جاتا ہے۔ ربیع ؒ نے کہا: سکینہ تمہارے رب کی طرف سے رحمت ہے۔ قتادہؒ نے کہا: سکینہ وقار ہے' سب سے اولی تفسیر وہ ہے جس کو عطاء بن ابی رباح ؒ نے بیان کیا کہ سکینہ وہ معروف علامتیں ہیں جن سے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ [۱]

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سکینہ کا معنی طمانیت ہے اور جب کہ بنو اسرائیل کو تابوت کے آنے سے طمانیت حاصل ہوئی تو تابوت کو سکینہ کے لیے مجازاً ظرف قرار دیا گیا۔ امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں: حضرت براءؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی سورہ کہف پڑھ رہا تھا' اور اس کا گھوڑا اس دو لمبی رسیوں سے بندھا ہوا تھا' اس شخص کو ایک بادل نے ڈھانپ لیا' وہ بادل چکر لگاتا ہوا قریب ہو رہا تھا اور اس کا گھوڑا اس سے ڈر کر متوحش ہو رہا تھا' جب صبح ہوئی تو اس نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس واقعہ کا

۱۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۸۷۔۳۸۵' ملخصاً مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ذکر کیا آپ نے فرمایا: وہ سکینہ تھا جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوا۔ (۱)

علامہ نووی ؒ نے لکھا ہے کہ سکینہ کے کئی معنی ہیں اور مختار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی چیز ہے جس میں طمانیت اور رحمت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں۔ نیز امام مسلم ؒ نے روایت کیا ہے کہ ایک رات حضرت اسید بن حضیر ؓ اپنے اصطبل میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے، ناگاہ ان کا گھوڑا اچھلنے لگا اور حضرت اسید ؓ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں وہ ان کے بچے یحییٰ کو کچل نہ دے میں (حضرت اسید ؓ کہتے ہیں) اس کی طرف کھڑا ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سر کے اوپر فضا میں چراغوں کی مثال سائبان ہے۔ صبح میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس واقعہ کو عرض کیا، آپ نے فرمایا: یہ فرشتے تھے جو تمہارا قرآن سن رہے تھے اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح سب لوگ ان کو دیکھ لیتے اور وہ کسی پر مخفی نہ رہتے۔ (۲)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو حضرت براء ؓ کی حدیث میں سکینہ سے تعبیر کیا اور حضرت اسید ؓ کی حدیث میں اس کو فرشتوں سے تعبیر فرمایا، آپ نے فرشتوں کو سکینہ اس لیے فرمایا کہ ان کا ایمان غایت طمانیت میں ہوتا ہے، اور وہ ہمیشہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی کبھی معصیت نہیں کرتے۔ امام مسلم ؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر جائے، اللہ تعالیٰ ان کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا اور جو جماعت اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت کرتی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ درس کا تکرار کرتی ہے ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے انھیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور

۱۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)
۲۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ [1]

حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں اللہ کے گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت کرنے والوں اور اس کے درس کی تکرار کرنے والوں پر نزول سکینہ کا بیان ہے کیونکہ جو شخص کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے اور اس کے معانی میں تدبر اور تفکر کرتا ہے اس کو طمانیت اور انشراح قلب حاصل ہوتا ہے۔

آل موسیٰ اور آل ہارون کے باقی ماندہ تبرکات کا بیان

بنو اسرائیل کے تابوت میں آل موسیٰ اور آل ہارون کے باقی ماندہ تبرکات تھے' ان کی تعیین میں صحابہؓ اور فقہاء تابعینؒ کے مختلف اقوال ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ان باقی متروکہ چیزوں میں سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا عصا اور الواح توراۃ کے ٹکڑے تھے۔ ابو صالحؒ نے بیان کیا: اس میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارون (علیہ السلام) کا عصا' توراۃ کی دو تختیاں اور من رکھتے ہوئے تھے۔ عطیہ بن سعدؒ نے بیان کیا: اس میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارون (علیہ السلام) کی لاٹھیاں' ان کے کپڑے اور الواح توراۃ کے ٹکرے تھے اور بعض نے کہا: اس میں ان کی لاٹھیاں اور نعلین تھیں۔ ابن زیدؒ نے بیان کیا کہ دن کے وقت فرشتے تابوت کو لے کر آئے اور بنو اسرائیل ان کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے' سدیؒ نے کہا ہے کہ فرشتے تابوت لے کر آئے اور بنو اسرائیل ان کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے سدیؒ نے کہا ہے کہ فرشتوں نے وہ تابوت طالوتؓ کے گھر کے سامنے لا کر رکھ دیا' تب بنو اسرائیل حضرت شمعونؑ (یا حضرت شمویلؑ) کی نبوت اور طالوتؓ

1۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

کی بادشاہت پر ایمان لے آئے۔ (۱)

علامہ ابوالحیان اندلسی ؒ لکھتے ہیں: قتادہؒ نے بیان کیا ہے کہ اس تابوت کو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے حضرت یوشع ؑ کے پاس میدان تیہ میں چھوڑا تھا' وہ وہیں پر رکھا رہا اور بنو اسرائیل اس پر مطلع نہ ہو سکے حتی کہ فرشتوں نے اس کو اٹھا کر طالوت ؓ کے گھر میں رکھ دیا' پھر وہ طالوت ؓ کی بادشاہت پر ایمان لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ اس تابوت کو بھجوایا تا کہ اس نشانی کی عظمت پر لوگ متنبہ ہوں' کیونکہ فرشتے بڑے بڑے کاموں کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت عظیم قوت عطا کی ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ کی کتابوں کو اللہ کے پاس سے لاتے ہیں اور انبیاء (علیہم السلام) پر نازل کرتے ہیں۔ انھوں نے اللہ کے نافرمانوں پر مدائن کی سرزمین الٹ دی تھی' وہ روحوں کو قبض کرتے ہیں اور عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں ایسی قوت والے فرشتے جس تابوت کو اٹھا کر لائیں گے وہ اللہ کی طرف سے بہت بڑی نشانی ہوگی' وہب بن منبہؒ نے بیان کیا کہ بنو اسرائیل نے اپنے نبی سے پوچھا کہ تابوت کس وقت آئے گا؟ انھوں نے فرمایا صبح کو وہ تمام رات نہ سوئے حتی کہ صبح انھوں نے آسمانوں اور زمین کے درمیان فرشتوں کے چلنے کی آواز سنی۔ (۲)

امام رازی ؒ لکھتے ہیں: یہ تابوت حضرت آدم (علیہ السلام) پر نازل کیا گیا تھا اس میں ان کی اولاد میں سے انبیاء (علیہ السلام) کی تصویریں تھیں۔ یہ اولاد آدم (علیہ السلام) سے منتقل ہوتا ہوا حضرت یعقوب (علیہ السلام) تک پہنچا' پھر بنو اسرائیل کے پاس رہا' ان کا جب کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو وہ اس تابوت کو حکم بناتے اور جب دشمنوں سے جنگ ہوتی تو اس تابوت کو اپنے آگے رکھتے اور اس کے وسیلہ

۱۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۸۷۔۳۸۵ ' ملخصا مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

۲۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۵۸۴ ' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

سے اللہ تعالیٰ سے اپنے دشمنوں کے خلاف فتح کی دعا کرتے اور فرشتے اس تابوت کو ان کے لشکر کے اوپر اٹھا لیتے' وہ لشکر سے لڑتے رہتے اور جب تابوت سے ایک چیخ کی آواز آتی تو ان کو فتح اور نصرت کا یقین ہوجاتا' بنواسرائیل نے اللہ کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد کیا تو اللہ نے ان کے دشمن عمالقہ کو ان پر مسلط کردیا' عمالقہ نے ان کو شکست دے دی' اور ان سے تابوت چھین کرلے گئے' پھر جن کافروں نے ان سے تابوت چھینا تھا انھوں نے اس تابوت کو گندگی اور بول وبراز کی جگہ ڈال دیا' اس وقت کے نبی نے ان کے خلاف دعاءِ ضرر کی تو اللہ نے ان کافروں کو ایک بلاء میں مبتلا کردیا' جو شخص بھی اس تابوت کے پاس گندگی ڈالتا اللہ تعالیٰ اس کو بواسیر میں مبتلا کردیتا' تب ان کافروں نے یہ جانا کہ ان پر یہ مصیبت اس تابوت کی بے حرمتی کی وجہ سے نازل ہوئی ہے' انھوں نے دو بیلوں کے جوئے پر اس تابوت کو رکھ کر ہانک دیا' وہ بیل چلتے رہے' اللہ تعالیٰ نے چار فرشتے ان بیلوں کے ساتھ محافظ کردیئے حتی کہ وہ فرشتے اس تابوت کو طالوت کے پاس لے آئے اور تب بنواسرائیل کو طالوت کی بادشاہت کا یقین ہوگیا۔ قفالؒ نے کہا ہے کہ اس تابوت کی اضافت حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارون کی آل کی طرف کی گئی ہے' حالانکہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارونؑ کے دور کے صدیوں بعد عہد طالوتؒ تک یہ بنواسرائیل کی تحویل میں رہا اور توراۃ میں جو چیزیں تھیں ان کے وارث حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارونؑ کے متبع علماء تھے اس لیے یہاں پر آل متبعین کے معنی میں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: (آیت) "ادخلوا ال فرعون اشد العذاب"۔ (الغافر: ٤٦)۔ (١)

دیگر انبیاء (علیہم السلام) اور ہمارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تبرکات سے استفادہ اور

١۔ (تفسیر کبیر ج ٢ ص ٢٩١، ٢٨٩، مطبوعہ دارالفکر بیروت' ١٣٩٨ ھ)

حصول شفاء:

قرآن مجید کی اس آیت اور امام رازیؒ کی بیان کردہ تفسیر سے یہ واضح ہوتا ہے انبیاء (علیہم السلام) کی استعمال کی ہوئی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے کس قدر برکت رکھی ہے ان تبرکات (عصاء کپڑے اور نعلین) کے وسیلہ سے بنو اسرائیل نے فتح اور نصرت کی دعائیں کی، وہ فتح یاب ہوئے اور قوم عمالقہ نے ان تبرکات کی بے حرمتی کی تو وہ بواسیر جیسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ اس کی تائید سورہ یوسف میں ہے، جب حضرت یوسف (علیہ السلام) کی قمیص حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی آنکھوں پر رکھی گئی تو ان کی بینائی لوٹ آئی: (آیت) "اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا"۔ (یوسف: ۹۳) ترجمہ: میری یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔ احادیث میں بھی انبیاء (علیہم السلام) کے تبرکات سے استفادہ اور استفاضہ کا بیان ہے۔ امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں: حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے غلام عبداللہؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت اسماءؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس بھیجا اور کہا: یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جبہ ہے، انھوں نے طیالسی کسروانی جبہ حضرت عائشہؓ کی وفات تک ان کے پاس تھا، اور جب ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اس پر قبضہ کر لیا، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس جبہ کو پہنتے تھے، ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتے تھے اور اس جبہ سے ان کیلیے شفا طلب کرتے تھے۔ (۱)

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں: حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہبؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے حضرت ام المومنین ام سلمہؓ کے پاس پیالہ دے کر بھیجا۔ اسرائیل نے تین انگلیاں سکیڑ

۱۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

کر اشارہ کیا کہ وہ چھوٹا پیالہ تھا' اس میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بالوں میں ایک بال تھا' اور لوگوں کی عادت تھی کہ جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا اور کوئی مرض لاحق ہو جاتا تو وہ حضرت ام المومنین کے پاس ایک تغار بھیجتا' سو میں نے گھنٹی کی شکل میں ایک نلکی دیکھی جس میں (آپ کے) سرخ رنگ کے موئے مبارک تھے۔ (۱)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: مراد یہ ہے کہ جو شخص بیمار ہو جاتا وہ اپنا برتن حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجتا وہ اس برتن میں ان مبارک بالوں کو رکھ دیتیں اور اس برتن میں ان بالوں کو بار بار دھوتیں' پھر برتن والا حصول شفاء کے لیے اس غسالہ (دھوون) کو پی لیتا یا اپنے بدن پر ملتا تو اس کو اس کی برکت حاصل ہوتی۔ (۲)

امام بیہقیؒ روایت کرتے ہیں: جعفرؒ بیان کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے دن حضرت خالد بن ولیدؓ کی ٹوپی گم ہو گئی' انھوں نے کہا: اسکو تلاش کرو انھوں نے بار بار ڈھونڈا' وہ ٹوپی نہیں ملی' بلآخر وہ ٹوپی مل گئی' وہ بہت بوسیدہ ٹوپی تھی' حضرت خالدؓ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کیا اور سر کے بال منڈوائے تو صحابہ ہر طرف سے آپ کے بال مبارک لینے کے لیے جھپٹ پڑے' میں نے بھی آپ کے چند بال لے لیے اور میں نے ان کو اس ٹوپی میں رکھ لیا' اس کے بعد میں جس جنگ میں بھی شریک ہوا تو یہ ٹوپی میرے ساتھ ہوتی تھی اور مجھے اس جنگ میں فتح نصیب ہوتی تھی۔ (۳)

۱۔(صحیح بخاری ج۲ ص ۸۷۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۲۔(فتح الباری ج۱۰ ص ۳۵۳ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ۱۴۰۱ھ)

۳۔(دلائل النبوۃ ج۶ ص ۲۴۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

اس حدیث کو امام حاکم ؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ (۱)

حافظ الہیثمی ؒ نے اس حدیث کو امام ابویعلی ؒ اور طبرانی کے حوالوں سے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں سندیں صحیح۔ (۲)

امام بیہقی ؒ روایت کرتے ہیں: خبیب بن عبدالرحمن ؓ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں خبیب بن عدی ؓ کا ہونٹ کٹ کر لٹک گیا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لعاب دہن لگا کر اس کو جوڑ دیا۔ (۳)

امام ابویعلی ؒ روایت کرتے ہیں: حضرت قتادہ بن نعمان ؓ بیان کرتے ہیں کہ جنت بدر میں ان کی ایک آنکھ کا ڈھیلا نکل کر رخسار پر لٹک گیا' لوگوں نے ارادہ کیا کہ اس کو کاٹ دیں انھوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا' آپ نے فرمایا: نہیں' پھر آپ نے ان کو بلایا اور اپنی ہتھیلی سے اس ڈھیلے کو اپنی جگہ پر رکھ کر دبایا پھر قتادہ بن نعمان ؓ کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ ان کی کون سی آنکھ ڈھیلا نکلا تھا۔ (۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ لکھتے ہیں؛ اس حدیث کو امام بغوی ؒ اور امام دارقطنی ؒ نے بھی روایت کیا ہے اور

۱۔ (المستدرک ج ۳ ص ۲۹۹' مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ)

۲۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۳۹' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

۳۔ (دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۹۸۔۹۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

۴۔ (مسند ابویعلی موصلی ج ۲ ص ۲۱۶' مطبوعہ دارالمامون تراث بیروت' ۱۴۰٤ھ) اس حدیث کو امام بیہقی۔ ۱ (امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۱۰۰' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت) امام ابن اثیر۔ ۲ (امام ابوالحسن علی بن ابی المکرم المعروف با بن الاثیر الجزری المتوفی ٦٣٠ھ اسد الغابہ ج ٤ ص ۱۹٥' مطبوعہ دارالفکر بیروت) حافظ ابن کثیر ۳ (حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ٧٧٤ھ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۹۱' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۳ھ) اور حافظ ابونعیم۔ (حافظ نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ٤٣٠ھ دلائل النبوۃ ج ۲ ص ٤٨٤۔ ٤٨٣' مطبوعہ دارالنفائس) نے بھی روایت کیا ہے۔ حافظ نورالدین الہیثمی نے اس حدیث کو امام بزار اور امام طبرانی کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ٨ ص ۲۹٥' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

اس میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ ان کی سب سے زیادہ صحیح آنکھ تھی۔ (۱)

حافظ الہیثمیؒ بیان کرتے ہیں: حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن ان کی آنکھ زخمی ہوگئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں لعاب دہن لگایا تو وہ ان کی سب سے بہتر آنکھ تھی۔ (۲)

حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خیبر کے دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کل میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں میں اللہ فتح فرمائے گا' وہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس شخص سے محبت کرتا ہے' اس رات صحابہ یہ غور کرتے رہے کہ کل آپ کس کو جھنڈا عطا فرماتے ہیں' صبح کو صحابہ آپ کے پاس گئے اور ہر ایک کو امید تھی کہ آپ کو جھنڈا عطا کریں گے' آپ نے فرمایا: علی بن ابی طالبؓ کہاں ہیں؟ صحابہؓ نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں' آپ نے فرمایا: انھیں بلاؤ' وہ بلائے گئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا تو ان کی آنکھیں اس طرح ٹھیک ہوگئیں کہ گویا کبھی ان میں درد ہی نہیں ہوا تھا۔ (۳)

امام احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں: حضرت سلمہ بن اکوعؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے حضرت علیؓ کو بلانے کے لیے بھیجا' اور فرمایا: آج میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول اسے محبت کرتا ہے یا فرمایا: جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں حضرت علیؓ کی آنکھیں دکھتی تھیں' میں ان کے سہارے سے پکڑ کر لایا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان

۱۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۲۲۵ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

۲۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۸ مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

۳۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۶' ۶۰۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

کی آنکھ میں لعاب دہن ڈالا اور ان کو جھنڈا عطا فرمایا' حضرت علیؓ نے اپنی تلوار سے مرحب کا سر اڑ دیا اور اللہ نے ان کے ہاتھ پر خیبر فتح فرمایا۔ ۱

قاضی عیاض مالکیؒ لکھتے ہیں: عقیلیؒ نے حبیب بن فدیکؓ سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور انھیں کچھ بھی نہیں دکھائی دیتا تھا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا تو ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور میں نے دیکھا کہ وہ اسی سال کی عمر میں سوئی میں دھاگا ڈال لیتے تھے۔ جنگ احد کے دن کلثوم بن حصینؓ کے سینہ میں زخم لگا' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس میں لعاب دہن ڈالا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ جنگ خیبر کے دن حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی پر لعاب دہن لگایا تو وہ جڑ گئی۔ کعب بن اشرف کے قتل کے معرکہ میں حضرت زید بن معاذؓ کی ٹانگ ٹوٹ گئی' آپ نے لعاب دہن لگایا تو وہ جڑ گئی۔ جنگ خندق کے دن حضرت علی بن الحکمؓ کی پنڈلی ٹوٹ گئی' آپ نے لعاب دہن ڈالا تو وہ جڑ گئی۔ جنگ بدر کے دن ابوجہل نے حضرت معوذ بن عفراءؓ کا ہاتھ کاٹ دیا' آپ نے لعاب دہن لگا کر وہ ہاتھ جوڑ دیا۔ جنگ بدر کے دن حضرت حبیب بن یسافؓ کے کندھے پر ضرب لگی' کندھا کٹ کر ایک طرف جھک گیا' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کندھا جوڑ کر لعاب دہن لگایا' وہ جڑ گیا۔ قبیلہ خثعم کی ایک عورت آپ کے پاس اپنے بچہ کو لے کر آئی' وہ کسی بیماری سے بول نہیں سکتا تھا' آپ نے پانی منگایا' کلی کی اور ہاتھ دھوئے' پھر وہ غسالہ اس بچہ کو پلایا تو وہ بچہ صحیح ہوش وحواس سے باتیں کرنے لگا۔ آپ کے سامنے کھانا رکھا تھا' آپ وہ کھانا کھا رہے تھے' ایک لڑکی میں حیا بہت کم تھی وہ کہنے لگی: آپ اپنے منہ سے نوالہ نکال کر مجھے دے دیں'

۱۔ (مسند احمد ج ۴' ص ۵۲' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

آپ نے وہ نوالہ اس کو دے دیا، آپ سے جس چیز کا بھی سوال کیا جاتا تھا تو آپ منع نہیں فرماتے تھے، جب وہ نوالہ اس کو دے دیا، آپ سے جس چیز کا بھی سوال کیا جاتا تھا تو آپ منع نہیں فرماتے تھے، جب وہ نوالہ اس کے پیٹ میں پہنچا تو پورے مدینہ میں اس سے زیادہ باحیاء کوئی لڑکی نہیں تھی۔ [۱]

﴿ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۙ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۙ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ ۙ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾ ﴾

(پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر چلے تو انھوں نے (اپنی فوجوں سے کہا) بیشک اللہ تمہیں آزمانے والا ہے ایک نہر کے ذریعے۔ جو اس نہر سے پانی پی لے گا وہ میرا

۱۔(الشفاء ج۱ص۔۲۱۴۔۲۱۳،مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

ساتھی نہیں۔اور جواس کو نہیں چکھے گا تو وہ یقینا میرا ساتھی ہے۔الا یہ کہ کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے۔تو سب نے اس میں سے پانی پی لیا مگر تھوڑے سے لوگ ان میں سے بچے۔پھر جب دریا پار کر گئے طالوت اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ثابت قدم رہے تو انھوں نے کہا کہ ہم میں آج جالوت اور اس کی فوجوں سے لڑنے کی طاقت نہیں۔تو ان لوگوں نے کہا جو یقین رکھتے تھے کہ وہ اللہ سے ملنے والے ہیں۔کہ کتنی چھوٹی جماعتیں رہی ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آ گئی ہیں۔اللہ تو ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

طالوت کی فتح اور جالوت کی شکست کا بیان

طالوت عمالقہ سے قتال کرنے کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ بیت المقدس سے روانہ ہوئے اس کی تفسیر میں حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے یہ حدیثیں بیان کی ہیں: امام ابن جریرؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ نے سدیؒ سے روایت کیا ہے کہ اسی ہزار بنو اسرائیل طالوت کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے' اس زمانہ میں جالوت سب سے زیادہ طاقتور شخص تھا اور اس کی بہت زیادہ ہیبت تھی' وہ اپنے لشکر میں سب سے آگے رہتا تھا اور ابھی اس کا لشکر اس تک نہیں پہنچ پاتا تھا کہ وہ دشمن کو شکست دے دیتا تھا' جب طالوت کا لشکر روانہ ہوا تو طالوت نے اہل لشکر سے کہا: عنقریب اللہ تمہیں ایک دریا کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کرے گا' سو جس نے اس دریا سے (سیر ہو کر) پی لیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہوگا' اور جس نے اس سے

صرف ایک آدھ چلو کے علاوہ نہ پیا وہ میرے طریقہ پر ہوگا' چار ہزار کے سوا باقی سب نفوس نے جالوت کی ہیبت سے اس دریا سے پانی پی لیا اور ان چار ہزار افراد نے ہی اس دریا کو عبور کیا اور باقی ماندہ چھہتر ہزار لشکری دریا عبور نہ کر سکیں جن لوگوں نے دریا سے سیر ہوکر پانی پیا تھا وہ سخت پیاس میں مبتلا ہو گئے اور جنہوں نے چلو بھر کر پانی پیا تھا ان کو پیاس نہیں لگی اور جب طالوت نے اس کے ساتھ مومنوں نے دریا عبور کر لیا اور انھوں نے جالوت کو دیکھا تو انھیں نے کہا آج ہم جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے اور ان میں سے بھی تین ہزار چھ سو اسی نفوس واپس ہو گئے اور طالوت اہل بدر کی تعداد کے مطابق تین سو تیرہ نفوس کے ساتھ باقی رہ گئے۔

امام ابن جریرؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جس دریا میں ان کو مبتلا کیا گیا تھا وہ فلسطین میں تھا۔ [۱]

حافظ ابن عساکرؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: طالوتؓ کا لشکر ایک لاکھ تین ہزار تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھا' تین سو تیرہ افراد کے سوا باقی سب نے اس دریا سے پانی پی لیا' اور یہ غزوہ بدر میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب کی تعداد کے برابر تین سو تیرہ افراد تھے۔ طالوت نے ان سب کو واپس کر دیا اور ان کے ساتھ صرف تین سو تیرہ افراد رہ گئے' جب طالوتؓ اور ان کے ساتھ مومنوں نے دریا کو عبور کر لیا تو انھوں نے طالوتؓ سے کہا: آج ہم جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے اور جو لوگ آخرت اور اللہ سے ملاقات پر یقین رکھتے تھے' انھوں نے کہا: کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم سے قلیل جماعت کثیر جماعت پر غالب آجاتی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں

۱۔(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۱۸' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

کی مدد کرتا ہے‘ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے فتح اور نصرت کی دعا کی اور دعا وہ واحد ہتھیار ہے جو صرف مومنوں کے پاس ہے اور کافروں کے پاس نہیں ہے۔ حضرت شمویل (علیہ السلام) نے طالوت کو ایک زرہ دی اور فرمایا: جس شخص کے جسم پر یہ زرہ پوری آجائے گی وہ اللہ کے حکم سے جالوت کو قتل کردے گا‘ اور طالوت رضی اللہ عنہ کے منادی نے ندا کی: جو شخص جالوت کو قتل کرے گا میں اس کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور اپنا آدھا ملک اور آدھا مال اس کو دے دوں گا (یہ زرہ حضرت داؤد علیہ السلام پر پوری آئی تھی) حضرت داؤد علیہ السلام کا پورا نام ونسب یہ ہے: داؤد بن ایشا بن حصرون بن قانص بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے توبڑے میں ہاتھ ڈالا تو تین پتھر مل کر ایک پتھر بن گئے، حضرت داؤد علیہ السلام نے اس پتھر کو نکال کر اپنی منجنیق میں ڈال دیا‘ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے بندے داؤد علیہ السلام کی مدد کرو‘ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے آگے بڑھ کر اللہ اکبر کہا تو جن وانس کو چھوڑ کر تمام فرشتوں اور حاملین عرش نے نعرہ تکبیر بلند کیا‘ جب جالوت نے اللہ اکبر کی گونج دار آوازوں کو سنا تو اس نے یہ سمجھا کہ تمام دنیا نے مل کر اس پر حملہ کردیا ہے‘ زور سے آندھی چلی اور ان پر اندھیرا چھا گیا‘ جالوت خود الٹ کر گر گیا‘ حضرت داؤد علیہ السلام نے منجنیق میں پتھر ڈال کر اسے چھوڑا تو اس سے تین پتھر نکلے‘ ایک پتھر جالوت کی پیشانی پر لگ کر آر پار ہوگا اور وہ مقتول ہو کر زمین پر جاگرا دوسرا پتھر لشکر جالوت کے میمنہ پر جا کر گرا اور ان کو تباہ کردیا‘ تیسرا پتھر ان کے میسرہ پر گرا اور ان کو یوں لگا جیسے ان پر پہاڑ آگرا ہو وہ سب گھبرا پیٹھ موڑ کر بھاگے اور ایک دوسرے کے پاؤں تلے روندے گئے اور کچلے گئے‘ طالوت رضی اللہ عنہ بنو اسرائیل میں کامیاب اور کامران ہو کر لوٹے اللہ نے ان کو ان کے دشمنوں پر فتح اور نصرت

عطا فرمائی، طالوتؓ نے حسب وعدہ حضرت داؤدؑ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور ان کو نصف سلطنت اور نصف مال عطا کر دیا۔ طبریؒ نے بیان کیا ہے کہ طالوتؓ کی حکومت چالیس سال رہی۔ [1]

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللهِ: یعنی بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تو تھوڑی جماعتیں صبر و استقامت کی وجہ سے بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں، کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ خیر القرون میں بھی کتنے ہی واقعات ایسے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے چھوٹے چھوٹے دستوں کو بڑی فوجوں پر فتح عطا فرمائی۔ مثلاً ابو عمران اسلمؓ بیان کرتے ہیں کہ قسطنطنیہ کی لڑائی کے دوران میں ایک آدمی دشمن پر ٹوٹ پڑا تو لوگوں نے کہا، ٹھہر، ٹھہر! لا الٰہ الا اللہ! یہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ اس پر سیدنا ابو ایوب انصاریؓ نے کہا کہ یہ آیت ہم انصار کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی مدد کی اور اسلام کو پھیلا دیا، تو ہم انصار نے آپس میں مشورہ کیا کہ آؤ! اب ہم اپنے اموال کی فکر کریں اور ان کی اصلاح کریں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ)[البقرۃ:۱۹۵] ”اور اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت کی طرف مت ڈالو۔“ تو ہمارا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا یہ تھا کہ اپنے اموال کی اصلاح میں لگ جائیں اور جہاد چھوڑ دیں۔

پس سیدنا ابو ایوبؓ ہمیشہ میدان جہاد میں ڈٹے رہے، حتیٰ کہ روم کی سرزمین قسطنطنیہ میں دفن ہوئے۔ [2]

سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ میں غزوہ بدر میں مجاہدین کی صف میں کھڑا تھا۔ جب میں

۱۔(مختصر تاریخ دمشق، ج ۱۱ ص ۱۷۰۔ ۱۶۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ)

۲۔[أبو داؤد، کتاب الجهاد، باب فی قوله عزوجل (ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة): ۲۵۱۲]

نے اپنی دائیں اور بائیں طرف توجہ کی تو دونوں طرف کم عمر انصاری نوجوانوں کو دیکھا اور ان کا دائیں بائیں ہونا مجھے پسند نہ آیا۔ اچانک ان میں سے ایک نے اس طرح کہ دوسرے ساتھی کو پتا نہ چلے مجھ سے کہا، چچا جان! مجھے ابوجہل دکھادو۔ میں نے پوچھا، بھتیجے! تم اس کا کیا کروگے؟ کہنے لگا، میں نے اللہ سے عہد کر رکھا ہے کہ اگر میں اس کو دیکھ لوں گا تو اسے قتل کردوں گا، چاہے اس کوشش میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ پھر دوسرے نے بھی اسی طرح کہ اس کے ساتھی پر ظاہر نہ ہو، مجھ سے یہی پوچھا۔ سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت ان دونوں نوجوانوں کے درمیان کھڑے ہو کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور میں نے اشارے سے ان دونوں کو ابوجہل دکھا دیا۔ یہ دونوں ابوجہل کی طرف دو عقابوں کی طرح جھپٹے اور اسے قتل کردیا۔ یہ دونوں سیدہ عفراءؓ کے بیٹے تھے۔ [1]

سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا انس بن نضرؓ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ بدر کے معرکہ میں شریک نہ ہو سکے تو انھیں اس کا بڑا صدمہ ہوا۔ کہتے تھے پہلا معرکہ جس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) موجود تھے اور میں اس سے غائب تھا، اللہ کی قسم! اگر اب اللہ تعالیٰ کسی معرکہ میں مجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کرے گا تو اللہ دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ اور کچھ کہنے سے رک گئے۔ آئندہ سال جب احد کا موقع آیا تو آپ سعد بن معاذؓ کے سامنے آئے اور کہنے لگے اے ابوعمرو! کہاں (کا ارادہ ہے)؟ پھر کہتے ہیں (سبحان اللہ) جنت کی خوشبو کے کیا کہنے، مجھے تو احد پہاڑ کے دوسری طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ پھر وہ بڑی شجاعت سے لڑے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر اسی (۸۰) سے زیادہ تلوار، نیزے اور تیروں کے زخم

ا۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب: ۳۹۸۸]

پائے گئے۔ میری پھوپھی ربیع بنت نضر ؓ کہتی ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کی شناخت صرف ہاتھ کے پوروں سے کی۔

سیدنا انسؓ کہتے ہیں کہ (جب) یہ آیت نازل ہوئی: (مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا) [الأحزاب: ٢٣] "مومنوں میں سے کچھ مرد ایسے ہیں جنھوں نے وہ بات سچ کہی جس پر انھوں نے اللہ سے عہد کیا، پھر ان میں سے کوئی تو وہ ہے جو اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وہ ہے جو انتظار کر رہا ہے اور انھوں نے نہیں بدلا، کچھ بھی بدلنا" تو صحابہ کرام سمجھتے تھے کہ یہ آیت انس بن نضر ؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ [١]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے صحابہ میدان بدر کی طرف چلے، یہاں تک کہ مشرکین سے پہلے وہاں پہنچ گئے، پھر مشرک بھی آ گئے۔ آپ نے فرمایا: "جب تک میں آگے نہ بڑھوں تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کی طرف آگے نہ بڑھے۔" جب مشرکین نزدیک آ گئے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس جنت کی طرف لپکو جس کی پہنائیاں آسمانوں اور زمین کے برابر ہیں۔" (آپ کی یہ بات سن کر) عمیر بن حمام ؓ نے کہا، اے اللہ کے رسول! جنت کی پہنائیاں زمین و آسمان کے برابر؟ آپ نے جواب دیا: "ہاں!" انھوں نے کہا، بہت خوب، بہت خوب! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم بہت خوب، بہت خوب کیوں کہہ رہے ہو؟" انھوں نے کہا، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! کوئی بات نہیں سوائے اس کے کہ مجھے توقع ہے میں بھی اس

١۔ [مسلم، کتاب الإمارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشھید: ١٩٠٣]

جنت والوں میں سے ہوں گا۔ آپ نے فرمایا: ”تم بھی اس جنت والوں میں سے ہو۔“ اس کے بعد وہ اپنے توشہ دان سے کچھ کھجوریں نکال کر کھانے لگے، پھر بولے، اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا کہ اپنی یہ کھجوریں کھالوں تو یہ زندگی لمبی ہوجائے گی، چنانچہ انھوں نے اپنے پاس جو کھجوریں تھیں انھیں پھینک دیا، پھر مشرکین سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ [1]

﴿ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝٢٥٠ ﴾

اور جب یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ کے لیے نکلے تو عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔

جالوت مارا گیا

یعنی جس وقت مسلمانوں کی اس مختصر جماعت نے کفار کے ٹڈی دل لشکر دیکھے تو جناب باری میں گڑگڑا کر دعائیں کرنی شروع کیں کہ اے اللہ ہمیں صبر و ثبات کا پہاڑ بنا دے۔ لڑائی کے وقت ہمارے قدم جما دے، منہ موڑنے اور بھاگنے سے ہمیں بچالے اور ان دشمنوں پر ہمیں غالب کر، چنانچہ ان کی عاجزانہ اور مخلصانہ دعائیں قبول ہوتی ہیں، اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے اور یہ مٹھی بھر جماعت اس ٹڈی دل لشکر کو

۱۔[مسلم، کتاب الإمارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشھید: ۱۹۰۱]

تہس نہس کر دیتی ہے۔[۱]

یعنی انھوں نے دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہم پر پورا صبر انڈیل دے اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور کافروں پر ہماری مدد فرما۔ یہ بڑی جامع اور حسن ترتیب سے آراستہ دعا ہے۔ کیونکہ صبر آتا ہے تو ثابت قدمی ملتی ہے، ثابت قدمی ہو تو نصرت الٰہی ملتی ہے۔ معلوم ہوا کہ مومن کے لیے میدان جنگ میں بھی تیاری کے باوجود سب سے بڑا ہتھیار اللہ پر اعتماد اور اس سے دعا ہے، لہٰذا مادی اسباب کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نصرت الٰہی کے لیے ایسے موقعوں پر بطور خاص طلب گار رہیں، قرآن و حدیث میں میدان معرکہ میں نصرت الٰہی طلب کرنے کی بہت سی دعائیں وارد ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ)[آل عمران:۱۴۷] "اور ان کی بات اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ انھوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں ہماری زیادتی کو بھی اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور کافر لوگوں پر ہماری مدد فرما۔" اور فرمایا: (رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ)[البقرۃ:۲۸۶] "اے ہمارے رب! ہم سے مواخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں، اے ہمارے رب! اور ہم پر کوئی بھاری بوجھ نہ ڈال، جیسے تو نے اسے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پہلے تھے، اے ہمارے رب! اور ہم سے وہ چیز نہ اٹھوا جس (کے

۱۔ تفسیر ابن کثیر

اٹھانے) کی ہم میں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر کر اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر، تو ہی ہمارا مالک ہے، سو کافر لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔"

سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لشکر کفار کے خلاف غزوہ احزاب کے دن یوں بددعا کی: (اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ ! سَرِيْعَ الْحِسَابِ ! اَللّٰهُمَّ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ، اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ) "اے اللہ! کتاب نازل کرنے والے! جلد حساب لینے والے! اے اللہ! ان لشکروں کو شکست دے دے، اے اللہ! دشمن کو شکست دے اور ان کے قدم اکھیڑ دے۔"[1]

سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ دعا پڑھا کرتے تھے: (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَعَزَّ جُنْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَغَلَبَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ فَلَا شَيْءَ بَعْدَهٗ) "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنے لشکر کو عزت دی اور اپنے بندے (محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد کی اور کافروں کی فوجوں پر وہ اکیلا غالب آیا، اس کے بعد کوئی چیز اس کے مدمقابل نہیں ہو سکتی۔"[2]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: (اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ اَللّٰهُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ) "اللہ! میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اپنا وعدہ اور اقرار پورا کر۔ یا اللہ! اگر تیری مرضی یہی ہے (کہ یہ کافر غالب ہوں) تو پھر زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔" ابوبکر صدیقؓ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ہاتھ

۱۔[بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب الدعاء علی المشرکین بالهزیمة والزلزلة: ۲۹۳۳]

۲۔[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وهی الأحزاب: ٤١١٤]

تھام لیا اور عرض کی، یا رسول اللہ! بس کیجیے! تو اس وقت آپ یہ آیت پڑھتے ہوئے باہر نکلے: (سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ)[القمر:٤٥] ”عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھیں پھیر کر بھاگیں گے۔“ ①

﴿ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾ ﴾

تو بنی اسرائیل نے انھیں اللہ کے حکم سے شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اسے بادشاہی اور حکمت عطا کی۔ اور اسے اس علم میں سے سکھایا جس میں سے اس نے جتنا چاہا اور اگر اللہ ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا رہتا تو زمین فساد سے بھر جاتی۔ لیکن اللہ دنیا والوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

حضرت داؤدؑ کے ہاتھوں مخالفین کا سردار اور سرتاج جالوت مارا جاتا ہے، اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت طالوتؒ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم جالوت کو قتل کرو گے تو میں اپنی بیٹی

۱۔[بخاری، کتاب المغازی، باب قول اللہ تعالیٰ (إذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم أنی ممدکم بألف من الملائکۃ مردفین): ۳۹۵۳]

تمہارے نکاح میں دوں گا اور اپنا آدھا مال بھی تمہیں دے دوں گا اور حکومت میں بھی برابر شریک کرلوں گا، چنانچہ حضرت داؤدؑ نے پتھر کو فلاخن میں رکھ کر جالوت پر چلایا اور اسی سے وہ مارا گیا، حضرت جالوت نے اپنا وعدہ پورا کیا، بالآخر سلطنت کے مستقل سلطان آپ ہی ہو گئے اور پروردگار عالم کی طرف سے بھی نبوت جیسی زبردست نعمت عطا ہوئی اور حضرت شموئیلؑ کے بعد یہ پیغمبر بھی بنے اور بادشاہ بھی، حکمت سے مراد نبوت ہے اور بہت سے مخصوص علم بھی جو اللہ عزوجل نے چاہے اپنے اس نبی کو سکھائے۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یوں پست لوگوں کی پستی نہ بدلتا جس طرح بنی اسرائیل کو طالوتؓ جیسے مدبر بادشاہ اور داؤدؑ جیسے دلیر سپہ سالار عطا فرما کر حکومت تبدیل نہ کرتا تو لوگ ہلاک ہو جاتے جیسے اور جگہ ہے آیت (ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات و مساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا) یعنی یوں اگر ایک دوسرے کے دفیعہ نہ ہو تو عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے توڑ دی جائیں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں ایک نیک بخت ایماندار کی وجہ سے اس کے آس پاس کے سو سو گھرانوں سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔ پھر راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسی آیت کی تلاوت کی (ابن جریرؒ)، ابن جریرؒ کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سچے مسلمان کی صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد کی اولاد کو اس کے گھر والوں کو اور سنوار دیتا ہے اور اس کی موجودگی تک وہ سب اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں، ابن مردویہؒ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں ساٹھ شخص تم میں ضرور ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی اور تم پر بارش برسائی جائے گی اور تمہیں روزی دی جائے گی۔ ابن مردویہؒ کی دوسری حدیث میں ہے میری امت میں تیس ابدال ہوں گے جن کی

وجہ سے تم روزیاں دیئے جاؤ گے، تم پر بارش برسائی جائے گی اور تمہاری مدد کی جائے گی۔ اس حدیث کے راوی حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے حضرت حسنؒ بھی انھیں ابدال میں سے تھے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت اور اس کا احسان ہے کہ وہ ایک کو دوسرے سے دفع کرتا ہے، وہی سچا حاکم ہے، اس کے تمام کام حکمت سے پر ہوتے ہیں، وہ اپنی دلیلیں اپنے بندوں پر واضح فرمارہا ہے۔ وہ تمام مخلوق پر فضل وکرم کرتا ہے۔ [۱]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ بعض لوگوں (کے شر) کو بعض (نیک) لوگوں کے سبب سے دور نہ فرماتا تو ضرور زمین تباہ ہوجاتی۔ (البقرہ:۲۵۱)

نیکوکاروں کی برکت سے گنہگاروں سے عذاب کا دور ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جالوت اور اس کے لشکر کے فساد کو طالوتؒ اور اس کے لشکر سے دور فرمادیا اور جالوت کو حضرت داؤد (علیہ السلام) کے ہاتھ سے قتل کرادیا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ عام قاعدہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے وہ مفسدین کے شر کو مصلحین سے دور فرماتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ زمین تباہ ہوجاتی اور قیامت آجاتی' اس آیت میں مفسدین اور مصلحین کے متعلق کئی تقریریں کی گئی ہیں' بعض ازاں یہ ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ ظالم اور جابر حکمران کے جبر کو کسی نیک شخص کے سبب سے دور کردیتا ہے جیسے فرعون کے جبر کو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور جالوت کے جبر کو حضرت داؤد (علیہ السلام) سے دور کردیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ لوگوں کے کفر کو انبیاء (علیہم السلام) کی ہدایت اور تبلیغ سے دور فرمادیتا ہے:

۱۔ تفسیر ابن کثیر

(آیت) ”کتب انزلنہ الیک لتخرج الناس من الظلمت الی النور“۔(ابراہیم:۱)

ترجمہ: یہ کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کی) روشنی کی طرف نکالیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ علماء اور صالحین کے سبب سے لوگوں کو معاصی اور برائیوں سے دور کردیتا ہے:

(آیت) ”کنتم خیرامۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر“۔(آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جس کو لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

(آیت) ”ادفع بالتیھی احسن السیءۃ“۔(المؤمنون:۹۶)

ترجمہ: برائی کو اچھے طریقہ سے دور کرو۔

(آیت) ”ویدرءون بالحسنۃ السیءۃ“۔(القصص:۵٤)

ترجمہ: اور وہ بدی کو نیکی کے ذریعہ دور کرتے ہیں۔

اس مفہوم میں وہ حکام بھی داخل ہیں جو اللہ کے احکام کو نافذ کرتے ہیں اور اللہ کی حدود کو قائم کرتے ہیں:

(٤) اللہ تعالیٰ انبیاء‘ خلفاء سلاطین اور حکام کے ذریعہ لوگوں سے قتل وغارت گری‘ لوٹ مار‘ اور فتنہ وفساد کو دور فرماتا ہے۔

(آیت) ”ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوت ومسجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا“۔(الحج:٤٠)

ترجمہ: اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور راہبوں کی عبادت گاہیں اور گرجے اور

کلیسے اور مسجد یں گرادیں جاتیں جن میں اللہ کے نام کا بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے۔

امام (خلیفہ) یا سلطان یا حاکم کی حجت اور اس کی اطاعت پر حسب ذیل احادیث شاہد ہیں:

حافظ نورالدین الہیثمی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس نے دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے سلطان کی عزت کی اللہ قیامت کے دن اس کو عزت عطا کرے گا' اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام احمد کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم پر میرا حق ہے اور تم پر امراء کا بھی حق ہے' جب تک وہ تین چیزوں کو قائم رکھیں' جب ان سے رحم طلب کیا جائے تو رحم کریں' جب وہ فیصلہ کریں تو عدل کریں اور جب وہ عہد کریں تو اس کو پورا کریں اور جس نے یہ نہیں کیا اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو' ان کا فرض قبول نہ ہوگا نہ نفل' اس کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں بعض راوی غیر معروف ہیں۔ [۱]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص بغیر امام کے مر گیا وہ زمانہ جاہلیت کی موت مرا۔ اس حدیث کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ [۲]

(۵) اللہ تعالیٰ انبیاء (علیہم السلام) اور صالحین کے سبب سے کفار اور فساق پر ہونے والے عذاب کو دور کر دیتا ہے اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا تو اس عذاب سے زمین تباہ ہو جاتی' اس کی تصدیق ان آیات میں

۱۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۱۶۔۲۱۵' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

۲۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۱۸' مطبوعہ دارالکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

ہے:

(آیت)"وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم"۔(الانفال:۳۳)

ترجمہ: اور اللہ (کے شایان شان) نہیں کہ وہ انھیں عذاب دے درآں حالیکہ آپ ان میں موجود ہیں۔

(آیت)"لوتزیلوا لعذبنا الذین کفروا منھم عذابا الیما"۔(الفتح:۲۵)

ترجمہ: اگر وہ ایمان والے وہاں سے نکل جاتے تو ہم ان (مکہ والوں میں سے) کافروں کو دردناک عذاب دیتے۔

حضرت خضر اور حضرت موسیٰ (علیہما السلام) نے گاؤں والوں کی ایک گرتی ہوئی دیوار بنادی حالانکہ ان لوگوں نے ان کی میزبانی اور ضیافت سے انکار کر دیا تھا' اور دیوار بنانے کی اجرت بھی نہیں لی' حضرت خضر (علیہ السلام) نے اس کی وجہ بیان کی:

(آیت)" واما الجدار فکان لغلمین یتیمین فی المدینۃ وکان تحتہ کنز لھما وکان ابوھما صالحا"۔(الکھف: ۸۲)

ترجمہ: اور رہی دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔

اور اس کی تصدیق ان احادیث میں ہے' حافظ جلال الدین سیوطی ؒ بیان کرتے ہیں:

امام ابن جریر ؒ اور امام ابن عدی ؒ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عمر ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نیک مسلمان کے سبب سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔

امام ابن جریرؒ اور امام ابن عدیؒ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نیک مسلمان کے سبب سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے بلاؤں کو دور کردیتا ہے۔

امام ابن جریرؒ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک نیک مسلمان کے سبب سے اس کی اولاد' اولاد در اولاد' اس کے اہل خانہ اور اس کے پڑوس کی اصلاح فرمادیتا ہے اور جب تک وہ شخص ان میں رہے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

امام ابن ابی حاتمؒ اور امام بیہقیؒ نے "شعب الایمان" میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نمازیوں کے سبب بے نمازیوں سے عذاب کو دور کردیتا ہے' اور حج کرنے والوں کے سبب سے حج نہ کرنے والوں سے عذاب کو دور کردیتا ہے' زکوۃ نہ دینے والوں کے عذاب کو دور کردیتا ہے۔

امام احمدؒ ' حکیم ترمذیؒ اور امام ابن عساکرؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: شام میں چالیس ابدال ہیں' جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ دوسرے کو اس کا بدل بنادیتا ہے' ان کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور دشمنوں کے خلاف مدد حاصل ہوتی ہے' اور ان کے سبب سے اہل شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے اور امام ابن عساکر کی روایت میں ہے' ان کے سبب سے روئے زمین سے بلاء اور غرق کیے جانے کو دور کیا جاتا ہے۔

امام طبرانی نے "معجم کبیر" میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میری امت میں تیس ابدال ہیں' انہی کے وسیلہ سے زمین قائم ہے' انہی کے وسیلہ

سے بارش ہوتی ہے اور انہی کے وسیلہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔[1]

﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۵۲ ﴾

یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو ٹھیک سنا رہے ہیں اور تم یقیناً ان لوگوں میں سے ہو جو رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت فرماتے ہیں' اور بیشک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں۔ (البقرہ: ۲۵۲) سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت پر دلیل اور آپ کو تسلی دینے کا بیان: ان آیات کا اشارہ ان ہزاروں اسرائیلیوں کی طرف ہے جو طاعون کی صورت میں موت کو دیکھ کر شہر چھوڑ کر بھاگے' اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کردی' پھر ایک نبی کی دعا سے ان کو زندہ کر دیا' اور طالوت کو بادشاہ بنایا اور اس کی بادشاہت کی دلیل پر تابوت کو نازل کیا' اور عمالقہ اور جالوت کو حضرت داؤد (علیہ السلام) کے ہاتھوں قتل کرایا' اور یہ تمام واقعات اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت' اس کی حکمت اور اس کی رحمت پر دلالت کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان آیات کو آپ پر ہم تلاوت فرماتے ہیں' حالانکہ ان آیات کو آپ پر حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے تلاوت کیا تھا' اس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کا پڑھنا گویا اللہ کا پڑھنا ہے' اس میں حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کو اسی طرح مشرف فرمایا ہے جس طرح نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی

۱۔ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۲۲۰' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

عزت افزائی کے لیے فرمایا: (آیت) "ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ"۔ (الفتح: ۱۰) ترجمہ: بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا: ہم ان آیات کو حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں۔

جو اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جس طرح سابقہ امتوں نے اللہ کی راہ میں سختیوں اور مصائب کو برداشت کیا اس طرح آپ کی امت کو بھی جہاد فی سبیل اللہ میں سختیوں اور مشقتوں کو برداشت کرنا چاہیے یعنی یہ واقعات حق ہیں اور ان میں تدبیر کر کے ان پر عمل کرنا چاہیے۔

(۲) حق سے مراد یقین ہے یعنی ان واقعات کے ثبوت میں کوئی شک نہیں ہے' کیونکہ سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی یہ واقعات ایسی طرح لکھے ہوئے ہیں۔

(۳) ہم نے ان واقعات کو ایسی فصیح و بلیغ عبارات میں بیان کیا ہے کہ کوئی شخص ان کی نظیر نہیں لاسکتا' اور یہ آپ کے برحق ہونے پر دلیل ہے۔

(٤) یہ آیات حق ہیں' یعنی یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں' یہ القاء شیطان سے ہیں نہ کاہنوں اور جادو گروں کی تحریف ہیں نہ شعر و شاعری ہیں' اس کے بعد فرمایا: بیشک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں' کیونکہ یہ آیات دو وجہ سے آپ کی رسالت پر دلالت کرتی ہیں:

(۱) آپ نے سابقہ امتوں کے یہ واقعات بیان فرمائے جن کی تصدیق اس زمانہ کی آسمانی کتابوں میں موجود تھی حالانکہ سب جانتے تھے کہ آپ نے کسی مکتب میں جا کر پڑھنا نہیں سیکھا' نہ علماء اہل کتاب سے آپ نے یہ واقعات سنے اس کے باوجود جب آپ نے بغیر پڑھے اور سنے یہ واقعات بالکل

درست بیان فرما دیئے تو یہ اس بات پر روشن دلیل ہے کہ اللہ نے اپنی وحی کے ذریعہ آپ کو ان سے مطلع فرمایا اور اس نے اپنا کلام آپ پر نازل فرمایا:

(۲) اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر آپ کو یہ بتایا کہ ہر زمانہ میں رسولوں کی مخالفت ہوتی رہی ہے اور ان کا انکار کیا جاتا رہا ہے' سو اگر کچھ لوگ آپ کو نہیں مانتے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے' رسولوں سے ہمیشہ اسی طرح ہوتا آیا ہے' ہر زمانہ میں رسولوں کو اسی لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اللہ کا پیغام پہنچا دیں اور وہ اپنی خوشی اور اختیار سے اس کو قبول کر لیں' کسی رسول کو بھی جبراً مسلمان کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا' سو اگر بعض ضدی اور ہٹ دھرم لوگ آپ کی رسالت کو نہیں مانتے تو آپ غم نہ کریں کیونکہ آپ کو کلی طور نہ مانا جانا عین تاریخ رسالت کے مطابق ہے اور اگر یہ آپ کو رسول نہیں مانتے تو کیا ہوا ہم تو کہتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسولوں میں سے ہیں!

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا کہ پچھلی امتوں کے یہ واقعات اور نشانیاں جو ہم آپ کے لیے بیان کر رہے ہیں جو سچی ہیں اور آپ کے رسول ہونے کی واضح اور صریح دلیل ہیں۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر گزشتہ امتوں کے واقعات کے بیان کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صداقت کے لیے دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ :ارشاد فرمایا: (تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ) [آل عمران: ۱۰۸] "یہ اللہ کی آیات ہیں، ہم انھیں حق کے ساتھ تجھ پر پڑھتے ہیں۔" اور فرمایا: (ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ) [آل عمران: ۵۸] "یہ ہے جسے ہم آیات اور پر حکمت نصیحت میں سے تجھ پر پڑھتے ہیں۔"

وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ: ارشاد فرمایا: (لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا)[النساء:۷۹] ”اور ہم نے تجھے لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کافی گواہ ہے۔“ اور فرمایا: (هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا)[الفتح:۲۸] ”وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے اور اللہ گواہ کے طور پر کافی ہے۔“ اور فرمایا: (يٰسٓ ۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۔ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ)[یٰس:۱ تا ۳] ”یٰس۔ اس حکمت سے بھرے ہوئے قرآن کی قسم! بلاشبہ تو یقیناً بھیجے ہوئے لوگوں میں سے ہے۔“

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ ﴾

یہ سب رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ ان میں سے کوئی

وہ ہے جس سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کے درجے بلند کئے اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) کو کھلے معجزے دیئے اور اس کو روح القدس (جبرئیل (علیہ السلام) کے ساتھ قوت دی اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جو لوگ ان پیغمبروں کے بعد ہوئے آپس میں نہ لڑتے جب کہ ان کے پاس صاف حکم پہنچ چکے تھے لیکن انھوں نے باہم اختلاف کیا چنانچہ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو ایمان لائے اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ باہم نہ لڑتے۔ لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ربط آیات:

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے طالوت وجالوت اور ان کے باہمی مقابلہ اور ایمانداروں کے استقلال وثابت قدمی کا ذکر کر کے جہاد کا مقصد بیان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مفسدوں کے شر کو دفع کرتا ہے، اگر جہاد نہ ہو تو مفسد لوگ ملک کو تباہ و ویران کر دیں، یہ انبیاء کا معمول ہے، اس لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر یہ اعتراض بے جا ہے کہ نبیوں کا کام لڑائی نہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی انہی رسولوں میں سے ہیں جو یہ کام کرتے آئے ہیں۔

رسولوں کی باہمی فضیلت

اس سے پہلے اس سورت میں متعدد نبیوں اور رسولوں کا ذکر آچکا ہے' مثلاً حضرت آدمؑ حضرت ابراہیمؑ

حضرت اسماعیلؑ‘ حضرت اسحاقؑ ‘ حضرت یعقوبؑ‘ حضرت شموئیلؑ‘ حضرت حزقیلؑ‘ حضرت داؤدؑ‘ حضرت سلیمانؑ اور حضرت عیسیٰ علیہم وعلی نبینا سیدنا محمد الصلوۃ والسلام‘ اس لیے پڑھنے والے کے ذہن میں یہ تجسس پیدا ہوگا کہ آیا یہ تمام نبی اور رسول درجہ اور مرتبہ میں برابر ہیں یا ان میں درجات اور مراتب کا فرق ہے؟ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ان سب رسولوں (میں سے) ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے‘ یعنی بعض رسولوں کو ایسی خصوصیات اور فضیلتیں عطا فرمائی ہیں جو دوسرے بعض رسولوں کو عطا نہیں فرمائیں اور چونکہ اس سورت کا اکثر حصہ بنو اسرائیل کے احوال پر مشتمل تھا اور ان میں زیادہ تر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے متبع تھے اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے پیروکار تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) بنو اسرائیل کے آخری نبی تھے‘ اس لیے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) کی فضیلتوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کہ ہم نے بعض کو کلام سے سرفراز فرمایا‘ یعنی ان سے بلاواسطہ کلام فرمایا‘ ان سے حضرت آدم (علیہ السلام) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مراد ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور بعض کو (بے شمار درجوں کی) بلندی عطا فرمائی‘ اس سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اللہ تعالیٰ نے یہاں صراحۃً آپ کا نام نہیں کیونکہ غیر متناہی درجات کے ساتھ آپ کا مخصوص ہونا اس قدر مشہور اور معروف ہے کہ آپ کا صراحۃً ذکر نہ کیا جائے پھر بھی ذہن آپ کے سوا اور کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا‘ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ آپ کو درجات کی بلندی عطا کی ہے‘ یہ نہیں بیان فرمایا کہ کتنے درجات کی بلندی عطا فرمائی ہے کیونکہ عالم اعداد میں کوئی عدد ایسا ہے ہی نہیں جو آپ کے تمام درجات کو بیان کرسکے اور کسی عدد کا ذکر نہ فرما کر اس پر متنبہ کیا ہے کہ آپ کے درجات کا کوئی

شمار نہیں نہ ان کی کوئی حد ہے‘ کہ آپ رحمت للعالمین اور خاتم النبیین ہیں‘ لواء حمد کے حامل اور مقام محمود پر فائز ہیں‘ تمام سابقہ شریعتوں کے ناسخ ہیں‘ کوثر و سلسبیل کے ساقی ہیں‘ عالم میثاق میں تمام انبیاء اور مرسلین سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کا عہد و پیمان لیا گیا‘ آپ تمام انبیاء اور مرسلین کے قائد ہیں‘ شب معراج اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دیدار سے مشرف فرمایا‘ روز حشر تمام اہل محشر کو آپ کی شفاعت کی احتیاج ہوگی‘ آپ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔

کائنات اللہ کو راضی کرتی ہے اور اللہ آپ کو راضی فرماتا ہے‘ اور ایسے بہت سے فضائل اور خصائص ہیں جو صرف آپ ہی کو حاصل ہیں‘ یہ اجمالی ذکر ہے اور انشاء اللہ ہم اس کو تفصیل سے بھی بیان کریں گے‘ اس کے بعد حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ ان کے معجزات زیادہ تر حسی تھے‘ مثلاً مردوں کو زندہ کرنا‘ مادرزاد اندھوں کو بینا کرنا اور برص اور کوڑھ کے مریضوں کو تندرست کرنا وغیرہ‘ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کے بعد والے واضح نشانیاں آنے کے بعد آپس میں قتال نہ کرتے لیکن انھوں نے اختلاف کیا۔ (البقرہ:۲۵۳)

بعض کفار عرب کے اسلام نہ لانے پر آپ کو تسلی دینا: اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سابقہ امتوں کی خبر دی ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم نے واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود کہا: ہمیں اللہ تعالیٰ کو ظاہر باہر دکھاؤ‘ اور ہمارے لیے ایک معبود بنادو جیسے ان کا معبود ہے‘ اسی طرح حضرت عیسیٰ ؑ کی قوم نے روشن دلائل اور معجزات مثلاً مردوں کو زندہ کرنا اور کوڑھیوں کو تندرست کرنا دیکھا‘ اس کے باوجود انھوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی تکذیب کی اور ان کو قتل کرنے کے درپے ہوئے اب آپ کو یہ بتایا جارہا ہے کہ آپ بھی سابقہ رسولوں کی طرح ایک

رسول ہیں تو اگر آپ کے دلائل اور معجزات پیش کرنے کے باوجود آپ کی قوم کے بعض لوگ آپ کی تکذیب کررہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے: (آیت) ”وان یکذ بوک فقد کذبت قبلھم قوم نوح وعاد وثمود۔ وقوم ابرھیم وقوم لوط۔ واصحب مدین، وکذب موسیٰ“۔ (الحج: ٤٤۔ ٤٢)

ترجمہ: اور اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں (تو آپ پریشان نہ ہوں) سو ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے اور عاد نے اور ثمود نے تکذیب کی تھی۔ اور ابراہیمؑ کی قوم نے اور لوطؑ کی قوم نے اور اصحاب مدین نے (بھی تکذیب کی تھی) اور موسیٰؑ کی تکذیب کی گئی۔ نیز فرمایا: (آیت) ”فان کذبوک فقد کذب رسل من قبلک جآء و بالبینت والزبر والکتب المنیر“۔ (آل عمران: ١٨٤) ترجمہ: اگر یہ آپ کی تکذیب کریں (تو غم نہ کریں) آپ سے پہلے رسولوں کی بھی تکذیب کی گئی ہے جو واضح دلائل آسمانی صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔

اور اگر اللہ چاہتا تو نہ وہ لوگ اختلاف کرتے اور نہ آپ کی قوم کے بعض لوگ مخالف ہوتے‘ اور اللہ تعالیٰ ان سب کو جبراً مسلمان کردیتا اور دنیا میں کبھی کوئی شخص کسی نبی کا مخالف اور کافر نہ ہوتا لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت کے خلاف ہے‘ اس نے انسان کو حریت فکر اور سوچ و بچار کی آزادی عطا کی ہے‘ اس نے کفر اور ایمان اور ہدایت اور گمراہی کے راستے پیدا کیے شیطان کو پیدا کیا جو انسان کو کفر اور گمراہی کی طرف بلاتا ہے اور انبیاء اور رسل مبعوث فرمائے جو اس کو ایمان اور ہدایت کی دعوت دیتے ہیں اور انسان کو عقل سلیم عطا کی‘ سچ اور جھوٹ اور کھرے اور کھوٹے کو پرکھنے کا شعور دیا‘ اب وہ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ انبیاء اور رسل کی دعوت پر کتنے لوگ صراط مستقیم کو اختیار کرتے ہیں اور شیطان کے بہکانے میں آکر کتنے لوگ کفر اور گمراہی کو اختیار کرتے ہیں‘ اس لیے فرمایا: لیکن انھوں نے اختلاف کیا‘ سو ان میں

سے کوئی ایمان لے آیا اور کسی نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے لیکن اللہ وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے۔اب ہم قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مشہورہ سے بیان کریں گے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں۔فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق ‘۔"رحمۃ للعلمین" ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا"۔

(۱) (آیت) "وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین"۔(الانبیاء:۱۰۷) ترجمہ:اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی تو بھیجا ہے"۔آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں اور اپنے وجود اور بقاء میں ہر چیز کو رحمت کی ضرورت ہے تو ساری کائنات آپ کی محتاج ہوئی اور محتاج الیہ محتاج سے افضل ہوتا ہے اس لیے آپ ساری کائنات سے افضل قرار پائے اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے بھی افضل ہوں‘ آپ سے پہلے جو نبی آئے ان کی قوموں نے ان کی تکذیب کی تو ان قوموں پر عذاب آیا‘ جب آپ کی قوم کے کافروں نے آپ کی تکذیب کی اور عذاب کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:(آیت) "وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم"۔(الانفال:۳۳) ترجمہ:اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان کافروں کو عذاب دے۔

انبیاء سابقین کے آنے کے بعد کافروں سے عذاب ٹل نہیں سکتا تھا اور آپ کے آنے کے بعد عذاب آ نہیں سکتا تھا۔تمام نبیوں اور رسولوں کے نبی ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا"۔(آیت) "واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتب وحکمۃ ثم جآء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال ء اقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا، قال فاشھدوا وانا معکم من الشھدین‘۔فمن تولی بعد ذلک فاولیک ھم الفسقون"۔(آل عمران:۸۲۔۸۱) ترجمہ:اور یاد کیجئے جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ

میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں' پھر تمہارے پاس ایک عظیم رسول آجائے جو اس (کتاب اور حکمت) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے' تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا' فرمایا: کیا تم نے اس کا اقرار کر لیا اور اس پر میرے بھاری عہد کو قبول کر لیا؟ ان سب نے کہا: ہم نے اقرار کیا' فرمایا: سو گواہ ہو جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں' ۔ پھر اس عہد کے بعد جو اس سے پھرا تو وہی لوگ نافرمان (فاسق) ہیں۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ انبیاء سابقین میں سے جس نبی کے زمانہ میں بھی آپ مبعوث ہو جاتے' اس نبی پر لازم ہوتا کہ وہ آپ پر ایمان لائے۔ امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت علی بن ابی طالبؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور ان کے بعد جس نبی کو بھی بھیجا اس سے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق یہ عہد لیا کہ اگر اس نبی کی زندگی میں سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہو جائیں تو وہ ضرور ضرور ان پر ایمان لائے اور ضرور ضرور ان کی نصرت کرے اور اپنی قوم کو بھی ان پر ایمان لانے کا حکم دے۔ (۱)

امام ابن ابی شیبہؒ روایت کرتے ہیں: حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: اس ذات کی قسم جس قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ (۲)

اس حدیث کو امام بغویؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ (۳)

۱۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۶' مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت' ۱٤۰۹ھ)

۲۔ (المصنف ج ۹ ص ٤۷ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱٤۰٦ھ)

۳۔ (شرح السنۃ ج ۳ ص ۲۱۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱٤۱۲ھ)

امام ابویعلیؒ روایت کرتے ہیں: حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: خدا کی قسم: اگر موسیٰ تمہارے زمانہ میں زندہ ہوتے تو ان کے لیے میرے سوا کسی کی پیروی کرنا جائز نہ ہوتا۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء اور رسل حکما اور تقدیرا ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت ہیں اور نبی امت سے افضل ہوتا ہے اس سے واضح ہوا کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں۔ تمام نبیوں اور رسولوں کو عالم میثاق میں کیے ہوئے اس عہد کو پورا کرنے کا انتظار تھا اسی لیے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے دعا کی: (آیت)"۔ ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایتک و یعلمھم الکتب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم"۔۔(البقرہ:۱۲۹)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ان میں ایک عظیم رسول بھیج دے جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی باطنی اصلاح کرے، بیشک تو ہی بڑا غالب اور بہت حکمت والا ہے۔۔حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے آپ کے آنے کی بشارت دی: (آیت)"۔ واذ قال عیسیٰ ابن مریم یبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد"۔ الصّف:٦) ترجمہ: اور یاد کیجئے جب عیسیٰ بن مریمؑ نے کہا: اے بنو اسرائیل! بیشک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلی کتاب توراۃ کی تصدیق کرتا ہوں اور اس عظیم رسول کی

١۔(مسند ابویعلی ج ٢ ص ٢٤٧ ، مطبوعہ دار المامون تراث بیروت، ١٤٠٤ ھ) امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔(مسند احمد ج ٣ ص ٣٣٨ مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ١٣٩٨ ھ) حافظ الہیثمی۔١ (حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ٨٠٧ ھ، مجمع الزوائد ج ١ ص ١٧٤ ، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، اور حافظ سیوطی۔٢ (حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ ھ، درمنثور ج ٢ ص ٤٨ ، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران) نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام نامی احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

امام احمدؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت عرباض بن ساریہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور بیشک (اس وقت) آدم اپنی مٹی میں تھے اور عنقریب میں تم کو اپنی ابتداء کے متعلق بتاؤں گا، میں ابراہیمؑ کی دعا ہوں اور عیسیٰؑ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا خواب ہوں جو انھوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا اور بیشک ان سے ایک نور نکلا جس سے (ملک) شام کے محلات روشن ہو گئے۔ [۱]

قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں: قریب ہے کہ اس تیل کی طرح سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت لوگوں پر آپ کے دعویٰ نبوت سے پہلے ہی ظاہر ہو جاتی۔ [۲]

علامہ شہاب الدین خفاجیؒ نے لکھا ہے: اس آیت میں سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کو اس

۱۔(امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۸،۱۲۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ) اس حدیث کو امام طبرانی۔۱(امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ، معجم کبیر ج ۱۸ ص ۲۵۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت) امام بزار۔۲ (امام احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار المتوفی ۲۹۲ھ، کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۴ ص ۱۱۳، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ، بیروت) امام ابن حبان۔۳ (امام ابوحاتم محمد بن حبان بسی متوفی ۳۵۴ھ، موارد الظمآن ص ۵۱۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت) امام ابونعیم۔۴ (امام ابونعیم بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۸۹، مطبوعہ دارالکتب العربی، ۱۴۰۷ھ) امام حاکم ۵ امام حاکم۔۵ (امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵، المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰، مطبوعہ دارالباز، مکہ مکرمہ) امام بیہقی۔۶ (امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۳۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت) اور امام بغوی ۷۔(امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ، شرح السنۃ ج ۷ ص ۱۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ) نے بھی روایت کیا ہے۔ امام ذہبی نے لکھا ہیں اس حدیث کی سند صحیح ہے۔۸ (علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۸۴۸ھ، تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰، مطبوعہ مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمہ)

۲۔(الشفاء ج ۱ ص ۱۱، مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی، ملتان)

تیل سے تشبیہ دی گئی ہے جو از خود روشن ہو جاتا ہے۔ (۱)

امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں: قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: یا ام المومنین! مجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خلق کے متعلق بتائیے؟ آپ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! حضرت عائشہؓ نے فرمایا نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خلق قرآن تھا۔ (۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خصائل اور شمائل کی جامع عبارت قرآن مجید ہے اور قرآن مجید کے تین پاروں کو اگر انسانی پیکر مصطفی ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا: ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مجھے حسن اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔ (۳)

امام بغویؒ روایت کرتے ہیں: حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق کو تمام تک پہنچانے اور محاسن افعال کو کمال تک پہنچانے کے لیے

۱۔(نسیم الریاض ج۱ ص ۱۱۳، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

۲۔(صحیح مسلم ج۱ ص، ۲۵۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ) اس حدیث کو امام بخاری۔۱ (امام محمد اسماعیل بخاری (رح) متوفی ۲۵۶ ھ الادب المفرد ص ۸۷۔۸۶ مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل) امام ابوداؤد۔۲ (امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ ھ، سنن ابوداؤد ج۱ ص ۱۹۰۔۱۸۹، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان، لاہور ۱۴۰۵ھ) امام نسائی۔۳ (امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۲ ھ، سنن نسائی ج۱ ص، ۲۳۷ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) امام ابن ماجہ ٤ (امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ متوفی ۲۷۳ ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۶۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) امام احمد۔۵ (امام احمد بن حنبل متوفی ۲٤۱ ھ، مسند احمد ج ٦ ص، ۲۱٦ ـ ۱۸۸ـ ۱۱۱ـ ۹۱ـ ٥٤ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ) امام دارمی۔٦ (امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ ھ، سنن دارمی ج۱ ص ۲۸٤، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان۔) اور امام بیہقی۔۷ (امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤۵۸ ھ، دلائل النبوۃ ج۱ ص ۳۱۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت) نے روایت کیا ہے۔

۳۔(موطا امام مالک ص ۷۰۵، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور)

مبعوث فرمایا ہے۔[1]

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ آپ سے پہلے کوئی نبی اور رسول مکارم اخلاق اور محاسن افعال کا جامع نہیں تھا' حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ نے شاہی کی زندگی گزاری اس میں فقر کا نمونہ نہیں ہے' حضرت یحییٰؑ اور عیسیٰؑ نے تجرد کی زندگی گزاری اس میں ازدواجی زندگی اور عائلی حیات کا نمونہ نہیں ہے' ایسی کامل زندگی جو انسانیت کے ہر شعبہ پر محیط ہو وہ صرف آپ کی زندگی ہے۔ آپ نے بکریاں چرائیں' گڈریوں اور چرواہوں کو اعزاز بخشا' دودھ دوہا' گوالوں کی عزت افزائی کی' جوتی مرمت کر لی' موچیوں کا مقام اونچا کیا' پھٹے ہوئے کپڑے سی لیے' خندقیں کھودیں' تجارت ہو' صنعت و حرفت ہو' حکومت کا کوئی شعبہ ہو' امامت ہو' خطابت ہو' سپہ سالاری ہو' ہر شعبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ ہے۔ اگر ایک حاکم فخر سے کہے کہ میں حکومت چلا کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت پر عامل ہوں تو پیوند لگے ہوئے لباس پہن کر زمین کھودنے والا مزدور بھی کہے گا کہ میں بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت کا امین ہوں' سو ایسی کامل زندگی نبیوں اور رسولوں میں سے کسی نے نہیں گزاری' آپ تمام نبیوں اور رسولوں میں مکارم اخلاق اور محاسن افعال کے سب سے زیادہ جامع ہیں' اس لیے سب رسولوں میں آپ ہی سب سے افضل ہیں۔ رسالت کے عموم کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا: (آیت) "وما ارسلنک الا کافۃ اللناس بشیرا ونذیرا"۔ (سبا: ۲۸) ترجمہ: اور ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا بھیجا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے رسول ہیں' نیز فرمایا: (آیت) "تبرک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا

۱۔ (شرح السنۃ ج ۷ ص ۱۰۔۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

"۔(الفرقان:۱) ترجمہ: وہ برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندہ پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے ہوں۔اسی طرح احادیث میں بھی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کا عموم اور شمول بیان کیا گیا ہے۔

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں: حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی (نبی) کو نہیں دی گئیں' ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کرکے میری مدد کی گئی ہے' تمام روئے زمین میرے لیے مسجد بنادی گئی ہے اور طہارت (تیمم) کا ذریعہ بنادی گئی ہے' سو میری امت کا جو شخص بھی نماز کا وقت پائے وہ (جہاں بھی ہو) نماز پڑھ لے' اور میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا اور وہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا' اور مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی ہے اور ہر نبی بالخصوص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ (۱)

امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مجھے چھ وجوہ سے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے' جوامع الکلم عطا کیے گئے' میری رعب سے مدد کی گئی میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا' تمام روئے زمین کو میرے لیے طہارت کا آلہ (تیمم) اور

۱۔(صحیح بخاری ج۱ص ۴۸ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ) اس حدیث کو امام بغوی۔۱ (امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ' شرح السنۃ ج۷ ص ۵ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ) اور امام دارمی۔۲ (امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۳۹۵ھ' دارالمعرفۃ بیروت"۔نے بھی روایت کیا ہے۔

مسجد بنا دیا گیا، مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت ختم کی گئی۔ [۱]

امام احمدؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوموسٰی اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں، مجھے ہر کالے اور گورے کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور میرے لیے تمام زمین مسجد اور آلہ طہارت (تیمم) بنا دی گئی ہے۔ [۲]

حافظ الہیثمیؒ نے امام بزارؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہر نبی بالخصوص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام جن اور انس کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ [۳]

حافظ ابن عساکرؒ روایت کرتے ہیں: حضرت عوف بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہمیں چار ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو ہم سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں اور میں نے اپنے رب سے پانچویں چیز مانگی تو میرے رب نے وہ بھی عطا کر دی پہلے نبی کسی ایک شہر (قوم) کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور اس سے تجاوز نہیں کرتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

۱۔ (صحیح مسلم ج۱ ص ۱۹۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

۲۔ الحدیث (مسند احمد ج ٤ ص ٤١٦، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۸ھ) حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۸، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ١٤٠٢ھ) امام احمد نے اس حدیث کو حضرت ابوذر (رض) سے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ٤ ص ١٦٢-١٦١، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

۳۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۸، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ١٤٠٢ھ)

۔۔ ①

قرآن مجید اور بہ کثرت احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام جن وانس بلکہ تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں۔

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں: حضرت جبیر بن مطعمؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میرے پانچ اسماء ہیں: میں محمد اور احمد ہوں، میں ماحی ہوں جس کے سبب سے اللہ کفر کو مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں لوگ میرے قدموں میں جمع کیے جائیں گے اور میں عاقب (آخری نبی) ہوں۔۔ ②

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے نبیوں کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے بہت حسین وجمیل گھر بنایا لیکن اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی ہو، لوگ اس گھر کے گرد طواف کریں اور تعجب کریں اور کہیں کہ کیوں نہ یہ ایک اینٹ بھی رکھ دی گئی تو میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

۔۔ ③

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۱۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۲ ص ۱۳٤، مطبوعہ دار الفکر، دمشق، ۱٤۰٤ھ) اس حدیث کو امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (معجم کبیر ج ۱۱ ص ٦۱، ۵۱-
مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت) امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمرو (رض) سے بھی روایت کیا ہے۔ (معجم کبیر ج ۱۲ ص ۲۱۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

۲۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۱، ج ۲ ص ۷۲۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ)

۳۔ (امام محمد اسماعیل بخاری (رح) متوفی ۲۵٦ھ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ) اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲٤۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

نے فرمایا: بنواسرائیل کے انبیاء ان کا سیاسی نظام چلاتے تھے' جب بھی کوئی نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہوجاتا اور بیشک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ [۱]

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تبوک کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت علیؓ کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا' حضرت علیؓ نے کہا: آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جارہے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ تھے: مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ [۲]

امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں: حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میرے بعد رسالت اور نبوت منقطع ہوچکی ہے' سو میرے بعد کوئی رسول ہوگا نہ نبی۔ [۳]

۱۔(صحیح بخاری ج۱ ص۴۹۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ) اس حدیث کو امام مسلم۔٤ (امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲٦۱ھ' صحیح مسلم ج۲ ص۱۲٦' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ) اور امام احمد۔۵ (امام احمد بن حنبل متوفی ۲٤۱ھ، مسند احمد ج۲ ص۲۹۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ) نے بھی روایت کیا ہے۔

۲۔(صحیح بخاری ج۲ ص٦۳۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ) اس حدیث کو امام مسلم۔۱ (امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲٦۱ھ' صحیح مسلم ج۲ ص٤۷۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ) امام ترمذی۔۲ (امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص۵۳٤۔۵۳۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی) امام ابن ماجہ۔۳ (امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص۱۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) امام احمد۔٤ (امام احمد بن حنبل متوفی ۲٤۱ھ، مسند احمد ج۱ ص۱۸۳،۔۱۸۲۔۱۷۷' ج۳ ص۲۳۸۔ ۲۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ) اور امام ابن حبان۔۵ (امام ابوحاتم محمد بن حبان البسی متوفی ۳۵٤ھ' الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان ج۱۰ ص٤۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱٤۹۷ھ) نے بھی روایت کیا ہے۔

۳۔امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' جامع ترمذی ص۲۳۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی) اس حدیث کو امام احمد۔۷ (امام احمد بن حنبل متوفی ۲٤۱ھ، مسند احمد ج۳ ص۲٦۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ) امام حاکم۔۸ (امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ٤۰۵' المستدرک ج٤ ص۳۹۱' مطبوعہ دارالباز' مکہ مکرمہ) امام ابن ابی شیبہ۔۹ (امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ' المصنف ج۱۱ ص۵۳' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱٤۰٦ھ) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں: حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب تک میری امت کے قبائل مشرکین کے ساتھ لاحق نہ ہوں' اور جب تک بتوں کی عبادت نہ کی جائے اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی' اور عنقریب میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں ہر ایک نبوت کا دعوی کرے گا حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ [۱]

قرآن مجید کی چھ ہزار سے زیادہ آیتیں ہیں اور ہر آیت میں قرآن مجید کی حقانیت اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کی صداقت پر تین دلیلیں ہیں:

(۱) قرآن مجید میں زیادتی نہیں ہوسکتی۔

(۲) قرآن مجید میں کمی نہیں ہوسکتی۔

(۳) اس کی کوئی مثل نہیں لاسکتا' اسی طرح نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کے صدق پر اٹھارہ ہزار سے زائد دلائل ہو گئے۔ علوم وفنون میں دن بدن ترقی ہو رہی ہے اور اسلام کے مخالفین اور آپ کی رسالت کے منکرین کی تعداد بھی دن بہ دن بڑھ رہی ہے' اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ چودہ سو سال سے زیادہ گزر گئے اور اب تک کسی نے اس چیلنج کو نہیں توڑا نہ کوئی شخص قرآن مجید کی کسی آیت کی کوئی مثال لاسکا نہ اس میں کمی یا زیادتی کرسکا اگر اس چیلنج کو توڑنا کسی کے بس کی بات ہوتی تو اب تک وہ اس چیلنج کو توڑ چکا ہوتا۔ دوسرے انبیاء (علیہم السلام) کے معجزات مثلاً لاٹھی اور اونٹنی وغیرہ اعیان و

۱۔ (جامع ترمذی ص ۳۲۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی) اس حدیث کو امام ابوداؤد۔ ۱۰ (امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۲۸ مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان' لاہور ۱۴۰۵ھ) امام احمد۔ ۱۱ (امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ) اور امام بیہقی۔ ۱۲ (امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۴۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت) نے بھی روایت کیا ہے۔

جواہر کے قبیل سے تھے لیکن وہ باقی نہ رہے اور قرآن مجید اعراض اور معانی کے قبیل سے ہے اور ہنوز باقی ہے اور انشاء اللہ قیامت تک بلکہ اس کے بعد تک باقی رہے گا' خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر کثیر اور قوی دلائل نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت پر قائم کیے گئے وہ کسی اور نبی اور رسول کی نبوت پر قائم نہیں کیے گئے دیگر انبیاء (علیہم السلام) کی نبوت پر دلیل فانی معجزات ہیں' آپ کی نبوت پر دلیل باقی رہنے والا' اللہ کا کلام قرآن مجید ہے۔ آپ کے دین کے ناسخ الادیان ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے لائے ہوئے دین کو اپنی نعمت تامہ قرار دیا اور فرمایا: (آیت) "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" (المائدہ: ۳) ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔ آپ کے دین کو ادیان سابقہ کے لیے ناسخ قرار دیا اور فرمایا: (آیت) "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ"۔ (آل عمران: ۸۵) ترجمہ: اور جس شخص نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کیا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تمام انبیاء اور رسل پر عظیم فضیلت ہے کہ آفتاب محمدیت کے طلوع کے بعد اب کسی نبی یا رسول کی شریعت کا چراغ نہیں جلے گا' حتی کہ اگر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بھی ظاہری حیات سے زندہ ہوتے تو آپ کی پیروی کرتے اور جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا نزول ہوگا تو وہ بھی آپ کی شریعت کی پیروی کریں گے' امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا مرتبہ ہوگا جب تم میں ابن مریم کا نزول ہوگا اور امام تم میں سے ہوگا۔[۱]

۱۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا دین تمام ادیان سے افضل ہے اس لیے ضروری ہوا کہ آپ تمام انبیاء اور رسل سے افضل ہوں۔ امت کی کثرت اور افضیلت کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا:" (آیت) "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر"۔ (آل عمران: ١١٠) ترجمہ: تم ان امتوں میں سب سے بہترین امت ہو جن کو لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ آپ کی امت کے افضل ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ سابقہ امتوں میں بھی ایمان لانے والے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی امت کو (آیت) "یایھا الذین امنوا"۔ اے ایمان والے" کہہ کر مخاطب نہیں فرمایا بلکہ، مثلا یابنی اسرائیل، کہہ کر پکارا اور یہ اس امت کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ اس کو (آیت) "یایھا الذین امنوا"۔ سے خطاب کیا کیونکہ اس پر ایمان لانے کے تو بہت دعوی دار ہیں لیکن فضیلت ان کی ہے جن کو وہ خود (آیت) "یایھا الذین امنوا"۔ فرمائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن جب انبیاء (علیہم السلام) کی ان کے امتی تکذیب کریں گے اور کہیں گے: ہمیں کسی نے خدا کے عذاب سے نہیں ڈرایا، اس وقت انبیاء (علیہم السلام) کی صداقت پر آپ کی امت گواہی دے گی: (آیت) "وکذلک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شھدآء علی الناس،۔ (البقرہ: ١٤٣) ترجمہ: اور اے مسلمانو! اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں (انبیاء علیہم السلام) پر گواہ ہو جاؤ۔ اور یہ امت کی کتنی بڑی فضیلت ہے کہ وہ انبیاء (علیہم السلام) کے مقدمہ میں گواہ ہوگی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنواسرائیل کے متعلق فرمایا: (آیت) "یبنی اسرآءیل اذکروا نعمتی"۔ (البقرہ: ٤٧) ترجمہ: اے بنواسرائیل! میری نعمت کو یاد کرو۔ اور آپ کی امت کے متعلق فرمایا: (آیت) "فاذکرونی"۔ (البقرہ: ١٥٢) ترجمہ: تم میری ذات کو یاد کرو۔ بنواسرائیل کی رسائی صرف اللہ کی صفت

انعام تک تھی اور آپ کی امت کی رسائی اللہ کی ذات تک ہے' کیونکہ باقی امتوں کے نبیوں نے اللہ کی صفات کا مشاہدہ کیا اور آپ نے اللہ کی ذات کا مشاہدہ کیا' وہ صرف صفات کے مظہر تھے آپ عین ذات کے مظہر ہیں' اس لیے ان کی امتیں صفات کو یاد کرتی ہیں اور آپ کی امت ذات کو یاد کرتی ہے۔ امت کی وجہ سے آپ کے افضل الرسل ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی امت کی تعداد تمام امتوں کے مجموعہ سے بھی زیادہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہر نبی کو اتنے معجزات دیئے گئے جن کی مثل پر ایک بشر ایمان لے آئے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام عطا فرمایا ہے اور مجھے امید ہے کہ میری امت قیامت کے دن ان سب سے زیادہ ہوگی۔ [1]

امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مجھ پر امتیں پیش کی گئیں' میں نے ایک نبی کو دیکھا ان کے ساتھ ایک جماعت تھی' ایک اور نبی کو دیکھا ان کے ساتھ ایک اور دو آدمی تھے' ایک اور نبی کو دیکھا ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا' پھر میرے سامنے ایک عظیم جماعت بلند کی گئی' میں نے گمان کیا یہ میری امت ہوگی! مجھے بتایا کہ یہ حضرت موسیٰ کی امت ہے' البتہ آپ آسمان کے کنارے پر دیکھیں میں دیکھا تو ایک بہت بڑی جماعت تھی' پھر مجھ سے کہا گیا: آپ دوسرے کنارے کو دیکھیں تو وہاں بھی ایک بہت بڑی جماعت تھی' مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار ایسے لوگ ہیں جو جنت میں بغیر حساب اور عذاب کے داخل

۱۔ ۱ (امام محمد اسماعیل بخاری (رح) متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ) اس حدیث کو امام مسلم۔ ۲ (امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ) اور امام بغوی۔ ۳ (امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ' شرح السنۃ ج ۷ ص ۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ) نے بھی روایت کیا ہے۔

ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مسلمان کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا‘ اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کردی ہے؟ اے اللہ! تو گواہ ہوجا‘ پھر فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم نصف اہل جنت ہو؟ تمہارے مقابلہ میں دوسری امتیں ایسی ہوں گی جیسے بیل میں ایک سیاہ بال ہو یا سیاہ بیل میں ایک سفید بال ہو۔ [۱]

اس حدیث میں ہے کہ آپ کی امت نصف اہل جنت میں ہوگی اور دوسری حدیث میں ہے اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی‘ ان میں سے اسی صفیں آپ کی امت کی ہوں گی یعنی آپ کی امت کل اہل جنت کی دوتہائی ہوگی اور آپ کی امت کا کل نبیوں کی امتوں سے تعداد میں سب سے زیادہ ہونا اور مرتبہ میں سب سے افضل ہوں اس کی دلیل ہے کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں میں سب سے افضل ہیں۔ مقام محمود پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا۔ (آیت) ”عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا “۔ (الاسراء:۷۹) عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر جلوہ گر جائے گا۔۔ مقام سے مراد وہ مقام ہے جس مقام پر فائز ہونے والے کی تمام اولین اور آخرین حمد کریں گے‘ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا‘ اور آپ کی شفاعت کبری عطا کی جائے گی اور آپ تمام اہل محشر کی شفاعت کریں گے۔ [۲]

مام ترمذی ؒ روایت کرتے ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس نے اذان سننے کے بعد یہ کہا: اے اللہ! اس دعوت تامہ اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب! محمد کو وسیلہ (جنت میں ایک بلند مقام) اور فضیلت عطا فرما اور ان کو اس مقام

۱۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع‘ کراچی‘ ۱۳۷۵ ھ)

۲۔ (جامع ترمذی ص ۵۸ ‘ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب‘ کراچی) اور امام مسلم نے روایت کیا ہے:

محمود پر فائز پر فائز فرما جس کا تو نے وعدہ کیا ہے' اس شخص کیلیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب تم موذن سے اذان سنو تو اذان کے کلمات کی مثل کہو' پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے' پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو' وہ جنت میں ایک مقام ہے' جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید (بہ معنی یقین) ہے کہ وہ بندہ میں ہوں' سو جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ (1)

حافظ ابن عساکرؒ روایت کرتے ہیں: حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ کو کلام عطا کیا اور مجھے دیدار عطا کیا اور مجھے مقام محمود اور حوض مورود (جس حوض پر لوگ وارد ہوں گے) کی فضیلت عطا کی۔ (2)

قرآن مجید اور ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مقام محمود صرف ہمارے نبی کریم سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عطا ہوگا' نیز وسیلہ (جنت میں مقام بلند) بھی صرف آپ کو عطا ہوگا اور اس میں آپ کے افضل الرسل ہونے کی واضح دلیل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک مرتبہ وہ آیات تلاوت کیں جن میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ (علیہ السلام) کے شفاعت کرنے کا ذکر ہے' پھر آپ نے ہاتھ بلند کیے اور روتے ہوئے فرمایا اے اللہ میری امت! میری امت! اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبرائیل! محمد کے پاس جاؤ حالانکہ آپ کا رب خوب

۱۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

۲۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۰۸' مطبوعہ دار الفکر' دمشق' ۱۴۰۴ھ)

جانتا تھا (پھر بھی) فرمایا: ان سے پوچھو آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے آ کر آپ سے پوچھا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو بتایا کہ آپ نے کیا کہا تھا' حالانکہ اللہ خوب جانتا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبرائیل محمد کے پاس جاؤ اور کہو: بیشک ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔ [۱]

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذکر کی بلندی کا اس سے اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر عزت اور سربلندی کے مقام پر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذکر کو اپنے ساتھ ذکر کیا ہے اور فرمایا: (آیت) "ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی"۔ (الاحزاب: ٥٦) ترجمہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے سارے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر صلوۃ پڑھتے (رحمت بھیجتے) رہتے ہیں۔ گویا ازل سے لے کر ابد تک کوئی وقت نہیں گزرتا مگر اس وقت میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر صلوۃ پڑھتا رہا ہے حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر یوم ولادت' یوم وفات اور یوم بعثت میں صرف تین بار اللہ نے سلام نازل کرنے کا ذکر فرمایا اور نبی کریم پر زمان ومکان کی کسی قید کے بغیر اللہ تعالیٰ نے صلوۃ نازل کرنے کا ذکر فرمایا' پھر وہاں سلام کا ذکر تھا یہاں صلوۃ کا ذکر ہے' وہاں تین ایام کی قید ہے' یہاں اعداد وشمار کا ذکر نہیں ہے' نہ الوہیت کے عدم کا تصور ہے نہ آپ کے ذکر کے انقطاع کا تصور ہے۔ (آیت) " ورفعنا لک ذکرک"۔ امام بیہقیؒ روایت کرتے ہیں: جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سدرۃ المنتہی پر پہنچے تو آپ نے اپنے رب سے کلام کیا' آپ نے عرض کیا: تو نے ابراہیمؑ کو خلیل بنایا اور ان کو ملک عظیم عطا کیا اور موسیٰ (علیہ السلام) سے کلام کیا اور داؤدؑ کو ملک عظیم عطا کیا اور ان کے لیے لوہے کو نرم کیا'

۱۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اوران کے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا اور سلیمان ؑ کو ملک عظیم عطا کیا اوران کے لیے پہاڑ، جن اور انسان مسخر کردیئے اور شیطانوں اور ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا، اوران کو ایسی سلطنت عطا کی جوان کے بعد اور کسی کو سزاوار نہ ہوگی، اور عیسیٰ ؑ کو توراۃ اور انجیل کا علم دیا، اوران کو یہ حکمت دی کہ وہ برص اور کوڑھ کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے اور تیرے اذن سے مردوں کو زندہ کرتے تھے، اور تونے ان کو اوران کی ماں کو شیاطین سے اپنی پناہ میں رکھا، اللہ عزوجل نے فرمایا: میں نے آپ کو خلیل بنایا اور توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ وہ خلیل الرحمن ہیں، اور آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنایا اور آپ کے لیے شرح صدر کیا، اور آپ سے مشکل احکام کا بوجھ دور کیا، اور آپ کے ذکر کو بلند کیا، اور جب بھی میرا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جاتا ہے اور آپ کی امت کو سب سے بہتر امت بنایا، اور امت وسط بنایا، اور آپ کی امت کو اول اور آخر بنایا، اور آپ کی امتوں کے دل اناجیل کی کیفیت پر بنائے اور آپ کی امت جب بھی خطبہ پڑھتی ہے تو یہ شہادت دیتی ہے کہ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں، اور آپ کو بہ اعتبار خلقت کے اول الانبیاء اور بہ لحاظ بعثت کے آخرالانبیاء بنایا اور آپ کو عرش کے خزانہ کے نیچے سے سورہ فاتحہ دی گئی جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی اور آپ کو فاتح اور خاتم بنایا۔ [1]

امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا، لوگ کہیں گے: کاش! ہم اپنے رب کے حضور شفاعت طلب کرتے ہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ اس جگہ ہم کو راحت عطا فرماتا، پھر وہ حضرت آدمؑ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے

۱۔(دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۳۔۴۰۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونکی اور فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا اور انھوں نے آپ کو سجدہ کیا' آپ ہمارے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجئے' حضرت آدم فرمائیں گے: میں تمہارا کام نہیں کرسکتا' اور اپنی (اجتہادی) خطاء یاد کریں گے' تم نوحؑ کے پاس جاؤ (اخیر حدیث تک) پھر لوگ حضرت عیسیٰؑ کے پاس جائیں گے' وہ کہیں گے کہ میں تمہارا کام نہیں کرسکتا' تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ' ان کے اگلے اور پچھلے ذنب (یعنی بظاہر خلاف اولی کاموں) کی مغفرت کردی گئی ہے۔ (۱)

امام مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے ایک طویل روایت میں ذکر کیا ہے کہ جب لوگ حضرت عیسیٰؑ کے پاس جائیں گے تو وہ فرمائیں گے: میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ پھر لوگ میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے: اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام انبیاء کے خاتم ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے ذنب (یعنی خلاف اولی کاموں) کو بخش دیا ہے' اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے۔ (۲)

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں قیامت کے دن بنی آدم کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے میری ہی قبر کھولی جائے گی، سب سے پہلے میں ہی شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی۔" (۳)

۱۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۲۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ) امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۵۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

۳۔ [مسلم، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علی جمیع الخلائق: ۲۲۷۸]

سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔“ (۱)

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا۔“ (۲)

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی نے باہم گالی گلوچ کی، مسلمان نے کہا، اس ذات کی قسم، جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جہان والوں کے لیے منتخب کرلیا! اور یہودی نے کہا کہ اس ذات کی قسم، جس نے موسیٰ (علیہ السلام) کو تمام جہانوں میں سے منتخب کرلیا! اس پر مسلمان نے یہودی کے منہ پر تھپڑ دے مارا، یہودی نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوکر اس مسلمان کی شکایت کی، تب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”مجھے موسیٰ (علیہ السلام) پر فضیلت نہ دو، قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے، چنانچہ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ (علیہ السلام) عرش کی ایک جانب کو پکڑے ہوئے ہوں گے۔ نہیں معلوم کہ موسیٰ (علیہ السلام) مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے، یا ان میں سے ہوں گے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس بے ہوشی سے مستثنیٰ کررکھا ہے۔“ (۳)

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”انبیائے کرام (علیہ

۱۔[مسلم، کتاب الإیمان، باب فی قول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): أنا أول الناس یشفع فی الجنۃ۔۔ الخ: ۱۹۶]

۲۔[مسلم، کتاب الإیمان، باب أدنی أھل الجنۃ منزلۃ فیھا: ۱۹٤]

۳۔[بخاری، کتاب الرقاق، باب نفخ الصور: ٦٥١٧۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ (علیہ السلام): ۲۳۷۳]

السلام) کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔“ [۱]

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (شفاعت کی مفصل حدیث میں) ارشاد فرمایا: ”لوگ سیدنا موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے، اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ نے اپنی رسالت اور آپ سے ہم کلام ہو کر آپ کو سارے لوگوں پر فضیلت دی، آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیجیے، آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ہماری کیا حالت ہو رہی ہے؟ موسیٰ (علیہ السلام) کہیں گے، آج میرا رب اس قدر غصے میں ہے کہ نہ اس سے پہلے اتنے غصے میں آیا نہ اس کے بعد کبھی اتنے غصے میں آئے گا، (دنیا میں) میں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا جسے قتل کرنے کا مجھے کوئی حکم نہ تھا، اب اس کی وجہ سے، مجھے اپنی جان کی فکر ہے، ہائے میری جان، ہائے میری جان!“۔ [۲]

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”آدم اور موسیٰ (علیہ السلام) میں بحث ہوگئی۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا، اے آدم! آپ ہمارے والد ہیں، آپ نے ہمیں بہت گھاٹا دیا اور جنت سے نکلوا دیا۔ آدم نے کہا، تم موسیٰ ہو، اللہ نے تمہیں اپنے ساتھ ہم کلام ہونے کا شرف بخشا اور تمہارے لیے اپنے ہاتھ سے توراۃ لکھی، تم مجھے ایک ایسی بات (تقدیر) پر ملامت کر رہے ہو۔ جو اس نے میرے پیدا ہونے سے چالیس سال پہلے ہی میرے لیے مقدر کر دی تھی۔ چنانچہ آدم (علیہ

۱۔[مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ (علیہ السلام): ۲۳۷۳۔ بخاری، کتاب بدء الخلق، باب قول اللہ تعالیٰ (وإن یونس لمن المرسلین): ۳۴۱۴]

۲۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (ذریۃ من حملنا مع نوح۔۔ الخ): ۴۷۱۲]

السلام) موسیٰ (علیہ السلام) پر غالب آ گئے۔“ [1]

سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! سب سے پہلے نبی کون تھے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”آدم (علیہ السلام)۔“ میں نے پھر پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا وہ نبی تھے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ہاں! وہ ایسے نبی تھے جن سے کلام کیا گیا تھا۔ [2]

وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ: یہ بات اسی آیت میں پہلے بھی گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی۔ اب پھر فرمایا کہ ان میں سے بعض کو درجات میں بلند کیا۔ اس سے ایک خاص شخصیت کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے جسے سب جانتے ہیں، اس لیے نام لینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

1۔ [بخاری، کتاب القدر، باب تحاج آدم وموسیٰ عند اللہ: ٦٦١٤۔ مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم وموسیٰ (علیہما السلام): ٢٦٥٢۔ أبوداؤد، کتاب السنة، باب فی القدر: ٤٧٠١]

2۔ [مسند أحمد: ٥/ ١٧٨، ح: ٢١٦٠١]